وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

حسن رسول نما افتخار آل حسین
اویس قرنی ثانی و ثالث حسنین

# مناقب الحسن رسول نما

یعنی

# ترجمہ فوائح العرفان

مولفہ سید محمد ہاشم صاحب خلیفہ جناب قطب ربانی اویس ثانی مقرب بارگاہ ذو المنن جناب
سید پاک سید حسن رسول نما دہلوی رح

بسعی تمام شیخ عمر بخش صاحب وکیل ہائیکورٹ لاہور نے
مطبع گلزار ہند سٹیم پریس لاہور میں ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ع میں چھپوا کر شائع کیا

# فہرست مضامین کتاب ہذا

# دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مد للہ رب السموات ورب الارض ورب العلمین ولہ الکبریاء فی السموات والارض
والعزیز الحکیم۔ وللہ ملک السموات والارض یغفر لمن یشاء وهو الغفور الرحیم۔ هو الذی
ارسل رسولہ بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کلہ ولو کره المشرکون۔ رسول من انفسکم
عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم۔ محمد رسول اللہ والذین معہ
اشداء علی الکفار رحماء بینہم۔ ویتلو علیکم آیاتہ ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ
ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون۔ یا ایها الذین آمنوا صلوا علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلموا تسلیما کثیرا کثیرا

ضلع ہوشیارپور کے قریب ایک پورانا قصبہ ہے جسکا نام تاریخ کی کتابوں میں کوٹھی
وارہ" درج ہے۔ اسجگہ بہت مقدس اور اعلیٰ درجہ کے بزرگ گذرے ہیں اور چند
ان پاک ہستیوں کی وجہ سے اُسکو ایسا شرف حاصل ہوا ہے کہ اکثر متعلقین
بجواڑہ شریف کے نام سے پکارتے ہیں۔

اُن بزرگوں کے حالات عموماً فراموشی میں محو ہوتے جاتے ہیں۔ جو اصحاب زیادہ مفصل
حالات سے واقف تھے وہ گذشتہ پچاس سال میں فوت ہو چکے ہیں اِسلئے ایک مختصر کتاب
تحریر کرنیکا ارادہ ہوا۔ تاکہ آئندہ اصحاب کی واقفیت کے واسطے اُنکے جسقدر حالات اب
ملتے ہیں جمع کردئے جائیں۔ اس کوشش میں معلوم ہوا کہ جناب مقبول الابرار اولیائے کبار
سید ولایت اللہ یار صاحب قدس سرہٗ کے کچھ حالات جناب اویس ثانی قطب زمن
سید حسن رسول نما دہلوی قدس سرہٗ کے ملفوظات میں درج ہیں اسلئے انکی تلاش
کی گئی تو اول ایک مفصل کتاب یعنے "فواتح العرفان" ملی جسکا نسخہ حکیم فضل محمد صاحب جالندھری
ت پوری کے خاندانی کتب خانہ میں موجود تھا لیکن پورانی خاندانی روایات کے لحاظ سے

اور تحریرات واسباب کل قافلہ کا تھا سب دریا برد ہو گیا اور کوئی کسی قسم کی تحریر باقی نہیں رہی جسکا انکے دل پر سخت صدمہ تھا۔ مینے اُن سے دریافت کیا کہ آپنے سنا ہے کہ اس کتاب کا نسخہ کہیں ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ کبھی نہیں سُنا کہ اب یہ کتاب کہیں موجود ہے۔ مینے کہا کہ میرے پاس دو نسخے ہیں۔ یہ سُنکر مولوی صاحب کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور نہایت خوش ہو کر کہنے لگے کہ مَیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ مینے کہا اسکا ترجمہ ہو رہا ہے بعد فراغت آپ کو دکھلاؤنگا اور ترجمہ شدہ کتاب اردو میں چھپے گی اُسکا ایک نسخہ آپکو بھیجدونگا۔ جسپر وہ نہایت خوش ہوئے لیکن افسوس ہے کہ اسکے چند ماہ بعد مولوی صاحب کا انتقال ہو گیا۔

شجرۂ نسب سے جو معہ نوٹ کتاب کے اخیر میں درج ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید عثمان صاحب ہمدان سے معہ لشکر کے اسطرف آئے اور کفار سے جنگ میں شہید ہوئے۔ نارنول میں آپکا مزار زیارتگاہِ خاص و عام ہے اور کتابوں میں عثمان نارنولی کے نام سے مذکور ہیں۔

حسب روایت خاندانی آپ کے بزرگ بخارا سے ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ اوّل قصبہ موہان متصل لکھنؤ میں قیام کیا بعد ازاں نارنول میں مستقل رہائش اختیار کی۔ یہ شہر اُسوقت بڑی رونق پر تھا اور سلطنت کے کاروبار کے لئے ایک پایۂ گاہ تھا۔ اسوقت کے کھنڈرات اور مزارات بزرگان سے اسکی گذشتہ عظمت کا قیاس ہو سکتا ہے آپکے خاندان کے ایک بزرگ سید تاج الدین تاج جمال شیر سوار چابک مار گذرے ہیں جو اعلیٰ رتبہ کے بزرگ تھے اُنکا مزار بھی نارنول میں زیارت گاہ عام ہے۔ انکا سلسلہ چشتیہ ہے اور حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی کے پوتے شیخ قطب الدین منور رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و صاحب راز تھے سنہ [illegible]ھ میں انکا وصال ہوا۔

نارنول میں سید پاک کی دختری اولاد میں سے بہت سادات ہیں اُن میں سے ایک بزرگ میر فضل حسین پسر سید ابو الحسن گرداور قانونگو نارنول میں ہیں اُنکے ذریعہ ایک کرسی نامہ ملا جس سے صحیح معلوم ہوتا ہے دہلی والے شجرہ میں آپکے والد شریف کا اصلی نام درج نہیں ہے صرف عرف درج ہے نام دوسری جگہ سے لیا گیا ہے

جناب سید پاک کی روحانی تعلیم وتربیت کی تفصیل سوائے اسکے معلوم نہیں ہوسکی جو تواریخ میں درج ہے
اسمیں شک نہیں کہ بعض ایسے صاحب گذرے ہیں جنکو مادرزاد ولی کے لقب سے پکارا جاتا ہے
لیکن انکی تعلیم کا سلسلہ بھی تھوڑا بہت ہوتا ہے اور طریقہ اُویسیہ میں یہ حالات بالکل مخفی رہجاتے
ہیں۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ مصنف نے کتاب میں کوئی ذکر آپ کی روحانی تعلیم کا یا آپکا
کسی جگہ بیعت ہونا درج نہیں کیا۔ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی روحانی نشوونما
پیدائشی اس قسم کی تھی جیسی مادرزاد ولی اللہ کی ہوتی ہے۔ اور طریقہ اُویسیہ مشہور ہے جسکا ذکر
متن کتاب میں موجود ہے اور یہی طریقہ ہے جسمیں روحانی فیض جناب سرچشمہ فیض
دوجہان حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے بلاتوسط حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت خواجہ
اُویس قرنی رضہ کو فیض بلاتوسط اور بلا زیارت وملاقات ظاہری کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے اول ہوا تھا اسواسطے اس طریقہ کا نام اُویسیہ ہے۔ لیکن سید احمد حسن صاحب سجادہ نشین
حال اور اُنکے والد سید احمد علی شاہ صاحب مرحوم نے اکثر لوگوں کو مرید کیا ہے اور خاندان روحی
میں شجرۂ قادری جاری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یعنی سید پاک کو سلسلہ
قادری میں سید موسیٰ قادری سے بیعت ہے اور یہ شجرۂ بیعت منظوم اخیر
میں درج ہے۔ اس شجرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سید پاک رحمۃ اللہ علیہ اور جناب
غوث پاک سلطان الاولیاء کے درمیان چھ واسطہ ہیں۔ لیکن نعت شریف جو کتاب کی
خاتمہ پر لکھی ہے جناب سید پاک نے خود اپنے پیر کا نام بہاؤ الدین درج فرمایا ہے۔
اسکی تحقیقات کسی صاحب کشف سے کرنی چاہیئے ٭۔

---

عمر بخش وکیل ہائی کورٹ پنجاب۔ لاہور۔

۲۳۔ اپریل سنہ ۱۹۲۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

پاک ہے وہ ذات مقدس جو اپنے جمال کی نورانی کرنوں کی چمک دمک کی وجہ سے تم فہم و ادراک سے محجوب ہے۔ لیکن عارفوں کے دلوں کو کائنات کے مظاہر اور آئینوں میں جلوہ دکھا دیا ہے۔ اور عاشقانِ صادق کی چشم بصیرت کے لئے وہ تمام موجودات کے ظاہر باطن میں رونما ہے۔ اسکی سلطنت کا ثبوت اس آیت سے ملتا ہے کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (ہر ایک دن وہ ایک نیا کارنامہ قدرت انجام دیتا ہے") اور اسکی عظمت کا ظہور اس کلام پاک سے ہوتا ہے فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ہ ("اپنے رب کی کونسی نعمت کی اے گروہِ جن و انس تم تکذیب کرتے ہو") حقائق اور معارف کے باغوں کی خوشبو اور عوارف کے بوستانوں کی مہک اس ذاتِ پاک کی تعریف و توصیف ہے۔ گلزارِ ابرار کے پھولوں کا کھلنا اور آزاد مردوں کے چمنستانوں کی رونق دائمی اسکی صفاتِ قدسیہ کی بدولت ہے۔ انوارِ بیان کی چمک اور اسرارِ شہود و عیاں کی بک اس علمِ محیط کے انوار کے انعکاس کا ایک ادنیٰ پرتو ہے جس کا نمونہ عارفانِ باکمال کے ضمائرِ باطنیہ میں دیکھا جاتا ہے ٭

اسکے بعد ہم رسولِ خدا پر درود بھیجتے ہیں جنہوں نے ہمیں طریقہ راست رہنمائی فرمائی۔ معرفت و محبت الٰہی کی چاشنی بخش شراب پلائی۔ یہ وہ نبی اُمّی ہیں جنکی رحمت کے بادلوں نے فضل اور احسان کا مینہ برسایا اور اسکی مکرمت اور عنایت کی بارشوں نے علم اور معرفت کے دریا بہا دیئے قدوم میمنت لزوم کے انوار سے کفر اور معصیت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو مبدل بہ نور کر دیا۔

اپنے خاصانِ بارگاہ کو رموز اور حقائق سے آگاہ کیا۔ اور اپنے دوستوں کو معارف کے خزانوں سے مالا مال فرمایا۔ زمین ان کے نورِ جمال سے روشن ہو گئی اور آسمان کے لئے ان کا حسن باعثِ رونق ثابت ہوا۔ کیا کہنے ہیں اس منبع انوارِ ذات کے جو جسم کی چادر پہن کر اس عالمِ ظلمانی میں نمودار ہوئی۔ اُسکے منہ سے پردہ اُٹھا دیا گیا تاکہ اسکے چہرہ مبارک کے انوار لوگ چشمِ سر سے مشاہدہ کریں اور اس بات کا طوعاً و کرہاً اعتراف کریں کہ خود نور بھی اسی ذاتِ گرامی کے خرمن کا خوشہ چین ہے۔ معرفت کا وہ جمال جو صاحب دلوں کے آئینوں میں جلوہ گر ہوا ہے اُس کی تجلیات کی وہ خیرہ کن روشنی پائی جاتی ہے جسکے بیان سے زبان قاصر ہے۔ اور تجلی کی وہ جو اہلِ معرفت کے دلوں میں منعکس ہوئی ہیں مشاہدہ کے وہ انوار ہیں جن کو تحریر و تقریر کے ذریعہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اُس نبی اُمی صلے اللہ علیہ وسلم کے آلِ عظام اور صحابہ کرام بھی اس درود میں ان کے ساتھ شامل ہوں +

حمد و صلوٰۃ کے بعد بندہ کمترین محمد ہاشم بن محمد کاظم حسنی حسینی نجفی ثم الالغو ندی عرض کرتا ہے کہ تائیدات غیبیہ سے یہ عاجز ایک ایسے سید العارفین امام المحققین کے خادموں کے زمرہ میں داخل ہوا جو دقائقِ غیبیہ کے عالم۔ کنوزِ حقائق خفیہ سے آگاہ۔ معارف اور کمالات کے مظہر۔ ہدایت اور جمال کے سرچشمہ۔ مواہب لدنیہ کے بخشنے والے۔ مطالبِ معنویہ سے مستفیض فرمانے والے۔ بارگاہِ رحمانی کے مکرم اور پروردگارِ ذوالمنن کے مقرب قطب ربانی اُویس ثانی حضرت سید حسن ان کا اسم گرامی ہے جو اپنے مسمےٰ کے عین مطابق ہے۔ ان کی خدمت میں مینے وہ عجیب حالات مشاہدہ کئے جن کی حقیقت دریافت کرنے سے دُنیاوی عقل قاصر ہے۔ مجھے ضروری معلوم ہوا کہ حضور ممدوح کے خصائل اور شمائل کو قلمبند کروں ان کے مناقب اور فضائل پر خامہ فرسائی کروں۔ ان کے بیان کردہ حقائق و معارف کی تشریح و توضیح اور انکی زبان مبارک سے نکلے ہوئے دقائق اور لطائف کی تنقیح کروں لیکن بعض موانع کے باعث یہ ارادہ سرانجام نہ ہو سکا اور آفتابِ مقصود مشرقِ امید سے طلوع نہ ہوا۔ یکایک مینے حضور ممدوح کی جناب فیض مآب سے استمداد کی اور اس دریائے معارف کی امداد اور برکات سے معارف اور حقائق موتیوں کی طرح میرے ذہن اور ادراک میں

فائض ہونے لگے۔ ایک مثل مشہور ہے کہ اخذنا من البحر و نثرنا علیہ (ہمنے دریا سے لیا اور اسی پر نچھاور کیا) اسی مثل کے مطابق جو جواہر شاہوار اس معدن اسرار کے افاضات سے ہاتھ آئے تھے سب کے سب اسی عین اعیان ابرار و اخیار کی نذر کردیئے۔ اگر سہو و خطائے بشریت کی وجہ سے ان معارف کی توضیح و تنقیح میں کوئی قصور معرض ظہور میں آئے تو اہل انصاف سے امید واثق ہے کہ میری سہو و خطا پر قلم عفو کھینچکر مجھکو مورد طعن و تشنیع نہیں بنائیں گے۔ کوئی انسان خطا سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور یہ طاقت بشری سے خارج ہے ع و من الکرام قبول العذر مامولا (بزرگ منش اصحاب سے معذرت قبول کرلینے ہی کی توقع کی جاسکتی ہے) چونکہ اولیاء اللہ باغ عالم میں دست قدرت کے لگائے ہوئے پھول ہیں مشہور ہے کہ الولی ریحان اللہ فی ارضہ (خدائے برحق کے دوست اس عالم میں بمنزلہ نازبو کے ہیں) اور چونکہ اس کتاب کا مضمون ایک خدارسیدہ کے بیان کردہ معارف و اسرار ہیں اسلئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب کو پھولوں کا ایک تختہ خیال کرکے اسکے ابواب اور فصول کو مجازاً فوائح سے تعبیر کروں۔ فوائح جمع فائحہ کی ہے جسکے معنے پھولوں کی مہک کے ہیں۔ اس کتاب کو ایک مقدمہ۔ پندرہ فوائح اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا گیا ہے اور اسکا نام **مناقب الحسن و فوائح العرفان** ہے ✣

# مقدمہ

---

## ولی کی تعریف

عربی لغت میں ولایت کے معنے ہیں کسی ایک چیز کا دوسری سے اسقدر قریب و نزدیک ہونا کہ بیچ میں تیسری چیز کی گنجائش نہ ہو۔ ولی کا لفظ ولایت سے مشتق ہے اور ممکن ہے کہ یہ اسم مفعول کا مبالغہ ہو (یعنی وہ شخص جس کو خدائے پاک نے اپنے سے بہت قریب کردیا ہے) چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (خدائے پاک اپنی عنایت سے نیکوکاروں کی کارسازی فرماتا ہے) اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ لفظ اسم فاعل کا مبالغہ ہو۔ (اس صورت میں اسکے معنے ہوں گے۔ خدائے پاک کی قربت کے لئے جدوجہد کرنے والا)

یعنی وہ شخص جو خدائے پاک کے اخلاق کریمانہ سے متخلق ہوکر اور اسکی طاعات میں سرگرم ہوکر اسکا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اگر قرب حقیقی حاصل ہوجائے تو دونو معنے درست ہوسکتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ولی اُس شخص کو کہتے ہیں جو خدائے پاک ہی کے اخلاق اور صفات سے موصوف ہوکر اسکی بارگاہ کبریا میں درجۂ قرب حاصل کرلے۔ (یہ تقریر شروق الانوار سے لی گئی ہے)۔ قرآنِ کریم میں وارد ہے اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ہ ("یادرکھو یقیناً خدائے پاک کے دوستوں کے لیئے کچھ ڈر نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے") عارفانِ حقیقت شناس کے مذاق پر اسکے معنے یہ ہیں کہ عارفانِ خدارسیدہ کو اسبات کا ہرگز خوف نہیں کہ انکی طبعی خواہشیں (جنکو وہ زائل کرچکے ہیں) پھر عود کریں کیونکہ جو شخص اوصافِ طبعی کو خیرباد کہکر فنا کا درجہ حاصل کرچکا ہے وہ اپنے اوصاف کی طرف دوبارہ نہیں لوٹایا جاتا۔ رشحات میں یہ تحقیق اسی طرح بیان کی گئی ہے جس خوف کی آیت میں نفی کی گئی ہے اس سے مراد مطلق خوف نہیں بلکہ اسکی ایک خاص قسم مراد ہے۔ چنانچہ معدن المعانی میں لکھا ہے کہ جس بات سے دوسرے لوگ ڈرتے ہیں۔ مثلاً گناہوں کی پاداش میں مُعذّب ہونا۔ اس قسم کا خوف اولیاء اللہ کے لیئے نہیں لیکن حق تعالیٰ کی عظمت وجلال اور بے نیازی سے وہ بھی ترساں ولرزاں رہتے ہیں۔ یہ اہلِ معرفت کے کلام کا خلاصہ ہے۔

فتوح الغیب کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ "سلوک کا کوئی ایسا مرحلہ نہیں جہاں خوف ورجا دونو کی ضرورت نہو۔ یہ دونو کسی پرندے کے بازوؤں کا حکم رکھتے ہیں جنکے بغیر وہ پرواز نہیں کرسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ہر ایک مقام کا خوف ورجا جداگانہ ہے جو اس مقام کے مناسب حال ہوتا ہے"۔ عارف کا وصف یہ ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے کسی دوسرے سے نہ ڈرے۔ نہیں تو وہ ولی نہیں ہوگا۔ اِسی بنا پر کسی عالی پایہ بزرگ نے فرمایا ہے ولاتخش غیراللہ فاللہ اکبر ("سوائے خدائے پاک کے کسی سے بھی مت ڈرو۔ وہی ہر ایک سے برتر و بزرگ تر ہے") عارف بزرگوار مولٰنا عبدالرحمٰن جامی نے جو کچھ شرح قصیدۂ فارضیہ میں لکھا ہے اس سے یہ مطلب بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ جس شخص کو کوئی غم یا رنج لاحق ہوتا ہے تو وہ بالضرور کسی مطلوب کے ہاتھ سے نکل جانے یا کسی ناگوار حادثہ کے پیش آنے پر ہوگا۔ اور اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ عاشق صادق اپنے محبوب کی تمام مختلف اور متضاد صفتوں کو محبوب سمجھتا ہے۔ اگر محبوب کی کوئی صفت اسکے حق میں ناگوار

حادثہ پیش آنے کا باعث ہو تو وہ اس کو عین احسان تصور کرتا ہے۔ اسکی جانب سے ذلت و رسوائی بھی اس کو نصیب ہو تو وہ اسکو بڑی سے بڑی عزت کے برابر خیال کرتا ہے۔ جو بات محبوب کی مراد کے مطابق ہو وہ اسکی عین مراد ہوتی ہے۔ محبوب کے حکم کی خلاف ورزی کرنا اسکے حق میں ایک ناممکن بات ہے۔ الغرض جو کچھ بھی محبوب کی طرف سے ظہور میں آئے وہی اسکا عین مطلوب اور مقصود ہے۔" معالم التنزیل میں لکھا ہے" کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اولیاء اللہ کی تعریف دریافت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا رأوا ذکر اللہ (انکے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے) اسی مضمون کو کسی عارف نے ان لفظوں میں ادا کیا ہے الولیّ من یذکر اللہ رؤیتہ۔ شیخ عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمۃ نے قصیدہ مذکورہ کی شرح میں اس مطلب کے اثبات کے لئے خواجہ عزیزان رامیتنی کی ایک رباعی نقل کی ہے ؎

با ہر کہ نشستی و نشد جمع دلت ۔ ÷ وز تو نرمید صحبت آب و گلت

زنہار ز صحبتش گریزاں میباش ÷ ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت

ترجمہ" جسکے پاس بیٹھنے سے تمہاری دلجمعی نہ ہو اور دنیاوی خواہشوں کا تمہارے دل سے استیصال نہ ہو تو اسکی ہمنشینی سے دور بھاگو نہیں تو عزیزان (خواجہ عزیزان علیہ الرحمۃ والغفران) کی روح تمہاری دامن پکڑے رہیگی اور تمہیں معاف نہیں کرے گی۔" رشحات میں یہ اشعار بھی لکھے ہیں ؎ سہ نشاں بود ولی را ز نخست آں بود ایں ÷ کہ چو روئے او بہ بینی دل تو با و گراید ÷

دوم آنکہ در مجالس چو سخن کند معنے ÷ ہمہ راز ہستی خود بحدیث مے رباید ÷

(ولی اللہ کی تین علامتیں ہیں۔ سب سے مقدم اور بڑی علامت یہ ہے کہ اسکا چہرہ دیکھکر خود بخود تمہارا دل اسکیطرف مائل ہو۔ دوسرے یہ کہ جب وہ مجلس میں بیٹھکر اسرار معنوی کا درس دینے لگے تو اسکے کلام میں اسقدر اثر ہو کہ تم بے خود ہو کر ہمہ تن اسکیطرف متوجہ ہو جاؤ) مؤلف کہتا ہے یہ بالکل درست ہے لیکن قاعدہ کلیہ نہیں۔ بعض بد باطن جنکو شقی ازلی کہنا چاہئے کسی کلام سے متاثر نہیں ہوتے۔ کسی دانائے تجربہ کار نے خوب فرمایا ہے ؎

ہر کرا روئے بہ بہبود نبود ÷ دیدن روئے نبی سود نبود

(جسکو ازل میں فطرت سلیم نہیں دیگئی تھی اور جسکی بہبودی ازل میں مقدر نہیں ہوئی تھی اسکو پیغمبر کے دیکھنے سے کیا فائدہ)

تیسری علامت اس شعر میں بیان کی گئی ہے ؎

سوئم آں بود بمعنے ولی اخص عالم　　　که نہ ہیچ عضو او را حرکات بد نباید

(تیسرے یہ کہ چونکہ ولی تمام دنیا میں خدا کا خاص الخاص بندہ ہوتا ہے اسلیے اسکے کسی عضو سے بھی کوئی ناشائستہ حرکت صادر نہیں ہوگی) اسکا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ اگر کوئی شخص جو علوم معرفت سے باخبر ہے اور اولیاء اللہ کے احوال سے آگاہ اور ماہر ہے نظر امعان سے اسکے حالات اور حرکات وسکنات کا مطالعہ کرے تو یقیناً اسکو خوردہ گیری کا موقعہ نہیں ملیگا۔ عوام الناس کے کہنے سمجھنے کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔ وہ اولیاء کرام کے افعال کے حسن وقبح کو خاک سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات انہوں نے اپنی کوتہ فہمی سے عارفانِ خدا شناس کو قتل اور جلا وطن کرنے تک سے دریغ نہیں کی۔ فافہم (اچھی طرح سمجھ لو) نفحات الانس میں لکھا ہے "ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے حال یعنے صفات بشریہ سے فانی ہو کر حق تعالیٰ کے مشاہدہ سے بہرہ ور ہوکر بقا کا مرتبہ حاصل کرلے"۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ ذات کا مشاہدہ اسطرح حاصل ہو کہ صفات کا توسط درمیان نہ ہو۔ بعض کا قول ہے کہ اسکی مراد یہ ہے کہ اسکی کنہ اور حقیقت ذات کا ادراک کرے۔ چنانچہ شروق الانوار میں شیخ جمال الدین سے جو کشف ذاتی کے مدعی تھے یہی قول منقول ہے۔ لیکن اکثر محققین کا یہ قول ہے کہ جبتک صفات کا توسط نہ ہو اور یہ پردہ درمیان میں حائل نہ ہو مشاہدہ ذات کا ممکن نہیں۔ عارف بزرگوار شیخ عبدالرحمٰن جامی اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎

اے صفات تو نہاں در تتق وحدت ذات　　　جلوہ گر ذات تو از پردۂ اسماء و صفات

(بارخدایا تیری صفتیں وحدانیت ذات کے پردوں میں مستور و محجوب ہیں اور تیری ذات اسماء اور صفات کے پردہ میں مستور رہ کر اپنا جلوہ دکھارہی ہے۔) بہر کیف خواہ کچھ ہی معنے لیئے جائیں جبتک شہود ذات کا مرتبہ حاصل نہ ہو ولایت کا کمال حاصل نہیں ہوتا۔ اسکی زیادہ تحقیق آگے آتی ہے۔

ولی کی تعریف میں یہ بھی لکھا ہے لم یکن له عن نفسه اختیار (اسکا اپنا کچھ بھی اختیار نہیں ہوتا) مولانا عبدالغفور اسکا حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "اپنی طرف سے تو وہ ہرگز اختیار کو

عمل میں نہیں لاسکتا۔ اُسکا کسی قسم کے اختیار کو عمل میں لانا صفت الٰہی کے مظہر ہونے کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ لا لذۃ مع غیر اللہ قرار "اُسکو سوائے خدا پاک کی یاد اور اُسکے شہود و معرفت کے اور کسی چیز سے اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہوتا اسکے بغیر وہ ایک ماہئی بے آب کی طرح بے تاب و بے قرار رہتا ہے") اور کبھی بتقضائے بشریت غیر اللہ کا خیال اسکے دل میں خطور کرتا ہے تو اس قسم کے خیال کو ثبات یا دوام نہیں ہوتا۔ مولانا سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفی میں لکھتے ہیں الولیّ ھو العارف باللہ و صفاتہ حسب ما یمکن (ولی اُس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے امکان کے موافق خدا کی ذات اور صفات کی معرفت اسکو حاصل ہو) "اپنے امکان کے موافق" کہکر اولیاء اللہ کے تفاوتِ مراتب کا اشارہ کر دیا ہے پھر آگے فرمایا ہے المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانہماک فی اللذات (جو خدا کی عبادت میں ہمیشہ مشغول رہتا ہو۔ گناہوں سے محترز اور لذّات وغیرہ میں مگن ہو جانے سے کنارہ کش ہو) لذّتوں سے مراد نفسانی خواہشیں اور شیطانی ہوا و ہوس ہے۔ سمجھ لو کہ اربابِ مجاہدہ اور اصحابِ مشاہدہ کے نزدیک لذات نفسانی ان مرغوب چیزوں کو کہتے ہیں جو شریعت میں جائز قرار پائی ہیں۔ مثلاً کوئی لذیذ کھانا کھانا وغیرہ۔ لیکن جن چیزوں کو شرع نے حرام بتایا ہے اُنکا عمل میں لانا شیطان کی تحریک سے ہوتا ہے اور اسلئے ان کو لذات شیطانی کہتے ہیں۔ چنانچہ کشف اور کرامات سے جو چاشنی حاصل ہوتی ہے اسکو لذتِ ملکی سے تعبیر کرتے ہیں۔ سہیل قدس سرہٗ کا قول ہے کہ ولی اس شخص کا خطاب ہو سکتا ہے جسکے تمام افعال سنت نبوی کے موافق ہوں۔ ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔ ولی کی تین علامتیں ہیں (۱) شغلہ باللہ "ہر وقت خدائے پاک سے مشغول رہنا" (۲) فرارہ الی اللہ "تمام غیر اللہ کو چھوڑ کر خدائے پاک کی طرف بھاگنا" (۳) ھمتہ الی اللہ "تمام غیر اللہ کو چھوڑ کر خدائے پاک کیطرف متوجہ ہونا"۔ دوسرے لفظوں میں اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکی تمام تر ہمت مفید کاموں کے کرنے اور مضر باتوں سے محترز رہنے پر محض خوشنودیٔ خدا کے لئے مبذول ہو۔ ایک عارف فرماتے ہیں الولی ریحان اللہ فی ارضہ یشمہ الصد یقون فیصل رائحتہ الی قلوبھم فیشتاقون بہ الی مولٰھم (صفحہ زیریں کے

گلستان میں ولی اللہ ایک خوشبودار پھول کی مانند ہے جسکی مہک وہی لوگ محسوس کرسکتے ہیں جو کامل صدق اور اخلاص کی صفت سے موصوف ہوں ولایت کی خوشبو ان کے مشام دل تک پہونچتی ہے اور ان کو لقا ہونے کے لئے مشتاق کر دیتی ہے۔

اگرچہ عارف اور ولی کے لفظ کا مصداق ایک ہے لیکن اِن دونو لفظوں کے مفہوم میں فرق ہے اسلئے اسکی تنقیح و توضیح کرنا ضروری ہے۔ پہلے لکھا گیا ہے کہ ولی کی یہ تعریف ہے، کہ هو العارف باللہ (یعنے ولی وہی ہے جو عارف باللہ ہو) اس عبارت میں نحویوں کی اصطلاح کے مطابق ضمیر فصل کو مبتدا بناکر اسکی خبر بجائے نکرہ کے معرفہ لائی گئی ہے۔ لہذا بموجب محاورہ اسکا حاصل یہ ہے کہ ہر ایک ولی عارف ہے اور ہر ایک عارف ولی ہے۔ اس سے ہمارے دعویٰ کی پہلی شق ثابت ہوئی۔ دوسری شق ہم نے یہ بیان کی تھی کہ ان دونو لفظوں کا مفہوم جداگانہ ہے۔ سو ظاہر ہے کہ عارف معرفۃ سے مشتق ہے (برخلاف اسکے ولی ولایت سے مشتق ہے۔ دونوں کے معنوں میں بڑا فرق ہے۔ معرفۃ پہچاننا۔ وِلایۃ سرپرست بننا۔ نزدیک ہونا وغیرہ") تعرف علم سلوک و تصوف کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اس میں معرفۃ کی حقیقت یہ لکھی ہے۔ معرفت اسکو کہتے ہیں کہ حق تعالےٰ کے علم محیط کے مقابلہ میں تمہیں اپنا جہل نظر آئے۔ عارفوں کو ذاتِ کبریا کی جانب توجہ کرنے پر ازراہِ عنایت ازلی ایک ایسی حالت حاصل ہوتی ہے جسکا آغاز تجلیٔ افعال ہے۔ یعنے نہ صرف علم کے طور پر بلکہ عیاناً مشاہدہ کے طور پر اسکو ذاتِ حق کا فعل کائنات کے مظاہر میں نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ دوسری منزل اس حالت کی تجلیٔ صفات ہے۔ اور آخری مرحلہ تجلیٔ ذات۔ تجلیٔ افعال کی مزید توضیح یہ ہے کہ تمام مخلوق کے افعال پر نظر کرنے سے عارف کو یہی دکھائی دے کہ اِن افعال کا مبدا ایک ہی فعل حق ہے اور انکا باہمی تفاوت سمجھانے کے لئے ہاتھ اور آستین کی مثال دی جاسکتی ہے۔ ذات حق کا فعل بمنزلہ ہاتھ کے ہے اور ممکنات کے افعال آستین کا حکم رکھتے ہیں (جب تک ہاتھ حرکت نہ کرے آستین کی مجال نہیں کہ وہ حرکت کرسکے۔ ہاتھ جس طرح چاہے اسکی مختلف حرکات کا باعث ہوسکتا ہے) اسی مثال کو مدِ نظر رکھکر کسی عارف نے یہ کہا تھا ؎ سرِ بگریبانِ تفکر درکش ؛ کیں دستِ تو آستین دستے دگر است ؛

(جب تفکر میں اپنا منہ ڈال دو۔ تمہارا یہ ہاتھ درحقیقت دستِ قدرت کے لئے بمنزلہ آستین کے ہے) تجلی صفات میں یہ نظر آتا ہے کہ ہر ایک فعل کا مبدأ ایک صفت ہے جو اسکے فاعل میں موجود ہے۔ مثلاً لکھنا ایک فعل ہے جسکا مبدأ کاتب کی وصف ہے جسکو کتابت کہتے ہیں۔ لیکن تمام کائنات کے تمام اوصاف درحقیقت ذاتِ حق کی صفاتِ عالیہ سے وہی نسبت رکھتے ہیں جو قالب کو روح سے ہے۔ اسی توجیہ کی بنا پر عارفوں کا قول ہے کہ تمام عالم کی صفات حق تعالیٰ کی صفات کے لئے بمنزلہ کسی چیز کے سایہ کے ہیں۔ اور اسی لئے کائناتِ عالم کو ظلال اور عکوس سے تعبیر کرتے ہیں۔ تجلی ذات یہ ہے کہ جسطرح آفتاب کے طلوع ہونے پر ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں عارف کی چشمِ بصیرت سے بھی سوائے ذاتِ حق کے تمام دوسری اشیاء غائب ہو جائیں۔ شرح گلشن راز میں لکھا ہے کہ تجلیٔ ذات کے رونما ہونے پر تمام اشیاء نورِ احدیت کے غلبہ سے مضمحل ہو کر سالک کی نظروں سے معدوم ہو جاتی ہیں اور اسکو اپنے مشاہدہ میں سوائے ذاتِ حق کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ توحید ذاتی کے پرتو افگن ہونے پر موجوداتِ عالم جو ایک "عدم وجود نما" سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے نظر عارف سے بالکل غائب بلکہ اسکے حق میں زائل اور فانی ہو جاتے ہیں۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (یقیناً تم اور یہ لوگ سب فانی ہو) اسی حقیقت کیطرف اشارہ ہے۔ اس حالت میں سالک سوائے ذاتِ حق کے کسی چیز کو موجود نہیں پاتا۔ اشیاء کے وجود کو وہ عین حق کا وجود سمجھتا ہے۔ اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (سوائے ذاتِ حق کے ہر ایک چیز فانی ہے) کا مضمون اسکی آنکھوں کے سامنے صورت پذیر ہو جاتا ہے سوائے ذات واجب الوجود کے کسی دوسری چیز کو نہ تو دیکھتا ہے اور نہ کسی دوسری چیز کو موجود خیال کرتا ہے۔ الغرض دوئی کا خیال اس سے زائل ہو کر غیر اللہ کا وجود اسکے نزدیک ناممکن ہوتا ہے۔

زاں نماید آں حقائق ناتمام — کہ بریں خاماں بود فہمش حرام

(عارفانِ خدارسیدہ کی بیان کردہ حقیقتوں کو لوگ اسلئے ناقص اور ناتمام خیال کرتے ہیں کہ ان حقیقتوں کا سمجھنا ان خام کاروں کے لئے ناممکن ہے) پہلی حالت کو محو دوسری کو طمس اور تیسری کو توحید کہتے ہیں۔

خواجہ خورد محقق نے اپنے بعضے رسائل میں یہ تحقیق لکھی ہے کہ توحید کے تین مرتبے ہیں۔

(۱) توحید فعلی۔ یعنے ایک ہی فاعل واجب الوجود عارف کو نظر آئے اور تمام دوسرے افعال اسکے

فعل حق کے مقابلہ میں اس کو ہیچ دکھائی دیں۔ (۲) توحید وصفی۔ یعنی ایک ہی واجب الوجود موصوف نظر آئے اور دوسروں کے تمام اوصاف اسکے مقابلہ میں ہیچ دکھائی دیں۔ (۳) توحید ذاتی۔ یعنی ایک ہی ذاتِ حق نظر آئے اور دوسری تمام اشیاء فانی اور معدوم کا حکم پیدا کریں۔ یہ حالت کبھی تو اسطرح متحقق ہوتی ہے کہ نسبت او حقیقتین دونوں کی کثرت مرتفع ہوجاتی ہے۔ عروج کے مراتب میں یہ درجہ غایۃ الغایات کا ہے اور اسکو تجلی برقی بھی کہتے ہیں۔ اس حالت کو دوام و استمرار حاصل نہیں۔ کیونکہ جمعیت انسانی اسکی منافی ہے۔ اس سے تنزل کرکے ذاتِ احدیت کو کثرت مظاہر کے آئینوں میں مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ وہ غایۃ الغایات ہے جسکو اصطلاح صوفیہ میں کوثر کہتے ہیں۔ ایک عارف بزرگوار کا قول ہے کہ توحید ایک تنگنائے کا حکم رکھتی ہے۔ شاہراہ اور ہے۔ غالباً اس بزرگوار کا اس سے یہ مطلب ہے کہ سالک کو پہلے پہل اس دشوار گذار راستہ میں قدم نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ اسکے حسب حال یہ ہے کہ پہلے تنزیہ کی شاہراہ پر چلنا شروع کرے تاکہ توحید کے مراتب ظلیہ کا گرد و غبار اسکا دامن گیر نہ ہو۔ کیونکہ توحید اکمل کے عالی پایہ مقام تک پہونچنا عروج تام پر موقوف ہے۔ اس مقام سے آگے اور بھی فنا کے مراتب ہیں جن میں عارف پر ایک حیرت طاری ہوتی ہے وہ اپنے سے اور تجلی و متجلّی سب سے بے خبر رہتا ہے۔ کسی عارف نے اسکو نظر رکھکر یہ شعر فرمایا ہے ؎

علی الاولیاء القیت سری و برهانی  فهاموا به فی سری و اعلانی

فاسکرهم کاسی فباتوا بخمرة  سکاری من شهود و عرفان

(میں نے اپنے بھید اور جو کچھ مجھ پر ظاہر ہوا تھا اولیاء اللہ کے پیش کیا جس سے وہ سراسیمہ اور حیران ہوگئے۔ میرے پیالۂ شراب نے ان کو بے خود کردیا اور وہ مخمور ہی رہے۔ یہ سُکر ان کو شہود اور عرفان سے حاصل ہوا) اس سے بھی بڑھ کر بقا کا مرتبہ ہے جسکا بیان اس حدیث قدسی میں ہے کہ بی یسمع و بی یبصر (اسکا سننا اور دیکھنا مجھی سے ہوتا ہے) اس مرتبہ کا نام صحو بعد المحو یا بقا بعد الفنا ہے اس موقعہ پر جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ خدائے پاک کا فضل و کرم ہے۔

ولی کی ایک یہ بھی خاصیت ہے جسکا ذکر مقامات العارفین میں ہے کہ عارف اسکو کہتے ہیں جو نہایت خندہ اور کشادہ پیشانی ہو۔ متواضع اسقدر ہو کہ چھوٹوں بڑوں کی یکساں تعظیم کرے ایک بیوقوف کے دیکھنے سے بعینہ اسیطرح خوش ہو جسطرح دانشمند کے دیکھنے سے۔ بے شک اسکے

ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ وہ حق تعالیٰ سے مشغول ہونے کے باعث ہر وقت خوش رہتا ہے۔

شروق الانوار میں لکھا ہے۔ عارفوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو عمداً مخالفِ شرع کام کرتے ہیں اور بظاہر کوئی نیکی نہیں کرتے اور لوگ جانتے ہیں کہ وہ شرع کے صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ان کو ملامتیہ کہتے ہیں۔ لوگوں کی ملامت اختیار کرنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں (۱) عُجب اور خودبینی سے محفوظ رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اپنی اُمت کے حق میں سب باتوں سے اسبات کا زیادہ خوف کرتا ہوں کہ وہ عُجب خود پسندی میں کہیں مبتلا نہ ہوں۔ ریا سے سلامت رہیں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکِ خفی فرمایا ہے (۲) وہ نہیں چاہتے کہ جلالِ احدیت میں مستغرق رہنے اور جمالِ صمدیت کے مطالعہ کرنے میں کوئی انکا حارج ہو۔ جو لوگ پہلے خیال کو ملحوظ رکھکر ملامتیہ بنے ہیں وہ ابھی کمال حاصل کرنے کے درپے ہیں دوسروں کی تکمیل نہیں کر سکتے لیکن مؤخر الذکر جماعت اہلِ تکمیل سے ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ تکمیل وارشادِ خلائق میں مشغول ہوں یا نہ ہوں۔ ان دونوں کے درمیان ایک اور گروہ ہے جو شہودِ الٰہی میں مشغول اور بارگاہِ کبریا کے ملازمین کا حکم رکھتا ہے۔ یہ بزرگوار نہ تو خود چاہتے ہیں کہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوں اور نہ انہیں بارگاہِ احدیت سے یہ حکم ملتا ہے کہ وہ ادھر کا رُخ کریں۔ حدیث قدسی میں اسی گروہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی (میرے اولیا میری قبا کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔ سوائے میرے اور کوئی شخص ان کو جانتا تک نہیں۔ امام قشیری فرماتے ہیں غیرت دو قسم ہے۔ خدائے پاک کی غیرت بندے کے حق میں یہ ہے کہ وہ اس کو مرجعِ خلائق بنا کر اسکا حال اغیار پر آشکارا نہ کرے۔ اور بندے کی غیرت یہ ہے کہ وہ جو بات کرے حق تعالےٰ کی خوشنودی کو مدنظر رکھے اور کسی دوسرے کی طرف التفات نہ کرے ؎

با وصالِ تو گرا خاطر و روا باشد — کہ بجز دیدہ گرے یکنفسے وا باشد

با رُخ و زلفِ تو حاجت بگل و سنبل نیست — چو تو در خانہ گرا خاطرِ صحرا باشد

محبوب کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔ (جب تمہارا وصل حاصل ہو تو دوسرے نظارے کی تمنا کیسے ہو سکتی ہے۔ اپنے سے یا کسی دوسرے سے دل بہلانے کا خیال ممکن نہیں۔ تمہارے چہرۂ تاباں اور زلفِ سیہ فام کے ہوتے تماشائے گل و سنبل کی ضرورت نہیں۔ جب تم گھر میں ہو تو

صحرا میں چل کر کیا خاک حاصل کرینگے)۔

طائفہ وحشیہ بھی ممکن ہے کہ اس طائفہ کی ایک قسم ہو۔ اور بھی بہت سے صوفیوں کے گروہ ہیں جو عادات اور صفات میں ان سے ملتے جلتے ہیں۔" کسی عقلمند کا قول ہے:-

اہلِ تحقیق کہ سرگرم سرانجام خود اند | ہمہ گم گشتہ بہ گم ساختنِ نامِ خود اند
فارغ از منت روز و شب و خورشید و مہ اند | چوں رخ و زلفِ بتاں صبح خود و شامِ خود اند

(اہل تحقیق اپنا مقصد حاصل کرنے میں سرگرم ہیں۔ وہ اپنے تئیں گمنام بنانے کے لئے انتہا کوشاں ہیں وہ دن اور رات سورج اور چاند کے منت کش ہونے سے فارغ ہیں۔ وہ مہ جبینوں کے چہرہ اور زلف کی طرح اپنے لئے خود صبح اور شام ہیں)۔

اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھا ہے کہ اگرچہ ہر ایک ولی سے معارف اور کمالات کا استفادہ کرنا اور اس سے فیض حاصل کرنا ممکن ہے بلکہ امرِ واقع ہے لیکن ایک عارف کامل کے لئے جو تکمیل خلائق کا حقیقۃً اہل ہو سکتا ہے مندرجہ ذیل شرائط سے موصوف ہونا ضروری ہے:- (۱) عالم ہو۔ کیونکہ جاہل عابد کا شیطان مضحکہ اُڑاتا ہے۔ ایک عارف بزرگوار کا قول ہے کہ جب میرے دل پر کوئی بات کشف ہوتی ہے تو میں چالیس روز تک اس کے قبول کرنے میں تامل کرتا ہوں اور جب تک قرآن اور سنت سے اسکا ثبوت نہ ڈھونڈ لوں اسکے تعلیم کرنے پر مائل نہیں ہوتا۔ اور یہ لوگ (اولیاء اللہ) روحانی طبیب ہیں اور ظاہر ہے کہ بہت سی بیماریوں کے علامات اور عوارض ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں جنکا فرق وہی شخص کر سکتا ہے جو فن طب کے فروع و اصول سے ماہر اور تشخیص میں حاذق ہو۔ اور جب تک مرض کی کما حقہٗ تشخیص نہ کی جائے علاج کا کامیاب ہونا معلوم۔ (اس سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ روحانی طبیب کے لئے بھی ایک جسمانی طبیب کی طرح اصول و فروع پر حاوی ہونا لازم ہے)۔ گو یہ ممکن ہے کہ ایک بوڑھی عورت کسی خاص تجربے کی بنا پر ایک نسخہ بتا دے اور وہ کامیاب ہو لیکن اسبات سے صرف یہ لازم نہیں آتا کہ اس بوڑھیا کو طبیب کامل کا خطاب دیں۔ شیخ ابوسعید فرماتے ہیں۔ میرے اور ابوالفضل کے درمیان ایک مسئلہ کی بابت اختلاف تھا۔ لقمان ہوا میں پرواز کرتا ہوا پہونچا اور ہمارے عقدہ کو حل کر دیا۔ جب وہ چلا گیا تو ابوالفضل نے فرمایا

اسکی تقلید کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ وہ علم سے بے بہرہ ہے۔

۲۔ طائفۂ ملامتیہ سے نہ ہو بلکہ اہل سلامت ہو۔ اہل تمکین سے ہو اہل تلوین سے نہ ہو۔ صحو کے مقام میں ہو سکر کے مقام میں نہ ہو۔

۳۔ سلوک کے راستے سے مطلوب تک پہونچا ہوا ہو نہ جذب کے راستہ سے۔ اسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ جو دشوار گذار مقام اسکے مرید سالک کو پیش آئیگا وہ اپنے تجربہ کی بنا پر اسکے نشیب و فراز سے اپنے مرید کو آگاہ کرکے اسکو اس مرحلہ سے سہولت کے ساتھ عبور کرا دیگا۔ لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ ممکن ہے کہ سعادتِ ازلی سے ایک صاحبِ توفیق کو وہ مرتبہ حاصل ہو جسکا بیان سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں ہے کہ ادبنی ربی فاحسن تادیبی۔ خدائے پاک خود میری تعلیم و تربیت کا کفیل ہوا اور اُس نے بوجہ احسن تمام آداب مجھکو سکھا دیئے۔ اس حالت میں تمام اہل دانش و بینش اور جملہ حکمائے عرب و عجم اسکے انوار و آثار سے استفادہ و استفاضہ کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو تسلسل لازم آئے اور یہ کہنا باطل ثابت ہو کہ حدثنی قلبی عن ذکر ربی۔ میرے اپنے ہی دل نے مجھکو یادِ خدا کی تلقین کی۔

۴۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے کہ حب الدنیا راٴس کل خطیئۃ دنیا کی محبت اور وابستگی تمام گناہوں کی بنیاد ہے۔ اسلئے ولی کی ایک علامت یہ ہے کہ اسکو دنیا سے وابستگی نہ ہو۔ نیز وہ لوگوں کے دلوں میں جگہ پیدا کرنے کی خواہش بھی نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ جاہ طلبی ایک مہلک اور مذموم وصف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آخر ما یخرج من رؤس الصدیقین حب الجاہ۔ جاہ طلبی کی خواہش ہی ایک ایسی چیز ہے جو سب سے پیچھے صدیقین کے دماغ سے نکل باہر ہوتی ہے۔ حضرت داؤد علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک مرتبہ خطاب ہوا کہ "اے داؤد! جو عالم دنیا کی محبت میں سرشار ہے اس سے میری معرفت کی بابت کوئی سوال نہ پوچھو"۔

ان تمام باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ منصب تکمیل و ارشاد کے قابل وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے پہلے خواہ اپنے لئے کمال حاصل کیا ہو اور پھر دوسروں کی تکمیل کرے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو حکم ملا تھا "اے ابن مریم! پہلے اپنے نفس کو پند و نصیحت دو۔ اگر وہ رام اور مطیع ہو جائے

تو پھر دوسروں کو بھی نصیحت کرو۔" ایک بزرگوار سے منقول ہے کہ جب وہ نماز کی امامت کے لئے کھڑے ہو جاتے تو لوگوں سے کہتے "خدا تم پر رحم فرمائے اپنی صفوں کو سیدھا کرو۔" ایک ہاتف نے غیب سے آواز دی "تم خود سیدھے ہو گئے کہ دوسروں کو سیدھا ہونے کا حکم سناتے ہو۔" ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ میں لوگوں کو امر معروف کرنے کا متمنی ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہیں ان تین آیتوں سے ڈر نہیں لگتا۔ اور تمہیں اپنی فضیحت اور رسوائی کا کچھ بھی اندیشہ نہیں۔

(۱) اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (کیا تم لوگوں کو تو نیکیاں بتاتے پھرتے ہو اور اپنے نفس کی اصلاح کو بھلا دیا ہے)

(۲) حضرت شعیب علیہ السلام کا قول قرآن کریم میں منقول ہے وَمَا اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ (میں نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں میں خود اسکا مرتکب ہو کر تمہاری مخالفت کروں)

(۳) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (ایمان والو! کیوں ایسی باتیں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے)۔ یہ ایک کھلی بات ہے کہ اگر ایک شخص کا عمل نیک ہزار افراد میں منقسم ہو جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ہزار آدمیوں کی قوت گویائی ایک آدمی میں آجائے (یعنی تھوڑا سا عمل زیادہ باتیں بنانے سے بہت بہتر ہے)۔ ولی کامل مکمل کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ اسکا فیض رحمت عام ہو اور ہر ایک شخص سے وہ مہربانی اور شفقت سے پیش آئے۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے پوچھا۔ کیا وجہ ہے کہ عارف کی نسبت آپ مرید کیطرف زیادہ مائل ہوتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا مرید کی تمام تر توجہ میری جانب ہے۔ (اسلئے یہ سخت بد اخلاقی ہوگی کہ میں اس سے منہ پھیر لوں) اور عارف تو اپنے مطلوب سے مشغول ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک مرتبہ خطاب ہوا یا داؤد اذا رأیت لی طالبا فکن له خادما (اے داؤد! جب تم دیکھو کہ کوئی شخص میری طلب کرتا ہے تو اسکے خادم بنجاؤ۔ شیخ مرشد عبد السلام نے اپنے ایک مرید کو زیور علم و کمال سے آراستہ کرکے اسے وصیت فرمائی کہ اب خدمت کے لئے کمر باندھ لو اور کمزوروں کی ہر طرح سے دستگیری کرو کیونکہ ہم سے پہلے جن بزرگواروں نے شرف حاصل کیا ہے اسکا باعث کثرت زہد یا علم نہیں بلکہ خدمت ہی کی بدولت وہ مراتب عالیہ پر فائز ہوئے۔

۵- یہ کہ دوسروں کو آرام پہونچانے کے لئے اپنے اوپر تکلیف گوارا کرے وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی

اَنْفُسِہِمْ وَلَوْکَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ (حق تعالیٰ انصار کی تعریف میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ لوگ دوسرے محتاجوں کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ وہ خود سخت محتاج ہوتے ہیں)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مومن کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ خود رنج میں مبتلا ہو لیکن لوگوں کو اس سے آرام ملتا ہے ایک عارف نے اِسی مفہوم کو اسطرح منظوم کیا ہے ؎

صرتُ کانّی شمعۃٌ نُصِبَتْ　　　تضیئُ للناس وھی تحترق

(میرا وجود ایک شمع کی طرح ہے جس سے لوگ نور روشنی حاصل کرتے ہیں لیکن وہ خود جل رہی ہے)

ایک فارسی کے شاعر نے اسکا ترجمہ شعر میں اسطرح کیا ہے ؎

مانند شمعم کہ جہاں افروزم　　　روشن دارم جہان وخود بیسوزم

مؤلف کہتا ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

چوں سپند از سرِ آتش ہمہ برجستہ زشوق　　　سر بسودا زدہ گاں دشمنِ آرام خود اند

(دوستانِ خدا کی یہ حالت ہے کہ وہ لقاءِ الٰہی کے شوق سے اسطرح بے تاب ہو کر اوچھل رہے ہیں جس طرح ہرمل کے دانے آگ پر چکر کھاتے ہیں۔ ان کا دماغ سودائے محبت حقیقی سے بھرا ہوا ہے اور وہ اپنے آرام کے دشمن ہیں)۔

۶۔ یہ کہ ہر ایک شخص کو اسی راستہ پر چلائے جو بارگاہِ الٰہی میں اسکو جہانتک ممکن ہو بہت جلد پہونچا دے۔ کیونکہ الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق (خدا تک پہونچنے کے راستے اسقدر مختلف اور بے شمار ہیں جتنی کہ اسکی مخلوق ہے) بعض لوگ ترکِ دنیا اور تجرید کے راستہ سے واصل ہوتے ہیں۔ بعض لوگ جود و سخا اور بخشش و عطا کے راستہ سے مطلوب تک پہونچتے ہیں۔ بعض لوگ علم کے ذریعہ سے اور بعض ترکِ علم کے ذریعہ سے واصل ہوتے ہیں)۔ ایک عارف کا قول ہے۔ جس بات کو ہم بیداری میں ڈہونڈتے تھے وہ خواب سے حاصل ہوئی۔ جسکا ذریعہ ہم صفائی خیال کرتے تھے وہ تکدّر کے ذریعہ ہمیں ملگئی۔ اور جس چیز کی ہم جنگلوں میں تلاش کرتے تھے وہ شہروں میں چھپی ہوئی تھی۔ الغرض جو صاحب ارشاد تمام مریدوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتا ہو۔ اور سب کو ایک ہی طریقہ پر تلقین کرتا ہو اسکی مثال ایک ایسے طبیب کی ہے جو تمام مختلف بیماریوں کے لئے ایک ہی نسخہ استعمال کرے۔

۷۔ یہ کہ مرید کو یک دم اذکار و اشغال میں مشغول نہ کر دے بلکہ اسکے کفافِ معیشت کا خیال رکھے تاکہ اس میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ یہ اور بات ہے کہ مرید خود اپنے نفس متکبّر کی طاقت کو توڑنا چاہے اور ریاضت کا مشتاق ہو۔ اسی بنا پر بعض عارفوں کا قول ہے کہ جس شخص نے بھیک مانگنے کی ذلت برداشت نہ کی اور جو اسے محروم رہنے کا مزا نہ چکھا وہ قربِ الٰہی سے مشرف نہیں ہوتا۔

۸۔ یہ کہ مرید کو روزمرہ تحصیل علم کی تاکید کرے۔ کیونکہ عابد بے علم کی مثال ایک ایسے گدھے کی ہے جو چکی چلانے کے لئے باندھ دیا گیا ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے جس دن میرے علم میں زیادتی نہ ہو تو اُس دن کو میں منحوس اور نامبارک خیال کرتا ہوں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ مرید ایک ایسی حالت تک پہونچ جائے جس حالت میں کہ اسکے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی میں مستغرق رکھنا مناسب معلوم ہو۔

۹۔ یہ کہ ہر وقت اپنے مرید کو تہذیبِ اخلاق کی تاکید کرے۔ عارفوں کا قول ہے کہ ملکیت میں ترقی کرنے کی نسبت یہ بہت بہتر ہے کہ اخلاقِ ذمیمہ بشریت کو زائل کرے۔ **شیخ اصیل الدین** شیرازی کا قول ہے کہ ایک ذمیم خصلت کا دور کرنا میرے نزدیک چالیس چلّوں کے کاٹنے سے بہت بہتر ہے۔

۱۰۔ یہ کہ مرید کی حفظِ صحت اور رعایتِ مزاج کا بھی خیال رکھنا لازم ہے کیونکہ مزاج کا اعتدال بگڑ جانے سے ردّی اخلاق معرضِ ظہور میں آتے ہیں۔ لہذا شیخ طریقت کے لئے علمِ طب سے بھی ایک حدتک باخبر رہنا ضروری ہے۔

۱۱۔ یہ کہ تمام حالات میں عموماً اور چلّہ کی حالت میں خصوصاً اوقاتِ مرید اور اُسکے مراتب اوراُنکا وغیرہ پر زیادہ توجہ مبذول کرے۔ کیونکہ اگر طبیب اپنے بیمار کے احوال کی نظر دقیق سے نگرانی نہیں کریگا تو لامحالہ اسکا نتیجہ اس مریض کی ہلاکت کی صورت میں رونما ہوگا۔

اِس تمام تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ پیر طریقت اپنی تمامتر کوشش اسبات پر مبذول کرے کہ مرید کا دل غیر اللہ سے پاک ہو جائے۔ ابراہیم ادھم رح کا قول ہے۔ "دنیا اور آخرت کی کسی چیز پر بھی نظر نہ کرو۔ اپنے تئیں خدا کے لیئے فارغ کردو! اور اسی کا نام ولایت ہے۔"

لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس قسم کی تکمیل عام لوگوں کے لئے نہیں بلکہ ایک ایسے سالک کے لئے مخصوص ہے جو صادق دم اور ثابت قدم ہو۔

**سوال**۔ اس تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عارف کا دل حق تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مطالعہ میں مشغول ہوتا ہے اور غیر اللہ کی محبت اسکے دل میں خطور تک نہیں کرتی۔ اسپر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ غیر اللہ کے مفہوم میں رسول خدا بھی شامل ہیں اسلئے لازم آتا ہے کہ عارف کے دل میں رسول کی محبت بھی نہ ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی آل کی محبت سے دل کا لبریز ہونا فرض عین ہے۔ علاوہ ازیں دوسری قسم کی محبتیں بھی لازمہ بشریت ہے اور ہر ایک حالت میں تمام لوازم بشریت سے مبرا ہونا محال اور ناممکن ہے۔

**جواب** اسکا حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اربعین میں اسطرح بیان فرمایا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ عارف سوائے خدائے پاک کے اور کسیکو محبوب نہیں سمجھتا اگر وہ غیر سے محبت رکھتا ہے تو یہ محبت بھی حق تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً جو شخص کسی سے محبت رکھتا ہے اسکے اقارب۔ اسکے شہر اور وطن۔ کپڑے اور اسباب مسکن اور مملوک حتیٰ کہ اسکی صنعت اور تصنیف تک کو دوست اور عزیز رکھتا ہے۔ تمام مخلوق خدائے پاک کے بندے ہیں۔ اسلئے اگر عارف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے تو صرف اسلئے کہ وہ اسکے محبوبِ حقیقی کے رسول ہیں۔ صحابہ کو اسلئے دوست رکھتا ہے کہ وہ اس رسول کے پیارے اور اسکے محبّ ہیں اور خدا کے سچے بندے ہیں۔ وہ کھانے کو اسلئے عزیز سمجھتا ہے کہ اس سے سواری کو تقویت ملتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے محبوب تک پہونچیگا۔ اس سواری سے مراد انسان کا بدن ہے۔ دُنیا کو اس بنا پر محبوب سمجھتا ہے کہ وہ محبوبِ حقیقی تک پہونچانیکا ذخیرہ بہم پہونچاتی ہے۔ وہ چمنستان کے پھولوں اور صورتہائے جمیلہ کے خط وخال کو دیکھکر اسلئے ان پر لٹو ہو جاتا ہے کہ اسکے محبوبِ حقیقی کی صنعت ہے جس سے اسکا جمال اور جلال جلوہ گر ہوتا ہے اور آئینہ کائنات میں محبوبِ حقیقی کے وہ صفاتِ کمال مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں جن کو محبوبِ حقیقی سے خاص نسبت ہے۔ اور انکو محبوب بالذات کہہ سکتے ہیں۔ وہ اپنے اُستاد اور معلم و مرشد دین کو اسلئے محبوب جانتا ہے کہ وہ اسکے اور محبوبِ حقیقی کے درمیان ایک واسطہ ہے۔

جسکے ذریعہ سے اسکا علم وحکمت اس تک پہونچا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حق تعالیٰ ہی نے تو اس معلم و مرشد کے دل میں یہ ارادہ پیدا کیا کہ وہ اسکی تعلیم و تربیت کرے۔ اسی طرح اگر کوئی اسکی مال و دولت سے دستگیری کرے تو وہ اسکو اسلئے دوست رکھتا ہے کہ حصولِ مطلب میں اس سے مدد ملی ہے اور حق تعالیٰ ہی نے تو اسکے دل میں یہ خیال ڈالا ہے کہ وہ اسکی مدد کرے۔ الغرض ان تمام باتوں کا باعث حقیقی اور علت العلل چونکہ وہی محبوب حقیقی ہے اسلئے اُن تمام حالتوں میں عارف کی دُور بین نظر وہیں پر رہتی ہے۔ اسلئے خواص اور عوام کی محبت غیر اللہ میں بہت بڑا فرق ہے۔ (عوام غیر اللہ کو محبوب بالذات خیال کرتے ہیں۔ برخلاف اسکے خواص اور عارفین کی نظر محبوب حقیقی پر رہتی ہے اور غیر اللہ کو محبوب بالتبع سمجھتے ہیں اور صرف اسلئے دوست رکھتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی وجہ سے محبوبِ حقیقی سے تعلق اور نسبت رکھتے ہیں یا اسکے وصال کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں) جس شخص کو عقل سلیم سے بہرہ ملا ہے اور جسکی فطرت مستقیم ہے وہ اس فرق کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عارف کامل کو تعلقات سے کچھ ضرر نہیں پہونچتا لیکن سالک کو جو ابھی منزل مقصود تک نہیں پہونچا ان تعلقات سے سخت ضرر پہونچتا ہے۔ فافہم۔

**فائدہ**۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ ممکن ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا حال معلوم نہ ہو لیکن صحیح اور معتبر قول یہی ہے کہ اسکو یہ حال معلوم ہوتا ہے۔ **شیخ شرف الدین منیری معدن المعانی** میں لکھتے ہیں۔ "چونکہ کرامت اور استدراج میں نہایت دقیق فرق ہے اسلئے ظہورِ کرامت کے موقعہ پر ہمیشہ استدراج کا احتمال قائم رہتا ہے اور اسلئے عارف خود بھی متردد رہتا ہے۔ ہر وقت اپنے تئیں متہم ٹھہراتا ہے اور خود کو کرامت کا مستحق نہیں کرتا۔ کشف المحجوب میں لکھا ہے۔ یہ لڑکوں کی بات ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا حال معلوم نہیں ہوتا کیونکہ عارف کے اور حق تعالیٰ کے درمیان ایسے اسرار ظہور میں آتے ہیں جو غیر میں مشاہدہ نہیں کئے جاتے۔ علاوہ ازیں حق تعالیٰ نے عارفوں کو اسقدر طاقت عنایت کی ہے کہ وہ اپنے ایمان اور معرفت کے نور کی بدولت کرامت اور استدراج میں بخوبی فرق محسوس کر سکتے ہیں"۔

**فائدہ**۔ اولیاء کو حق تعالیٰ نے نفوسِ قدسیہ سے سرافراز فرمایا ہے جنکے ذریعہ سے

وہ تمام اشیاء کی حقیقت کما حقہٗ معلوم کر سکتے ہیں۔ اس قوتِ قدسیہ کو اہلِ علمِ ظاہر کی اصطلاح میں حدس کہتے ہیں۔ فکر اور حدس میں جو فرق ہے وہ دانش نامہ میں اسیطرح لکھا ہے فکر اسکو کہتے ہیں کہ نفس ناطقہٗ انسانی (جسکو دوسرے لفظوں میں قوتِ ادراک یا عقل کہتے ہیں) قوت متخیلہ کی مدد سے معانی میں جولاں کرے اور جو کچھ خزانۂ خیال یا خزانۂ ذاکرہ (قوتِ حفظ کا مخزن) میں محفوظ ہے۔ اسپر نظر ڈالکر انہی معلومات کو ایک خاص ترتیب دیکر ایک نئی بات دریافت کرے (جس کو اصطلاحِ منطق میں نتیجہ کہتے ہیں) بعض اوقات نفس ناطقہ کی یہ جولانی منزلِ مقصود تک نہیں پہونچتی اور راستہ میں منقطع ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے کوئی نئی بات دریافت نہیں ہو سکتی۔ لیکن حدس اسکو کہتے ہیں کہ جس بات کا دریافت کرنا مطلوب ہو وہ بات معہ دلیلِ ثبوت یکدم ذہن میں آجائے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ فکر اور حدس کے مراتب مختلف ہیں۔ بعض لوگوں کا ذہن ایسا تیز ہوتا ہے کہ بات بہت جلدی انکی سمجھ میں آجاتی ہے۔ لیکن بعض جبتک بہت دیر تک نہ سوچتے رہیں کسی نتیجہ پر نہیں پہونچ سکتے۔ اسلئے فکر اور حدس کے مختلف مراتب کے دو انتہائی نقطے قرار پانے ضروری ہیں۔ ایک نقطۂ ابتدائی جسکو "طرفِ نقصان" کہنا چاہئے۔ مثلاً ایک ایسا شخص ہے جو سوائے بدیہیات کے جاننے کے (جسکو ہر ایک شخص جانتا ہے) کوئی نئی بات نہیں دریافت کر سکتا۔ دوسرا نقطۂ انتہائی جس کو "طرفِ کمال" سے تعبیر کرینگے۔ مثلاً ایک ایسا شخص ہے جو ان تمام علوم پر حاوی ہے جسکا جاننا انسان ہو کر ممکن ہے۔ "طرفِ نقصان" تو بہت لوگوں میں مشاہدہ ہوتا ہے اور "طرفِ کمال" رکھنے والے افراد کا وجود بھی ناممکن نہیں (بلکہ انبیاء اسی قسم کے لوگ ہوتے ہیں) حکماء کی اصطلاح میں اس طرفِ کمال کا نام "قوتِ حدسیہ" ہے۔

پیر کامل مکمل کی تعریف تو بیان کر دیگئی ہے۔ اب ہم یہ لکھتے ہیں کہ طالبِ حق کو ایسے بزرگوار کی خدمت میں رہکر کیا کرنا چاہئے۔ شروق الانوار میں لکھا ہے۔ طالب حق اور توحید صادق کو چاہئے کہ جب اسکو کسی ایسے شخص کی ملاقات میسر ہو جو قرب اور ولایت سے موصوف ہے تو اسکی پیروی کرنے اور اسکی صحبتوں سے فیض حاصل کرنے میں سعی بلیغ کرے۔ اپنے نفس اسکے ہاں ہر دلعزیز بنائے اور اسکے دل میں جگہ لینے کی کوشش کرے کیونکہ حدیث قدسی

ہیں وارد ہے لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن (میری زمین آسمان میں یہ قابلیت نہیں کہ میں ان میں سما سکوں یہ فخر میرے بندہ مومن ہی کے دل کو حاصل ہے کہ میں اس میں سما سکتا ہوں) اس حدیث کے مطابق جس شخص نے کسی ولی اللہ کے دل میں جگہ حاصل کر لی وہ حضرت رب العزت جل جلالہٗ کا ہم نشین ہو گیا۔ آیت شریف میں ہے وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا (تیرے پروردگار کی عطا اور بخشش کبھی نہیں روکی جاتی) اس سے معلوم ہوا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فیض اور جود کبھی منقطع نہیں ہوتا جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر ایک زمانہ میں کامل مکمل اولیا پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہینگے۔ گو یقیناً نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کون ہیں۔ لیکن جن اولیاء کی ولایت کو ایک عالم مانتا ہے کامل مکمل اولیا کی جماعت اُن سے خارج نہیں۔ جب سالک میں ارادت اور عقیدتمندی کی صفت ظہور میں آئے جو سب سے ابتدائی مرحلہ ہے تو اسپر لازم ہے کہ توبہ کرے جسکے معنے یہ ہیں کہ اپنی گذشتہ ناشائستہ حرکات پر نادم ہو کر تمام موانع کو راستہ سے دور کرے۔

**فائدہ**۔ جواہر خمسہ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ توبہ کے معنے یہ ہیں کہ خدا کیطرف رجوع کرے۔ عوام کی توبہ یہ ہے کہ اوامر حق کی مخالفت چھوڑ کر اطاعت اختیار کرے اور خواص کی توبہ یہ ہے کہ تمام ماسوی اللہ سے مونہہ موڑ کر حق تعالیٰ کو قبلۂ توجہ ٹھہرائے۔ اور خاص الخاص اصحاب کی توبہ یہ ہے کہ توبہ سے توبہ کرے۔ مولانا روم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎ "اے تو از حال گذشتہ توبہ جو ؛ کے کنی توبہ ازیں توبہ بگو"۔

(تم اپنی گذشتہ حرکات پر نادم ہو کر توبہ کر رہے ہو۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اس توبہ سے کب توبہ کروگے) دوسرے یہ کہ ایک اسم الٰہی کے مقتضا کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف رجوع کرے۔ بعضوں نے خاص الخاص کی توبہ کی یہ حقیقت لکھی ہے کہ اسماء حسنٰے کے مقتضاؤں کو چھوڑ کر احدیت جمع کی طرف رجوع کرے۔ اسکو کاملین کی توبہ کہتے ہیں"۔ توبہ کے بعد ترک تعلقات اور تجرید کی نوبت آتی ہے جسکو زہد بھی کہتے ہیں۔ اسکے بعد ریاضت۔ جسکے معنے یہ ہیں کہ اپنے تئیں معرفت الٰہی کے لئے قابل بنانے کی غرض سے ایسے امور اختیار کئے جائیں جو نفس پر شاق گذریں لیکن یہ بات خلوت ہی میں میسر ہو سکتی ہے اسلئے خلوت کرنا فرض کی گئی ہے

اور جب تک مقصود حاصل نہ ہو خلوت کو ترک نہ کریں۔ ؎

تا دستِ وصالِ تو نگیرم در دست | تا از لبِ مے گونت نہ گردم سرمست
نے لب روزے بخندہ خواہم بکشود | نے دیدہ شبے زگریہ خواہم بربست

(جب تک تم سے ہاتھ ملا کر وصال حاصل نہ کرلوں۔ اور جب تک تمہارے لال لال ہونٹوں کو بوسہ دینے سے بے خود نہ ہو جاؤں۔ نہ تو کسی دن ہنسنے کے لئے موںہہ کھولوں گا اور نہ رات کو رونے اور آنسو بہانے سے باز آؤنگا) اِسکے بعد دوام ذکر ہے جسکے چار درجے ہیں۔ ۱۔ دل زبان کے موافق ہو۔ غیر کی نفی اور حق کا اثبات کرے۔ لیکن یہ نفی و اثبات عیاں اور مشاہدہ کے طور پر نہیں بلکہ اعتقاد کے طور پر ہو۔ (۲) ذکر کا اثر دل پر پڑے یعنی زبان کیطرح دل سے بھی ذکر ظاہر ہو۔ خواب و بیداری کی حالت برابر ہو (۳) یہ کہ دل کے ذکر کا اثر زبان پر اثر کرے اگر زبان خاموش ہو تب بھی دل کا ذکر جاری رہے۔ مؤلف کتاب ہذا کہتا ہے غالباً اِن دونو صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت کا یہ مطلب ہے کہ دل سے زبان کیطرح ذکر ظاہر ہو خواہ اسکا اثر زبان پر ہو یا نہ ہو اور اسکی آواز کان میں پڑے یا نہ پڑے۔ دوسری صورت کا مطلب یہ ہے کہ اگر زبان سے خاموش رہے تب بھی دل اسیطرح ذکر میں مشغول رہے کہ اسکی آواز برابر سنائی دیتی رہے اور زبان کو حرکت دینے کی کچھ ضرورت محسوس نہ ہو۔ چوتھے مرتبے میں ذکر کے معنے دل میں بیٹھ جاتے ہیں۔ توجہ اور عدمِ توجہ کا کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ الفاظ کا توسط اُڑ جاتا ہے اور آواز کو وہاں کچھ دخل نہیں ہوتا اس مرتبہ میں کوئی چیز خلل انداز نہیں ہوسکتی۔ برخلاف اسکے پہلے مراتب میں تھوڑا بہت خلل واقع ہوسکتا ہے۔ **خواجہ خورد** جو علوم تصوف کے بڑے محقق ہیں اپنی ایک تصنیف میں لکھتے ہیں۔ طریقہ ذکر کا ایک تو یہ ہے کہ زبان سے جہر کے ساتھ ذکر کرے۔ اور بہت سے مشائخ نے اس طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ زبان سے آہستہ ذکر کرے۔ اسکو شیخ کبیر اور اُسکے تابعین نے پسند کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ محض تصور اور خیال میں ذکر کیا جائے ہمارے بزرگواروں نے اسی طریقہ کو مستحسن سمجھا ہے۔ چوتھے یہ کہ آواز اور حرف دل سے زائل ہو کر اسکے معنے دل میں نقش ہو جائیں۔ اس مرتبہ سے ترقی کر کے ایک ایسی حالت پیش آتی ہے

جہاں ذکر اور ذاکر اور مذکور ایک ہو جاتے ہیں کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَهٗ کی حقیقت رونما ہوتی ہے۔ الذکر طرد للغفلة (ذکر غفلت کا دور کرنا ہے) پہلے مرتبہ کیطرف اشارہ ہے۔ کیونکہ بندی کو ابتدا میں وساوس اور خیالات دور کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے الذکر معراج الروح (ذکر روح کے لئے معراج کا حکم رکھتا ہے) دوسرے مرتبہ کیطرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جب ذکر کا اثر دل پر پڑتا ہے تو وہ روح کے لئے زینہ بنکر اسکو کہیں سے کہیں تک پہونچا دیتا ہے اور کشف و شہود کے مراتب میں سالک ترقی کرتا ہے الذکر سلم من الذکر الی المذکور (ذکر ایک زینہ ہے جو سالک کو ذکر سے مذکور تک پہونچانے کا ذریعہ ہوتا ہے) تیسرے مرتبہ کیطرف اشارہ ہے۔ یہ سیر الی اللہ کا آخری مرحلہ ہے۔ چوتھے مرتبہ کیطرف اس عبارت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ الذکر نسیان الذکر (ذکر یہ ہے کہ ذکر کو بھلا دیا جائے) یعنی اس مرتبہ میں مذکور (جسکا ذکر کیا جاتا ہے یعنی ذات کبریائے حق) کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جسکی وجہ سے ذکر اور سب کچھ بھول جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ میں کسی نے یہ شعر کہا ہے ؎

کفی حزنًا انی انادیک دانیاً    کانی بعید او کانک غائب

(میرے لئے یہ کچھ کم غم و اندوہ کا باعث نہیں کہ میں تم سے باوجود نزدیک ہونیکے اسطرح ندا کرتا ہوں گویا تم مجھسے دور ہو یا میں تمسے غائب ہوں) دوسرے مرتبہ میں کسیکا یہ قول ہے ان تذکرتہ فکلی قلوب وان تاملتہ فکلی عیون (اگر میں اسکا تصور باندھتا ہوں تو میں ہمہ تن دل ہو جاتا ہوں اور اگر میں اسکو دیکھنے لگوں تو ہمہ تن چشم ہو جاتا ہوں) تیسرے مرتبہ کے مطابق یہ شعر ہے ؎

یادِ تو چناں نقش رواں گشت مرا    کاں پردۂ جملہ جہاں گشت مرا

(تیری یاد کا میرے دل اور جان پر ایسا گہرا نقش ہوا ہے جسکی وجہ سے تمام جہان میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ہے) چوتھے مرتبہ کے حسب حال یہ رباعی ہے ؎

گیرم نگذارند کہ نام تو برم    یا در رخِ خوبت ای نگارین نگرم
عشق تو کہ آں مایۂ ہستی من است    ہرگز نتوانم کہ ازاں در گذرم

(میں نے فرض کیا کہ لوگ مجھے تیرا نام لینے سے روکتے ہیں۔ مجھے تمہارے رخ زیبا کیطرف نظر اُٹھا کر دیکھنے بھی نہیں دیتے لیکن باایں ہمہ تمہارا عشق اور تمہاری محبت جو میرے لئے سرمایۂ زندگی ہے کسی طرح بھی میرے صفحۂ دل سے محو نہیں ہو سکتا) خلوت میں جو حالت رونما ہوتی ہے اُسکے متعلق

مغربی نے لکھا ہے کہ ذکر کرتے کرتے اس حد تک نوبت پہونچ جاتی ہے کہ ذاکر تمام کائنات سے
ذکر ہی ذکر سنتا ہے اسے اسقدر فرق بھی نہیں محسوس ہوتا کہ یہ ذکر میرے اپنے دل سے نکلتا ہے
یا باہر سے مسموع ہو رہا ہے۔ ہمارے شیخ مرشد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ
سجدہ کیا تو درختوں اور پتھروں نے بھی میرے ساتھ سجدہ کیا۔ قاضی احمد عطار کا قول ہے کہ
جب میں ذکر میں مشغول ہوتا ہوں تو تمام جمادات سے مجھے ذکر کی آواز سنائی دیتی ہے۔ بعض
اوقات اسکا مکاشفہ اسقدر بڑھ جاتا ہے کہ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ اگر کائنات کا
ایک ذرہ بھی جنبش کرے تو نہ صرف اسکو جانتا بلکہ عیاناً اسکو دیکھ لیتا ہے حقیقت توحید یہاں
پہونچکر جلوہ گر ہوتی ہے اگرچہ اس نے پہلے کبھی خیال نہ کیا ہو لیکن پھر بھی وہ تمام اسماء و صفات
کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس حالت پر ٹھہر جانا اور اسپر قناعت کر لینا عارفوں کی
اصطلاح میں جنابت کہلاتا ہے۔ بلکہ سالک کو چاہئے کہ اس سے آگے بڑھے۔ بعض اوقات
اسکے حلق میں ایک ایسی حلاوت پیدا ہوتی ہے جسکی نہایت شیرینی کو وہ برداشت نہیں کر سکتا
ابو القاسم قشیری کا قول ہے کہ ابو عثمان مغربی نے اسی وجہ سے خلوت چھوڑ دی۔ اس حالت میں
سالک نیند بھی نہیں کر سکتا۔ علی ہذا القیاس اسکے کان میں ایسی سریلی اور دلکش آوازیں سنائی دیتی
ہیں جنکی نظیر اس نے کبھی نہیں سنی ہوتی۔ بعض اوقات اسکو حق تعالیٰ کی جانب سے خطاب ہوتا ہے
اور خود اپنے سر سے اسکا جواب بھی سنتا ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ مجھکو خواب میں ایک ایسی
حالت پیش آتی تھی کہ کھانا کھانا یا فرض وضو میں مشغول ہونا مجھکو اس سے زیادہ شاق گذرتا
تھا کہ مجھکو آسمان سے گرایا جائے اور میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں۔ بعض اوقات انوار ظہور
میں آتے ہیں۔ اس حالت میں سالک کو کسی قسم کی حرکت نہیں کرنی چاہئے۔ اور نہ کسی دوسری
چیز کیطرف التفات کرنا چاہئے جسطرح کوئی شکاری دام لگا کر چپ چاپ بیٹھکر شکار ہی
کیطرف دیکھتا رہتا ہے۔ سالک کو اس حالت میں مطمئن رہکر ہمہ تن اپنے مطلوب کیطرف متوجہ
ہونا چاہئے۔ اس نور کے ابتدائی ظہور کو طارق کہتے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ رات کو مناجات
کرتے وقت دل میں بشارت یا تہدید و تخویف کا القا ہو۔ کشف المحجوب میں اسیطرح لکھا ہے
اس سے زیادہ طاقت کے نور کو لائحہ اس سے بڑھکر لامعہ اور اس سے بھی بڑھکر طالعہ کہتے ہیں

ان تینوں کے تین تین مراتب ہیں۔ لائحہ کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بجلی کوندنے کیطرح جلوہ دکھا کر فوراً غائب ہوجائے اسکو وقت کہتے ہیں اسکا نفس کو احساس ہوتا ہے اور یہ احساس بڑھ کر قوی تر ہوتا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ریاضت میں مشغول ہونے کے بغیر اس قسم کی حالت جلوہ انداز ہو جب وہ کسی دوسری چیز کو دیکھ رہا ہو عین اسی حالت میں اسکو ذات حق دکھائی دے۔ نور اسکے سامنے جلوہ نما ہو اور اس سے سالک میں ایک عظیم تاثیر پیدا ہو یہانتک کہ اسکا اثر اسکے ہم نشین کو محسوس ہو۔ تیسرے یہ کہ یہ نور اور بھی قوی تر ہو جائے لیکن سالک میں گونہ تمکین پیدا ہو جسکی وجہ سے کسی دوسرے کو اسکی حالت پر اطلاع نہ ہو سکے۔ لامعہ کی پہلی حالت یہ ہے کہ وقت مبدل بسکینہ ہوجائے۔ اور جو چیز اچانک رونما ہو کر بہت جلد غائب ہو جاتی تھی وہ مالوف ہو جائے جو چیز برق کا حکم رکھتی تھی شہاب کا حکم پیدا کرے۔ دوسرے یہ کہ سالک اس حالت میں اسقدر رسوخ پیدا کرے کہ ظاہر میں حاضر اور باطن میں غائب ہو۔ ظاہر صورت میں لوگوں سے مشغول ہو لیکن اسکا باطن تمامتر حق تعالیٰ کیطرف متوجہ ہو۔ تیسرے یہی حالت اسکے لیئے بمنزلہ ملکہ راسخہ کے ہوجائے۔ چنانچہ جو شخص چاہے اس نور کو مشاہدہ کر سکے۔ طالعہ کی پہلی حالت یہ ہے کہ ارادہ کا محتاج نہ ہو بلکہ جس چیز کیطرف نظر اٹھا کر دیکھے اسکو نور حق نظر آئے۔ دوسرے یہ کہ اسکا ضمیر ایک صیقل کردہ اور جلا دادہ آئینہ کا حکم پیدا کرے جسمیں ہر وقت ذات حق جلوہ گر ہے الا اس صورت میں کہ وہ اپنے اوپر نظر کرے۔ تیسرے یہ کہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو جاتا ہے اور کسی حالت میں سوائے ذات حق کے اسکو کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی۔ اگر کسی وقت وہ اپنے تئیں دیکھتا بھی ہے تو صرف اس حیثیت سے کہ اس نے ذات حق سے بقا حاصل کی ہے اور اپنی ذات کو فنا کر دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور مرتبہ ہے جسکا بیان ان دو شعروں میں ہے ؎

ہاں تا سر رشتہ خود گم نکنی   خود را ز برائے نیک و بد گم نکنی
منزل توئی و راہ تو و رہبر تو   ہاں تا رہ خویشتن بخود گم نکنی

(خبردار اپنا سر رشتہ گم نہ کردو۔ نیک و بد کی خاطر اپنے تئیں گم نہ کردو۔ منزل بھی تو راہ بھی تو رہبر بھی تو۔ خبردار اپنا راستہ گم نہ کیجیو) اس مرتبہ میں پہونچکر تمام تکلیفیں دور ہو جاتی ہیں۔ ہر وقت

لذتوں سے محظوظ رہتا ہے کمالات اسپر فائز ہوتے رہتے ہیں اور جو شخص اسکی طرف ایک نظر دیکھ لے وہ بھی اہل سعادت میں شمار ہوتا ہے۔ مغربی کا قول ہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرکے اگر تم مطلوب حقیقی تک بالفرض نہ پہونچو تب بھی یہ محنت رائگاں نہیں جاتی۔ کم از کم یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عرش اور کرسی کے عجائبات کا مطالعہ اور انوار قدسیہ کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ دنیا میں وہ امام اور مقتدا مانا جاتا ہے اور آخرت میں سعادت مندوں کے گروہ میں اسکا شمار ہوتا ہے ؎

اندریں راہ گرچہ آں نکنی
دست و پائے بزن زیاں نکنی

(یعنی سلوک کے راستہ میں اگر مقصود نہ حاصل ہو تب بھی کوشش کرکے ہاتھ پاؤں مارتے رہنا چاہیئے کہ نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا۔ مراد حاصل نہ ہو تو ریاضت اور کوشش کو ترک نہیں کرنا چاہیئے ابتدا میں ہر چند جد و جہد کیجائے مقصود کا حاصل ہونا بہت دور معلوم ہوتا ہے اسلئے مایوس نہیں ہونا چاہیئے وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا (خدا ہے پاک۔ وہ مہربان ہے کہ مایوس ہو جانے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے) الغرض کوشش ترک نہ کریں لیکن کوشش پر اعتماد بھی نہ کریں۔ اس سے آگے بڑھ کر فنا اور فنائے فنا کے مقام تک پہونچ جانا چاہیئے۔

**فائدہ۔** شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاخیار میں شیخ المشائخ نظام الدین اولیا کا قول نقل کرتے ہیں کہ سالک جبتک سلوک میں ہے حصول کمال کا امیدوار ہے۔ اگر یہ قطع ہو تو وہ سالک نہیں بلکہ واقف یا راجع ہو جاتا ہے۔ سالک تو وہی ہے جو ہمیشہ ہر وقت آگے کو بڑھنے کی کوشش کرے۔ واقف وہ ہے کہ راستہ میں ٹھہر جائے۔ اسی اثنا میں کسی نے سوال کیا کہ سالک بھی ٹھہر جاتا ہے۔ فرمایا جب سالک کو خدا کی عبادت میں لذت حاصل نہیں ہوتی تو وہ سست ہوکر ٹھہر جاتا ہے۔ اگر اس نے جلدی ہی اس سستی سے توبہ کرلی اور پھر چلنے لگا تو وہ سالک ہے اور اگر معاذ اللہ اسی حالت میں رہا تو اس بات کا خوف ہے کہ وہ راجع ہو (یعنی الٹے پاؤں کولھو کے بیل کیطرح جہاں سے چلا تھا وہاں واپس آئے) اسکے بعد انہوں نے اسکے سات قسم بیان فرمائے۔ اعراض۔ حجاب۔ تفاصل۔ سلب مزید۔ سلب قدیم۔ تسلی۔ عداوت۔ اس اجمال کی خود انہوں نے تفصیل کی کہ جب عاشق اور معشوق میں گہری محبت ہو اور اس اثنا میں عاشق سے کوئی

حرکت خلاف مزاجِ محبوب سرزد ہو تو وہ محبوب اس سے اعراض (روگردانی) کرتا ہے۔ اس حالت میں عاشق کے لئے معذرت کرنا اور معافی کا خواستگار ہونا ضروری ہے۔ اسطرح محبوب کی دوبارہ رضامندی حاصل ہوسکتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی حرکت سے تائب نہ ہوا اور اسپر ڈٹا رہے تو اسکے اور محبوب کے درمیان بیگانگت کا حجاب حائل ہوجاتا ہے۔ اگر اس حالت میں بھی اس نے توبہ نہ کی اور کچھ تدارک نہ کیا تو تفاصل (باہمی انقطاع اور جدائی) تک نوبت پہونچتی ہے۔ اگر پھر بھی تائب نہیں ہوتا تو جو لذت اسکو پہلے ادائے عبادت اور اذکار میں حاصل ہوتی تھی اس سے سلب کرلی جاتی ہے (سلب کے معنے چھیننا) اسکے بعد اگر یہی حالت رہی تو یہ سلب بڑھ جاتا ہے اور مستحکم ہوجاتا ہے اور ادائے عبادت کی توفیق تک اسکو نہیں ملتی۔ اسکو سلب مزید یا سلب قدیم کہتے ہیں۔ کیونکہ سلب پورا ہوجاتا ہے۔ اگر اس حالت میں بھی اسکو توبہ نصیب نہ ہوئی تو تسلّی کی باری آتی ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ محبوب حقیقی اس سے بالکل قطع تعلق کرلیتا ہے۔ اسکے بعد رفتہ رفتہ عداوت تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

مرید صادق کے لئے جن باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے انکا بیان صاحب مقدمہ نے حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے اسطرح نقل کیا ہے۔ ابراہیم ادہم رح نے ایک شخص سے جو خانہ کعبہ کا طواف کررہا تھا فرمایا۔ یقیناً تم صالحین کا درجہ اسوقت تک نہیں حاصل کرسکتے جب تک کہ چھ مشکلات کو عبور نہ کرو۔ (۱) نعمت اور تن آسانی کو چھوڑ کر تکلیف برداشت کرنیکے لئے آمادہ ہوجاؤ (۲) عزت سے دست بردار ہوکر ذلت قبول کرو۔ (۳) آرام سے دستکش ہوکر ریاضت اختیار کرو (۴) نیند کو خیرباد کہکر بیداری سے کام لو۔ (۵) دولتمندی کی خواہش نہ کرو بلکہ فقر اور تنگدستی کیلئے آمادہ رہو (۶) درازئی امید کا رشتہ قطع کرکے موت اور مابعد الموت کیلئے سامان مہیا کرنے میں مشغول ہوجاؤ۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رح فرماتے ہیں ؎

خواہی کہ شود دلِ تو چوں آئینہ — دہ چیز برون کن از درونِ سینہ

(یعنے اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل آئینے کی مانند مصفا ہوجائے تو ان دس چیزوں کو سینہ سے باہر نکالکر پھینکدو۔ آگے کے شعر میں ان ہی چیزوں کا بیان فرمایا ہے۔

# پہلا فاتحہ

## سرِ حلقہ فقراء دہلی محبوب سبحانی حضرت سید حسن رسول نما اویسی ثانی کے حالات

قانونِ قدرت ایزد جل و علا یہ ہے کہ جس شخص کو عزت اور افتخار نصیب ہوتا ہے اکثر صورتوں میں اسکو بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھانی پڑتی ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے ما اوذی نبی مثل ما اوذیت (جسقدر تکلیف میں نے برداشت کی ہے کسی نبی کو اتنی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑی) دوسری حدیث میں ارشاد ہے اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل (سب سے زیادہ مصیبت کا نزول انبیاء پر ہوتا ہے اسکے بعد درجہ بدرجہ مراتب کا لحاظ رہتا ہے) جن حالات کو بیان کرنے کے لئے میں نے قلم اُٹھایا ہے اُن کو پڑھو اور غور کیجیو کہ مراتبِ جلیلہ اور درجاتِ رفیعہ حاصل کرنے سے پیشتر کسقدر مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ ذرہ گوشِ ہوش سے سنیئے۔

آپ کی توجہ لڑکپن کے زمانہ سے شباب تک باوجود تعلق اور تقید کے ہمیشہ روپے پیسے کے خرچ کرنے پر مبذول رہی ہے۔ آپ کی نظر میں دنیا اور اہلِ دنیا کی پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں تھی۔ خورد سالی کے ایام میں آپ غریبوں کے لڑکوں سے کھیلا کرتے تھے اور امیر زادوں کی صحبت سے متنفر رہتے تھے۔

جب تقدیر ایزدی سے آپکے والد ماجد کا انتقال ہوگیا تو سرکاری طور پر دہ خوانین میں اپنے والد کے منصب پر مقرر ہوئے۔ اس حالت میں آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ کپڑے وغیرہ جو چیز بھی ہاتھ آتی یتیموں اور مسکینوں کی نذر فرماتے اور خورات کے وقت موسم سرما میں ایک زین کے نمدے میں لپٹ کر سو رہتے۔ دن اسطرح گذرتا تھا کہ حسب معمول حصول ثواب کی نیت سے لوگوں کے گھروں میں کھانا کھانے کے لئے تشریف لیجایا کرتے لیکن جب تناول فرماتے اسکی قیمت کے مطابق اپنے گھر میں کھانا پکواکر غرباء اور مستحقین کو تقسیم فرمایا کرتے

اس بذل و انفاق سے جو ثواب حاصل ہونا متوقع ہوتا تھا وہ صاحب طعام کو بخشدیتے بلکہ مستحقین کے ڈھونڈھنے میں جو زحمت اٹھانی پڑتی اسکا ثواب بھی اسی صاحب طعام کو پہونچادیا کرتے اور بارگاہ کبریائے واہب العطایا جل شانہٗ سے التجا یہی کرتے تھے کہ مجھے اس درمیان میں کچھ بھی دخل نہ ہو بلکہ جو کچھ ثواب مجھکو حاصل ہوتا ہے وہ براہ راست صاحب طعام کو پہونچ جایا کرے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات مروت اسلامی سے بعید معلوم ہوتی ہے کہ دوسرے شخص کا کھانا تناول کرکے اسکا ثواب اپنے لئے جمع کرلیا جائے۔ ایک مرتبہ آپکے دل مبارک میں یہ خیال آیا کہ جو روپے سودے سلف پر خرچ ہو جاتے ہیں اگر بالفرض انکا نرخ کم ہو جائے تو یہ اختیار سے باہر ہے اسلئے نفس کو یہی ترغیب دینی چاہئے کہ وہ یہی خیال کرے کہ گویا اسکا نرخ کم ہو گیا ہے۔ اس خیال کی عملی صورت آپنے یہ نکالی کہ فی روپیہ ایک ٹکہ غریبوں کو دے دیا کرتے اور باقی اپنے حوائج پر صرف فرماتے۔ پھر آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ مبادا حق تعالیٰ یہ فرمائے کہ یہ ٹکہ جو تم ہماری خوشنودی کے لئے صرف کرتے ہو کمی نرخ کی مقدار متعین مقرر کی ہے یہ خالص ہماری خوشنودی کے لئے نہیں۔ اس خیال کی بنا پر آپ نے ایک ٹکہ بڑھا دیا۔ اسطرح بڑھاتے بڑھاتے پانچ ٹکے تک نوبت پہونچی۔ اسکے علاوہ اور بھی کئی طریقوں سے اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے تھے۔ جب سفر میں ہوتے تو سارا راستہ راہ خدا میں کرتا۔

جب آپ کی عمر شریف اٹھارہ برس کی تھی اسوقت بعض رشتہ داروں نے جو بالغرض رشتہ دار تھے۔ اور جو کہ الاقارب کالعقارب (یعنی رشتہ دار بچھوؤں کیطرح انسان کو ایذا دیتے ہیں) کا مصداق تھے اس وجہ معاش میں جو آپ کو میراث میں ملی تھی خلل انداز ہونا چاہا اور مقدمہ کھڑا کر دیا۔ اور بعض رشوت خوار حکام کو بھی ساتھ ملا لیا۔ الغرض آپ کو ہر ایک طرح سے تکلیف دینا شروع کیا جسکا بیان قلم کی طاقت سے باہر ہے اسلئے آپ کے لئے وہاں کی سکونت بہت دشوار ہو گئی اور آپکے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ تحصیل علم کی جانب توجہ کرنا چاہئے اور بعد حصول کمال اسی ذریعہ سے کسی اہل دنیا سے تقرب حاصل کرکے ان مخالفین کا انتقام لینا چاہئے۔ اسی ارادہ سے ترک وطن کرکے اکبر آباد کا رخ کیا۔ وہاں پہونچے تو سخت تھکے ماندے

ہونے کے علاوہ آتشِ فاقہ تنورِ شکم میں مشتعل تھی۔ مجبور ہو کر شہر میں چکر لگانا شروع کیا۔ ہر ایک محلہ میں جاکر باوازِ بلند کہتے کہ اگر کسیکو لڑکوں کے لئے معلم کی ضرورت ہو تو بندہ حاضر ہے۔ لوگ انکا حال دیکھکر تعجب کرتے۔ آخر ایک شخص نے وجہ دریافت کی تو آپنے اپنی حالت پر اسکو مطلع کیا۔ اس نے کہا کہ ایک لڑکا صرف میر پڑھتا ہے اسکے لئے ایک اُستاد کی ضرورت ہے۔ کل ہفتے کا دن ہے آپ کو اسکی تعلیم کے لئے مقرر کردینگے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو آج میں اسکا آموختہ سُن لوں۔ اور پڑھا ہوا سبق تکرار کرلیں اس شخص کو آپکا سخت حاجتمند ہونا معلوم ہو گیا اور کھانا حاضر کیا۔ جب آپنے کھانیکا ارادہ فرمایا تو اپنی مصیبت کا تصور باندھکر اسقدر رقت طاری ہوئی کہ آنسو بہنے لگے اور وہ کھانا تربتر ہو گیا رات ایک مسجد میں بسر کرکے صبح کو حسب وعدہ حاضر ہوئے اور بہت تھوڑی سی تنخواہ پر معلم مقرر کیے گئے۔

ان ایام میں ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک ہندو معہ چند سواروں کے وہاں سے گذر رہا تھا جب اسکی نظر آپ پر پڑی تو بحکم "آثارِ نشانِ حزب اعلیٰ است ہر چہرہ او چو نور پیدا است" فوراً علامات سے آپ کی نجابت و شرافت اور صاحب کمال ہونا معلوم کرکے گھوڑے سے اتر پڑا۔ آپ نے خیال کیا کہ شاید مالک خانہ سے کچھ جان پہچان ہے لیکن دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ محض آپکو ایک بشارت سُنانیکے لئے اُترا تھا۔ اس نے آپکی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کو یاد ہوگا کہ مہابت خان کے ہندو وکیل نے آپ سے کہدیا تھا کہ آپ ایک بہت بڑے جلیل القدر مرتبہ پر فائز ہوں گے۔ یہ کہکر یادداشت کیلئے کپڑے میں ایک گرہ لگادی اور رخصت لیکر چلا گیا۔ غالباً یہ پیشینگوئی علمِ نجوم یا علمِ قیافہ کی بنا پر کی گئی تھی۔

اسی اثنا میں آپنے اپنی وجہ معاش کی سندیں میرک شیخ صدر کو دکھائیں (مطلب یہ تھا کہ آپ کی سندوں کو دیکھکر انہیں اپنا حق دلائیں) صدر مذکور نے گواہ طلب کیے چنانچہ گواہوں نے بھی حق ثابت کیا۔ صدر نے پروانہ لکھدینے کا وعدہ کیا اور اپنے نوکروں سے کہدیا کہ جسوقت آپ تشریف لے آیا کریں اسی وقت انکی خدمت میں کھانا پیش کردیا کریں اور جس چیز کی وہ خواہش فرمائیں مہیا کریں۔ لیکن خدا کی قدرت! جب صدر مذکور حکام کو

پروانہ لکھنے کے لئے متوجہ ہوتے تو کوئی نہ کوئی مانع پیش آتا۔ اسی طرح ایک مدت گذر گئی آپ نے فرمایا حصول مقصود کے لئے میں نے سورۂ اخلاص کا ورد شروع کیا اور حق تعالیٰ سے التجا کی کہ یا تو کشائش کار ہو یا دل سے یہ خیال نکل جائے۔ آپ کا قول ہے کہ ابھی بارہ ہزار مرتبہ میں نے سورۂ مذکور کو نہیں پڑھا تھا کہ یکایک ایک شخص غیب سے نمودار ہوا۔ اور غلام یا خادم کیطرح میرا جوتا میرے سامنے درست کر کے نظروں سے غائب ہو گیا۔ میں نے اٹھکر جوتے کا ایک پیزار ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف پھینکدیا۔ جب میں نے پاؤں میں پہننے کا ارادہ کیا تو وہ دونو پیزار خود بخود اکھٹے ہو گئے۔ صدر سے ملاقات کی تو اس نے کہا کہ بسا اوقات میں نے پروانہ لکھنے کا ارادہ کیا لیکن اسطرح کی ایک حالت پیش آتی ہے گویا کوئی شخص میرا ہاتھ پکڑ کر لکھنے سے کھینچ لیتا ہے۔ آپ کو یہ سنکر سخت رنج ہوا لیکن انکی دعائیں بیکار گئیں اور مطلوب حقیقی کے حصول کیواسطے مؤثر ہوئیں۔ وجہ معاش کی سندوں کو آپنے آگ سے جلادیا۔ اور تحصیل علوم کے لئے پورب کا رخ کیا۔

راستہ میں ایک شاہی عہدہ دار سے ملاقات ہوئی اور آشنا ہو جانے پر اس نے اپنا گھوڑا سواری کے لئے دیدیا۔ آپ سوار ہوئے اور تھوڑی دور تک جا کر آپکے دل مبارک میں خیال آیا کہ ممکن ہے اس شخص کے دل میں گھوڑے کی واپسی کے لئے اضطراب ہو۔ میری جو عزت یا وقعت اپنے وطن میں تھی وہ نہیں رہی اور حق تعالے نے پیدل چلنے کی طاقت عنایت فرمائی ہے تو سواری کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جہانتک ممکن ہو پیدل چلنا چاہئے۔ مؤلف کہتا ہے اس حدیث قدسی میں بھی اشارہ پایا جاتا ہے یعنی ادم عندک مایکفیک وانت تطلب مایطغیک (اے فرزند آدم! تمہارے پاس قدر کفایت موجود ہے لیکن تم ایسی چیزوں کی طلب میں سرگرم رہتے ہو جو تمہارے لئے طغیان کا باعث ہو۔ یہ خیال آتا تھا کہ آپ اتر پڑے۔ اس شخص نے ہر چند منت سماجت کی لیکن آپنے نہ مانا۔ غلبۂ عشق و محبت سے سارا راستہ خدا کی یاد میں طے ہوا۔ ہر ایک جگہ پر نفل ادا کرتے تھے اگر کسی جگہ پر نفل ادا کرنے کا اتفاق نہ ہوتا اور اس سے یونہی گذر جاتے تو تھوڑی دور جا کر آپ کو خیال آتا کہ ممکن ہے اسجگہ پر عبادت کیجاتی تو وہ بارگاہ حق میں

شرف قبولیت پاتی۔ یہ خیال آنے کی دیر ہوتی اور آپ پیچھے واپس ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ جب دوگانہ ادا کر کے روانہ ہوتے تو پھر خیال آتا کہ اگر دوسرا دوگانہ بھی ادا کیا جاتا تو یہ اور بھی بہتر تھا۔ پھر اُلٹے پاؤں چلے آتے اور ادائے نوافل میں مشغول ہو جاتے۔

ایک دن آپنے یہ حدیث قدسی کسی سے سنی کہ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعاً (جو شخص ایک بالشت بھر مجھ سے نزدیک ہو تو میں گز بھر اُسکے نزدیک ہو جاتا ہوں) غلبۂ عشق و محبت میں اونچے اونچے پہاڑوں اور درختوں پر چڑھ کر چلاتے کہ بار خدایا! میں تو یہاں پہونچ گیا ہوں تو کہاں ہے؟ پھر اس سے بھی کسی اونچی جگہ پر چڑھ کر اسطرح فریاد کرتے اور روتے جسکو سنکر مسافروں اور رہگذروں کے دل پر رقت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ آپکا بدن اس تگ و دو میں کانٹوں کے چبھنے سے چاک چاک ہو گیا۔ مثنوی شریف میں بعینہ اسی قسم کی ایک حکایت ایک گڈریئے سے منقول ہے جسکا ایک شعر یہ ہے

چارقت دوزم کنم شانہ سرت شیر پیشت آورم اے محتشم

(اے میرے خدا! تو کہاں ہے کہ میں تیرے پھٹے ہوئے پوتین کو گانٹھ دوں تیری جوئیں ماروں۔ اور تیرے سامنے اپنی بھیڑ بکریوں کا دودھ لاؤں) لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ عاشقوں سے جو بات غلبۂ عشق میں سرزد ہو اسپر مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ مثنوی میں تمنے پڑھا ہوگا کہ جب حضرت موسے علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اس گڈریئے پر اعتراض کیا تو بارگاہِ کبریا سے اُنکو اسطرح تنبیہ ہوئی ہے

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

(تم اسلیئے پیغمبر بنائے گئے ہو کہ لوگوں کا تعلق حق تعالیٰ سے مضبوط اور مستحکم کرو۔ اس لیئے تمہیں نہیں بھیجا گیا کہ ان کے تعلق کو قطع کرو۔ مثنوی میں لکھا ہے

گفت وگوئے عاشقاں در باب رب جوشش عشق است نے ترک ادب

حق تعالیٰ کے سامنے جو کلمات عاشقانِ صادق زبان پر لاتے ہیں وہ بے ادبی یا گستاخی کی وجہ نہیں بلکہ عشق اور محبت کا جوش ہے

ہر کہ کرد از جام حق یک جرعہ نوش نے ادب ماند درو نے عقل و ہوش

(جس نے عشق ذاتِ حق کا ایک گھونٹ نوش کیا اسکی عقل اور ہوش بجا نہیں رہتے اور وہ آداب کا مقید نہیں رہتا) قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول منقول ہے کہ اُنہوں نے حضرت ربّ العزت سے خطاب کیا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ (اے میرے خدا! یہ خود تیری) آزمائش ہے۔ یعنی خود ہی تو نے ان لوگوں کو اس گستاخی پر آمادہ کیا) کیونکہ ان کو اپنے کلام پاک کے سننے سے مشرف فرمایا تو طبعاً ان میں دیدار کی تمنا پیدا ہوئی۔ بچھڑے سے تو نے خود آواز پیدا کی جس کا لامحالہ یہی نتیجہ ظہور میں آنا تھا کہ یہ لوگ اسپر فریفتہ ہوئے اور اسکو پوجنے لگے۔ یہ قول بھی اسی قسم سے ہے فصل الخطاب میں لکھا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بسط کے مقام میں رکھا تھا۔ اور اسوجہ سے اسکو حضرت حق سے کہا اُس لئے (جسکو ہماری اصطلاح میں بے تکلفی کہتے ہیں) پیدا ہوگیا تھا۔ اور یہ کلمات جو بظاہر گستاخانہ معلوم ہوتے ہیں اسی کا نتیجہ تھا۔" آپ اس حالت جوش عشق میں تفاؤل (فال نکالنا) کے طور پر ایک سنگریزہ پھینکتے اور اگر وہ دوسرے سنگریزے پر پڑ جاتا تو اسکو ایک فال نیک خیال کرتے اور فرماتے یہ اسبات کی علامت ہے کہ میں بھی خدا کو پاؤں گا۔ یہ تصور باندھ کر وجد میں آجاتے۔ دوسرا طریقہ انکے تفاؤل کا یہ تھا کہ زمین صاف کرکے اسپر دانہ گرا دیتے۔ خیال یہ تھا کہ اگر چڑیا اسکو کھالے تو میں خدا کو پالونگا اگر مادہ چڑیا بھی آکر اس دانے کو اٹھانا چاہتی تو اسکو ہاتھ سے ہٹا دیتے تاکہ فال بد وقوع میں نہ آئے۔ ہندوستان کی عورتیں اسی طریقہ پر تفاؤل کیا کرتی ہیں۔ اگر کسی درخت یا دیوار پر کوے کو بیٹھا دیکھتے تو اس سے مخاطب ہو کر فرماتے۔ اگر مجھے خدا تک پہونچنا ہے تو تم پرواز کر جاؤ۔ اور اگر وہ کوا اُڑ جاتا تو نہایت شوق سے وجد میں آجاتے۔ یہ بھی ہندوستان کی عورتوں میں رائج ہے۔ خصوصاً جب انکا شوہر غائب ہوتا ہے تو اسکے وصال کے لئے اسی طرح تفاؤل کیا کرتی ہیں۔ یہ سب غلبۂ محبت کے نتائج ہیں۔ آپ منجم اور کاہن کو بھی کچھ دیکر اسبارہ میں فال پوچھا کرتے۔ کچھ دینے کا یہ مطلب ہوتا کہ وہ خواہ مخواہ کامیابی کی شہادت دے۔ اور جب وہ بشارت دیتا تو آپ وجد اور رقص کرنے لگتے جس گھر کے مقابل پہونچتے دل میں خیال آتا کہ اسی گھر کے طفیل خدا کو طلب کروں تو شاید

مقصود تک پہونچ جاؤں۔ اور یکایک چلا اٹھتے۔ او بارخدایا! میں تیری طلب میں ہوں۔
اگر کوئی شخص آپ کو سائل سمجھکر کچھ دیتا تو وہ ہرگز قبول نہ کرتے۔ ایک دن کسی شخص کو دیوان
حافظ کا یہ شعر کہتے سنا ؎

شنیدہ ام کہ سگاں زا قلادہ مے بندی　　چرا بگردن حافظ نمے نہی رسنے

(میں نے سنا ہے کہ (اے میرے محبوب) تم کتوں کے گلے میں قلادہ ڈالتے ہو حافظ کے گلے
میں پٹہ کیوں نہیں ڈالتے ہو؟) آپ نے اپنا نام لے کر اس شعر کو اسطرح پڑھنا شروع کیا ؎
"چرا بگردن حسن نمے نہی رسنے"۔ اس شعر کا آپ پر اس حد تک اثر ہوا کہ غلبہ عشق سے اپنے گلے
میں کتے کیطرح پٹہ ڈال دیا۔ اور کھانا پینا چھوڑ کر کتوں کیطرح آواز کرنا اختیار کیا۔ فرمایا کرتے کہ
کہ محبوب کا کتا اسوقت حقیقتہً ہو سکتا ہے کہ اسکی تمام شکل اور وضع اختیار کرلے۔ الغرض کتے
کی شکل بناکر وہ وہ تین تین میل تک چلے جاتے۔ ایک عاشق کا قول ہے ؎

سرپا شد و پائے سرم اندر راہِ یار　　چوں بے سر و پا شدم تو معذورم دار

(محبوب کے راستہ میں میرا سر پاؤں ہوگیا اور پاؤں سر۔ جب میں بے سروپا ہوگیا تو مجھے معذور سمجھ)
ایک دوسرے شاعر نے یہ حالت دیکھکر خوب کہا ہے ؎ "بے تاب عشق ہرچہ کند حق بدست اُو"
(عشق سے مغلوب ہوکر جو کچھ بھی کرے حق بجانب ہے)۔ مؤلف کہتا ہے اسی کے مطابق ایک حکایت
شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ نے بوستان میں نقل فرمائی ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ ایک عارف کو
کوچہ میں گذرتے ہوئے ایک گھر کے اندر سے کتے کی آواز سنائی دی۔ دل میں خیال آیا کہ یہاں سے
کتے کی آواز سنائی دینا غیر معمولی بات ہے ذرہ چلکر تو دیکھیں۔ وہ گھر ایک صالح درویش کا تھا۔
گھر میں داخل ہوکر معلوم ہوا کہ کتے کا نام و نشان تک نہیں۔ صرف وہ مرد صالح ایک کونے میں بیٹھا ہے
اس لئے وہ عارف لوٹنے لگا اور شرم کی وجہ سے یہ نہ کہہ سکا کہ میں اس مطلب کے لئے گھر میں
داخل ہوا تھا۔ اس مرد صالح نے کہا کہ کیوں کھسیانے سے ہوکر واپس لوٹنے لگے ہو۔ جو آواز
تمنے سُنی وہ میری تھی۔ میں نے دیکھا کہ حق تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے اور وہ اسکی قدر کرتا ہے تو
میں نے کتے کیطرح آواز کرنی شروع کی۔ کیونکہ میرے خیال میں کتے سے بڑھکر اور کوئی چیز
ذلیل اور حقیر نہیں۔ بارگاہ رب العزت میں وہی سرفراز ہوتے ہیں جو اپنے تئیں ہیچ سمجھتے ہیں۔"

بعض اوقات حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جلال و جبروت شاہانہ کے ساتھ تصور میں لاتے اور پھر اس خیال کی تکمیل اسطرح کرتے کہ شکاری کُتّے جو سلاطین کے جلو میں رہا کرتے ہیں مقرر فرماکر دل و جگر جو کتّے کے لئے ایک نہایت مرغوب کھانا ہے زرّین دستر خوان پر چن کر صندل کے تخت پر ان فرضی کتّوں کے سامنے رکھدیتے اور تخت کے آگے دست بستہ کھڑے ہوکر بارگاہِ حق تعالیٰ میں عرض کرتے کہ بار خدایا! یہ کتّے اس میری نیاز کو قبول کریں۔ اور جب انہیں یہ تصور بندھ جاتا کہ ان فرضی کتّوں نے اس دل و جگر پر مُنہ ڈال دیا ہے تو اسپر وجد کرتے۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک کے خیال میں راتیں جاگا کرتے اور ادب سے پانوں پھیلاتے۔ ذکرِ خدا کا شوق آپ پر اسقدر غالب آگیا تھا کہ جنگلوں اور باغوں میں گشت لگاتے ہوئے ہر وقت ذکرِ حق میں مشغول رہتے تھے۔ ایک پرندہ ہے جسکو عام طور پر حق گو کہتے ہیں اور جسکی آواز "حق حق" کے مشابہ ہوتی ہے۔ جب کبھی اس پرندے کی آواز سُنتے تو اسکے سامنے جاکر آپ بھی اسیطرح "حق حق" کہنا شروع کردیتے اور اگر وہ پرندہ خاموش ہوجاتا تب بھی آپ کہے جاتے اور اسطرح مذکورہ بالا پرندے سے سبقت لیجانے اور ذکرِ خدا میں اسپر غالب آنے سے نہایت خوش ہوتے۔

الغرض آپکا تھوڑا سا وقت تعلیم و تعلّم میں صرف ہوتا۔ باقی اکثر وقت یادِ خدا۔ ریاضت و مجاہدہ اور راہِ حق میں مال خرچ کرنے میں صرف ہوتا۔ آپکا راہِ خدا میں خرچ کرنا کئی طرح پر ہوتا۔ مثلاً جو کپڑا میسّر ہوتا وہ دے ڈالتے۔ گھٹنوں کے نیچے تک پاجامہ یا تہبند رکھتے۔ اور راستوں سے چیتھڑے اُٹھالاکر گودڑی بنالیتے جس سے گرمی اور سردی کی شدّت سے بچے رہتے۔ حسین خوارزمی نے مثنوی مولانا روم کی شرح میں لکھا ہے کہ اس قسم کی گودڑی خواجہ اویس قرنی علیہ الرحمۃ بنایا کرتے تھے۔ خوراک کا یہ حال تھا کہ جو اچھا اور عمدہ کھانا ہوتا جو تین چار جگہ سے مقرر ہوکر آیا کرتا تھا وہ یتیموں اور مسکینوں کو دے کر خود روکھی سوکھی روٹی پر اکتفا کر لیتے۔ اس تمام کھانے کا ثواب کھانا دینے والے کو بخشتے۔ القصّہ ہر طرح سے مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہتے۔ چودہ سال تک تحصیل علم کرتے رہے۔ اس اثنا میں نذر اور کسب کے ذریعے سے برابر دو روپیہ یومیہ کی آمدنی آپ کو ہوتی رہی۔ لیکن ڈھائی پیسے روزانہ سے زیادہ اپنے لئے کبھی

دام
خرچ نہیں فرمایا۔ باقی سب راہ خدا میں صرف ہوا۔ طبیعت مبارک کی خواہش کے مطابق کبھی ایک
کے بھُنے ہوئے چنے لیلیا کرتے اور بعض اوقات ایک دام کی شکر خرید لیتے اور پھر چند دنوں تک
آپ کی یہ غذا رہتی۔ آپ کی آمدنی کی مختلف صورتیں تھیں۔ کچھ تو لوگ نذر نیاز دیتے کچھ کسب کے
ذریعہ حاصل کرتے۔ بعض لوگ انکے قصہّ کہانی کے مشتاق رہتے انکو قصہ کہانی سُناکر کچھ وصول
کرلیا کرتے۔ بعض اوباش ازراہِ تمسخر آپ سے رقص اور اوچھل کود کی استدعا کرتے تو آپ کو انکی
خواہش پوری کرنے سے بھی انکار نہیں ہوا کرتا تھا۔ اور جو کچھ ان سے اسکا معاوضہ لیتے
اسکو راہِ خدا میں صرف کرکے اسکا ثواب اور نیز اپنی رنج و محنت کا ثواب ان لوگوں کو بخشدیا کرتے
اس قسم کی وضع اختیار کرنے میں بڑے بڑے فائدے ہوتے ہیں جو صاحب طبع سلیم سے
پوشیدہ نہیں۔ شیخ ابوبکر شبلی اور دوسرے اولیاء کرام کو کئی قسم کی سختیاں برداشت کرنی
پڑی ہیں۔ اگر تفصیل چاہیں تو ان کے احوال میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں انکا مطالعہ کریں۔
الغرض آپکے یہ حالات آپ کی شہرت کا باعث ہوئے۔ ایک دن کا ذکر ہے
کہ آپکے اوستاد محمد جمیل نے از روئے عقیدتمندی شیخ محب اللہ الہ آبادی کی خدمت میں
جانے کا قصد کیا۔ اور اسلئے اپنے درس کی کتابیں اپنے شاگردوں کو سپرد کرنے لگے۔ آپ کو خبر
ہوئی تو آپنے فرمایا کہ مرید بننے کے لئے بھی لیاقت چاہیئے۔ جبتک لیاقت مریدی کی نہ ہو اسکا
قصد رکھنا غلط ہے۔ اوستاد نے کہا لیاقت کس قسم کی ہو۔ اور وہ کس طرح حاصل ہو سکتی ہے آپنے
فرمایا تم مجھ سے تربیت چاہتے ہو۔ میں خود کسی دوسری جگہ تربیت حاصل کرونگا۔ مؤلف کہتا ہے
ممکن ہے اسکے یہ معنے ہوں کہ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ تو میرے پاس موجود ہے لیکن اس سے
بڑھکر جس چیز کا میں خواہاں ہوں اور جسکی مجھکو ضرورت ہے وہ میں دوسری جگہ سے حاصل کرونگا
دوسری جگہ سے مراد حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب والا ہے۔ آپنے فرمایا سب سے
پہلے قوتّ غضبیہّ کی اصلاح کرنی چاہیئے جس سے مختلف ضرر اور نقصان پیدا ہوتے ہیں۔ اکثر
اوقات انسان کو اپنے سے چھوٹے پر مثلاً بیوی۔ بچہ۔ غلام۔ نوکر چاکر۔ شاگرد۔ مرید اور خدمتگار پر
یکایک غصہ آجاتا ہے اسکو دبانا چاہیئے۔ چنانچہ میں آپ کا شاگرد ہوں۔ اگر کسی وقت سخت کلامی
کر بیٹھوں یا ہاتھ پھیلا کر آپ کے سر سے دستار اُتار لوں تو آپ فوراً غصہ سے بھڑک اُٹھینگے۔

لیکن آپ کو چاہئے کہ اسکے ضبط کرنے اور تحمل سے کام لینے میں سعی بلیغ کریں۔ چونکہ اوستاد ایک نیک باطن شخص تھا اور اسکے لئے علم تصوف سے بہرہ ور ہونا مقدر تھا ان پاکیزہ پر اسرار الفاظ نے اسکے دل پر بڑا اثر کیا۔ ایک دن درس دینے کی حالت میں آپنے اس اُستاد سے سخت کلامی کی اور ہاتھ پھیلا کر اسکے سر سے دستار اُتار دی۔ اُستاد کو سخت غصہ آیا اور اس حرکت کا انتقام لینے کا ارادہ کیا لیکن آپنے فوراً کہدیا کہ خبردار رہنا چاہئے فقیری جاتی ہے گی" اس فقرہ نے اُستاد کے دل پہ ایک غیر معمولی اثر ڈالا اور اس کا غصہ بالکل کافور ہو گیا۔ چھ مہینہ تک یہی حالت رہی۔ آپ خواہ مخواہ اسکو جوش دلاتے لیکن وہ حسب تلقین ضبط اور تحمل سے کام لیتا بعض اوقات آپ اسکے کندھے پر سوار ہو کر اسکو گھونسے لگایا کرتے تھے۔ ایک دن اُستاد نے پوچھا کہ اب تو غصہ باقی نہیں رہا۔ آپنے فرمایا نہیں۔ اُستاد نے کہا اب کیا کرنا چاہئے آپنے فرمایا میں نے کسی پیر و مرشد سے مجاہدہ کی تعلیم حاصل نہیں کی لیکن بات یہ ہے کہ طالب صادق کی نظر میں تمام عالم ایک مرشد رہبر کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک عقلمند کا قول ہے ؎

چشمے داری و عالمے در نظرت ۔۔۔ دیگر چہ معلم چہ کتابت باید

(چشم بصیرت کھلی ہے اور صحیفۂ کائنات پیش نظر ہے۔ دوسرے کونسے معلم یا کتاب کی ضرورت ہے) میں نے مجاہدہ کے بعض طریقے عورتوں سے اخذ کئے ہیں۔ مثلاً جس عورت کا چھوٹا سا بچہ ہو وہ غلبۂ محبت کی وجہ سے لذیذ کھانا نہیں کھا سکتی۔ ہر چند وہ چاہتی ہے کہ میں کھاؤں لیکن وہ کھانا اسکے گلے سے نیچے نہیں اُترتا۔ اسکا باعث وہی بچے کی محبت ہوتی ہے۔ اسلئے تم طالبانِ حق کو چاہئے کہ محض اسکی خوشنودی کے لئے لذیذ کھانا ترک کر دو۔ اگر حق تعالیٰ کی محبت بالفعل موجود نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کوشش کرنی چاہئے کہ یہ محبت حاصل ہو۔ ہمیشہ کی کوشش سے آخر کار کامیابی ہو گی۔ مؤلف کہتا ہے۔ اگرچہ اسطرح کا مجاہدہ کرنا (یعنی لذیذ کھانے کو ترک کر دینا) اس شخص کے لئے چنداں دشوار نہیں جسکا نفس مطمئنہ ہو چکا ہے لیکن جو لوگ ابھی مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہیں انکے لئے یہ بات سخت دشوار ہے۔ اگر اسکا امتحان کرنا چاہتے ہو تو اسوقت جبکہ تم بھوکے ہو ایک لذیذ کھانا جو تمہارے سامنے دھرا ہو اُٹھا کر کسی مسکین کو دیدو پھر دیکھو کہ نفس اور شیطان کیا اودھم مچاتے ہیں۔ اور کسقدر سنگ راہ ہوتے ہیں اسکی حقیقت

وہی لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جنکی دیدۂ بصیرت کو خدا نے اس حدیث کے مضمون سے منور کیا ہو کہ اذا اراد اللہ بعبدٍ خیراً بصرہ بعیوب نفسہ جب خدا کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسکو اپنے عیوب پر مطلع کر دیتا ہے۔ اُستاد نے اسی طرح مجاہدہ کی مشق جاری رکھی اور نہایت عجز اور مسکنت سے زندگی بسر کرنی شروع کی۔

اتفاقاً اسی اثنا میں اسکی بیوی کا انتقال ہوگیا اور اس نے دوسری شادی کرلی۔ ایک دن اس دوسری بیوی کے بھائی نے اپنی بہن سے خفا ہوکر اسکے شوہر کو بھی ناگفتنی سنائیں۔ اُستاد کو یہ باتیں سُنکر ملال ہوا۔ لیکن بظاہر کچھ نہ کہا حضرت مرشد کو صفائی باطن سے معلوم ہوگیا کہ اسکا نفس مجاہدہ کی ذلت سے گریز کرنا چاہتا ہے اور اسلئے اُستاد کے لئے سخت تکلیف کا موجب ہو رہا ہے آپنے ان کو از سر نو تاکید کی اور فرمایا کہ طلب مولیٰ میں لوگوں کے طعن و تشنیع کا سہنا ضروری ہے۔ ایک دن اُستاد مذکور کی بیوی نے اپنی ساس سے تیل اور آئینہ طلب کیا۔ اس نے درشتی سے جواب دیا۔ اور کہا کہ تمہارے شوہر نے کونسی انوکھی قابلیت حاصل کرلی ہے کہ تم اُسکی بیوی ہوکر ہم سے فرمائشیں منوانا چاہتی ہو۔ وہ تو ہمارے کام سے بیکار ہوگیا۔ اب تمہیں کیا حق حاصل ہے کہ ہم سے کبھی کچھ مانگتی ہو اور کبھی کچھ۔ اُستاد کی بیوی نے آب دیدہ ہوکر اپنے شوہر سے یہ ماجرا بیان کیا اور اس نے مرشد سے عرض کیا۔ اس حکیم معنوی نے ارادہ فرمایا کہ اسباب کی رعایت سے اسکی ملال اور اضطراب کو دفع کریں۔ یہ ایک کھلی بات ہے کہ اولیاء اللہ روحانی طبیب ہیں۔ طبیب ظاہری کی طرح وہ بھی ہر ایک شخص کے مزاج کے موافق اسکا علاج کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر کبھی کسی سے تنگ حوصلگی ظاہر ہو تو اس حدیث پر عمل کرتے ہیں کہ الدنیا جیفۃ و طالبھا کلاب (دنیا ایک مردار کی مانند ہے جسکی طلب کرنیوالے کتے ہیں) اور بعض ارادتمندوں کی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی ملاحظہ فرماکر اس حدیث کو اپنا دستور العمل ٹھہراتے ہیں کہ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ (دنیا آخرت کے لئے بمنزلہ ایک کھیتی کے ہے) اس مقبول ضرب المثل کے مطابق کہ کل اناءٍ یترشح بما فیہ (ہر ایک برتن سے وہی ٹپکیگا جو اُسکے اندر ہے) ہر ایک شخص کی اپنی استعداد اسکی سعادت یا شقاوت کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً شراب کو پی کر بے ہوش اور بھی بیہوش ہوجاتا ہے لیکن ہوشمند اور زیادہ باہوش۔ اسی کے موافق کسی عقلمند کا قول ہے۔

۵ در دلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق شود    بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

(ہمارے دل میں دنیا کا غم معشوق کے غم سے مبدل ہوجاتا ہے۔ شراب اگر خام بھی ہے تو ہمارے شیشہ میں پڑکر وہ پختہ ہوجاتی ہے)۔ آپنے فرمایا آؤ بنارس کو چلیں اور تمہارے لئے پیری مریدی کی دوکان کھول دیں۔ ممکن ہے کہ یہ بات آپ کو کشف سے معلوم ہوئی ہو۔ اور ممکن ہے کہ اپنی عقل رسا سے اُنہوں نے یہ تجویز نکالی ہو۔ بہرکیف جب آپنے بنارس جانے کا قصد فرمایا تو اُستاد کے بارہ شاگرد بھی آپکے ساتھ چلنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپنے ان سے صاف کہدیا کہ ہم تو ریاضت اور مجاہدہ کے لئے جاتے ہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں تکلیف ہو۔ اُنہوں نے ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی اور روانہ ہوئے۔ بنارس میں پہونچکر آپنے فرمایا کہ ہندؤں کے مندر میں اُتریں گے۔ کیونکہ جب ہم اذان کہکر نماز پڑہیں گے تو اس سے ہندو بگڑینگے اور یہی امر ہماری شہرت کا باعث ہوگا۔ جب اذان دیگئی تو وہاں کے پوجاریوں نے شہر کے حاکم سے جو ہندو تھا جا کر فریاد کی۔ حاکم نے اُنکو گرفتار کر کے حاضر کئے جانے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے حسب دستور وہاں جاکر دور سے غصّہ آمیز شور کیا۔ آپنے جو حکیم باطن تھے آگے بڑھ کر روٹی اور کچھ مٹھائی جو اُسوقت آپکے ہاتھ میں تھی اُنکو دے کر بلند آواز سے فرمایا کہ مرد آدمی یہ لو کھاؤ۔ وہ لوگ فوراً واپس چلے گئے اور کہنے لگے کہ ان فریبی کافروں کو مارو۔ آپ خود جلدی سے واپس آگئے۔ یہ حالت دیکھ کر جماعت نے تعجب و تبسّم کیا۔ اور اُس جگہ کے لوگوں سے سلوک کر کے وہیں قیام کیا۔

ایک دن تنگی معاش کی وجہ سے اُستاد کا کمربند بیچنے کے لئے بازار میں چلے جاتے تھے۔ راستہ میں شیخ حسن نامی وہاں کے ایک سجادہ نشین سے ملاقات ہوئی جس نے اسی دن عرس کا اہتمام کیا تھا سواری پر جارہا تھا۔ جب شیخ مذکور کی نظر آپ کے چہرہ پر پڑی تو آپکے کمال وجاہت سے متأثر ہوا اور حقیقتِ حال دریافت کی۔ آپنے فرمایا خدا کا بندہ ہوں تنگدست اور محتاج ہوں۔ تنگی معاش کی وجہ سے تکلیف میں ہوں۔ شیخ نے کہا آج ہمارے ہاں عرس ہے قبول فرمائیے آپنے فرمایا میں اکیلا نہیں۔ ایک اُستاد اور بارہ شاگرد میرے ساتھ ہیں۔ شیخ نے کہا وہ بھی چلے آئیں۔ چنانچہ ان کو بھی طلب کر لیا گیا۔ دعوت میں اُستاد تشریف لیگئے۔ اسی اثنا میں سماع کی مجلس گرم ہوئی۔ آپنے چپکے سے اُستاد سے فرمایا کہ میں جھوٹ موٹ متأثر ہونا اور رونا

شروع کرتا ہوں شاید اسطرح کچھ ملجائے ۔ اُستاد نے کہا آپ کا اختیار ہے ۔ آپنے کھڑے ہو کر
اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا اور رونا شروع کیا لیکن جو فعل ایک شخص کامل سے صادر ہو وہ اگرچہ تکلف اور
تصنّع پر مبنی ہو تب بھی اسکا اثر دل تک پہونچتا ہے ۔ ممکن ہے کہ اس جھوٹ موٹ کے لفظ سے
مجازی معنے مراد ہوں یا حقیقی ۔ خواہ کچھ ہو بہرکیف ممکن ہے کہ یہ ملامت کے ارادہ سے کیا ہو واللہ علم
الغرض اس رونے کا حاضرین پر بہت اثر ہوا ۔ اور تمام اہل مجلس رونے لگے ؎

کفر گیرد کاملے ملّت شود
ہر چہ گیرد علّتی علّت شود

( جسکے باطن میں خرابی ہے وہ جو فعل بھی کرے علّت سے خالی نہیں ہوتا ۔ لیکن ایک کامل
شخص اگر کفر بھی اختیار کرے تو وہ مذہب کا ایک جزو ہو جاتا ہے ) اس مجلس میں بادشاہ کا دیوان
شیخ سلیم نام ایک شخص موجود تھا ۔ اس نے یہ حالت دیکھکر بیس روپے نذر کئے ۔ آپنے اُستاد کے
حوالے کئے ۔ اُستاد نے اُنکی طرف واپس کر دئے ۔ وہ شخص شرمندہ سا ہو گیا اور اُس نے یہ کہنا
شروع کیا کہ ہم نے بہت سے اس قسم کے مکار اور فریب کار دیکھے ہیں ۔ آپنے فرمایا اچھا ۔ دوسری
مرتبہ مجلس گرم ہوئی تو آپنے پھر اسی طرح رونا شروع کیا ۔ جو فی الجملہ بظاہر تکلف سے خالی نہیں تھا
اس سے بھی وہی اثر نمودار ہوا ۔ اس شخص نے دس کا اضافہ کر کے تیس روپے نذر کئے جنکا وہی
حشر ہوا ۔ چونکہ اہل دنیا بوجہ اپنی شان کے اسطرح دی ہوئی چیز کے واپس کرنے کو برا مانتے ہیں
اسلئے وہ شخص پھر شرمندہ سا ہو گیا اور خیال کیا کہ یہ ردّ و قبول صرف ایک دامِ فریب ہے ۔ چنانچہ اس نے
کہدیا کہ اسطرح کے مکار اور فریب کار لوگ ہم نے بہت دیکھے ہیں ۔ آپنے فرمایا اچھا ۔ تیسری مرتبہ
جب پھر اسیطرح کی حالت رونما ہوئی اور اہل مجلس میں ایک اثر پیدا ہو تو اس شخص نے اپنے اگلے
قول کے خلاف دس کا اضافہ کر کے چالیس نذر کئے جنسے وہی پہلا سلوک کیا گیا ۔ وہ شخص غصہ
ہو گیا اور پالکی میں سوار ہو کر گھر کو چلا گیا ۔ آپنے اُستاد سے فرمایا ۔ اگر آپ کی مرضی ہے تو یہ روپے
واپس لاؤں ۔ اُستاد نے کہا آپکا اختیار ہے ۔ آپ اس شخص کے پیچھے چلے گئے ۔ وہ آپ کو
دیکھکر تعظیماً پالکی سے اُتر پڑا ۔ اور عرض کیا کہ ارشاد ؟ آپنے فرمایا جو روپے تم دیا چاہتے تھے
وہ لاؤ ۔ اس نے عرض کیا پہلے اُنکے نامنظور کرنے کا کیا باعث تھا ۔ آپنے فرمایا ہمنے سمجھا کہ
اسیطرح دس دس کا اضافہ ہوتے ہوتے پچاس ساٹھ تک نوبت پہونچیگی تو پھر ہم لے لیں گے ۔

اس نے مسکرا کر دس کا اضافہ کیا اور پچاس روپے خدمت میں نذر کیئے۔ آپنے بارہ روپے بارہ شاگردوں کو مرحمت فرمائے اور بقیہ روپے اُستاد کے حوالے کیئے۔

اسطرح رفتہ رفتہ اُستاد کی مشیخت کا آوازہ تمام اطراف وجوانب میں پھیل گیا۔ وہاں کے حاکم نے ایک گانوں بطور جاگیر پیش کیا جسکی آمدنی نو ہزار چار سو روپے سالانہ کے قریب تھی اُنہوں نے فرمایا ہم جاگیریں حاصل کرنیکے لئے نہیں آئے اور اس بنا پر اس گانوں کو منظور نہ کیا۔ جب اُستاد کے رشتہ داروں اور انکی قوم کو معلوم ہوا کہ اُستاد کی بڑی شہرت ہو گئی ہے اور نذر نیاز خوب آتے ہیں تو اُنہوں نے اُستاد کو فرحت آمیز خطوط لکھکر خوشامد شروع کی وہی لوگ جو ان کو افلاس اور تنگدستی کے باعث طعن وتشنیع کرتے تھے۔ طویل وعریض مدح و ستائش کرنے لگے۔ والدہ اور دیگر اعزہ واقارب نے خط لکھا کہ اگر تم بادشاہ بن جاتے تو ہم اسقدر خوش نہ ہوتے جسقدر کہ ہم تمہارے فقیر بننے سے خوش ہوئے ہیں۔ ہم تمہاری جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتے۔ یا آپ چلے آئیے یا ہمیں وہاں طلب کیجئے۔ جب یہ خط پہونچا تو پیر ومرشد نے فرمایا۔ دیکھا اب جبکہ تمہاری دنیاوی وقعت قائم ہو گئی ہے تو یہ لوگ کسطرح تم پر مائل ہوئے ہیں۔ ایک وہ بھی وقت تھا کہ تمہارے افلاس اور مسکنت کیوجہ سے تمہارے جانی دشمن بنے ہوئے تھے۔ لیکن اب اُنہوں نے اپنے اگلے قول وفعل کو یکدم فراموش کر دیا ہے تعلقاتِ دنیا میں گرفتار اور مرہونِ رسم وعار لوگوں کی یہ کیفیت ہے، خود غرضی اور خود کامی اسکا نام ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ راہِ خدا میں دوسروں کے طعن وتشنیع پر ہرگز کان نہ دھرے۔ تین سو روپے جو نذر ونیاز سے آپکے پاس جمع ہو گئے تھے وہ بھی اُستاد کے حوالے کیئے اور ان کو الہ آباد کیطرف روانہ کیا۔

حضرت خود ڈیڑھ فلوس لے کر جونپور کو تشریف لیگئے۔ کچھ عرصہ تک قصبہ بہلول پور سکونت پذیر ہوئے۔ وہاں کا ایک چودھری جلال الدین نام آپ کا مخلص ہو گیا۔ ایک روز آپ کو تکلیف دی کہ اسکے ساتھ چلکر باغ خربوزہ کی سیر کریں۔ آپنے دریافت فرمایا اسکا رقبہ کسقدر ہے۔ اس نے کہا بارہ بیگہ۔ آپنے فرمایا اگر تین بیگہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح کی نیاز کرو تو میں اس شرط پر تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اس نے کہا میری اتنی توفیق نہیں

یہ کہکر وہ چلا گیا۔ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا۔ بحالت
خواب ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا جو کچھ تمہیں اللہ
شخص کہتا ہے وہ کیوں نہیں کرتے اسکی تعمیل کرو۔ چنانچہ وہ شخص علی الصباح آپ کی خدمت میں
حاضر ہوا اور مقررہ نیاز پیش کی۔ آپنے استفسار فرمایا کہ کل تو انکار کیا تھا آج کیسے راضی ہوگیا۔
اس نے کہا انکار تو میری پست ہمتی اور تقضیہ نفس کا نتیجہ تھا اور آج جو کچھ میں نے کیا وہ محبوب خدا
حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان واجب الاذعان کی تعمیل ہے۔ اسکے بعد تمام
کیفیت بیان کی۔ آپنے غربا اور مساکین کو صلائے عام دی کہ جس شخص کا جی چاہے فلاں
باغ میں جاکر خربوزے کھالے۔ لیکن کوئی شخص اس چودھری کی ہیبت اور خوف سے وہاں نہیں
جاتا تھا۔ آپنے اس سے فرمایا کہ تم خود آواز دو تاکہ لوگ بے خوف ہوکر آئیں۔ جب اس نے خود آواز دی تو
ہر ایک طرف سے غریب اور مسکین جوق درجوق ہوکر آنے لگے۔ آپنے ان سے فرمایا اس باغ کو لوٹ لو۔
جب خربوزے لوٹ لئے تو فرمایا زمین بھی کھود ڈالو۔ زمین کھودی تو کئی اشرفیاں گڑی ہوئی ملیں۔
جنکو آپنے اس شہر کے مشائخ اور اعیان کے پاس بھیجدیا۔ اس واقعہ کے ظہور میں آنے پر اس
شخص کی آپ سے محبت اسقدر بڑھ گئی کہ بسا اوقات کہا کرتا تھا کہ میں اپنے فرزند عزیز کی جدائی گوارا
کرسکتا ہوں لیکن آپ کی مہاجرت کی تاب نہیں لاسکتا۔ اسیطرح اکثر لوگوں کو آپ سے نہایت
عقیدت اور اخلاص تھا۔ آپ وہاں سیدن رسول نما کے نام سے مشہور تھے۔ ایک مرتبہ کا
ذکر ہے کہ جلال الدین مذکور اس شہر کے حاکم اعلیٰ کو بھی آپ کی زیارت کے لئے ساتھ لیتے آیا۔
باوجودیکہ آپ اسوقت گودڑی پہنے ہوئے تھے لیکن حاکم پر آپکے دیکھتے ہی اسقدر ہیبت طاری ہوئی
کہ ہکا بکا رہگیا اور کچھ دیر تک کھڑا رہا۔ جلال الدین نے عرض کی کہ اگر ارشاد ہو تو بیٹھ جائیں۔ آپنے
فرمایا۔ کھڑا رہنے دو۔ بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر کتنی دیر کھڑا رہتا ہے۔ یہاں آکر اگر تھوڑی دیر
کھڑا رہا تو کیا ہوا۔ حاکم مذکور نے جلال الدین کو منع کیا کہ کیوں ایسی گستاخی کی۔ پھر آپنے فرمایا کہ جو
کچھ تمہارے پاس ہو دیدو۔ اسوقت اسکے پاس پچاس روپے تھے وہ نذر کردئے۔ جلال الدین نے
شاید اس خیال سے کہ آپ طمع سے مبرا ہیں کہا کہ یہ نذر قبول نہ فرمائیں گے۔ لیکن آپنے اس کو
بے جا دخل دینے سے منع فرمایا۔

مؤلف کہتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اولیاء اللہ کی مراد و مقصود کی نوعیت سے بیخبر تھا وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اِن بزرگواروں کا ہر ایک فعل خالصًا لِلّٰہ ہوا کرتا ہے۔ نفسانی خواہشیں اور شیطانی کدورتیں ان کے دل میں نفوذ نہیں کر سکتیں لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ (وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے) ان کے حال کی ترجمان ہے۔ وہ کسیکی طعن و تشنیع کی ذرہ بھی پروانہیں کرتے۔ اسلئے جس شخص کے صاحب کمال ہونے کا یقین ہوجائے اگر اس سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جو بظاہر اچھا معلوم نہیں ہوتا تب بھی انکار سے نہیں پیش آنا چاہیئے لیکن اس فعل کو ایک حجت قرار دے کر اسکی تقلید بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ اولیاء کرام روحانی طبیب ہیں۔ اگر کسی وقت بحکمِ ضرورت تریاق کی جگہ زہر بھی استعمال کریں تو انکو گزند نہیں پہونچتا۔ لیکن اگر کوئی دوسرا خام کار انکی تقلید کرکے زہر کھانے کا ارتکاب کر بیٹھے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے تئیں ہلاک کرنے کا باعث ہوگا۔ اسی بناء پر شرح گلشن راز میں مجذوب فقراء کے حق میں لکھا ہے کہ (لاینکر علیہم ولا یقتدی بھم (نہ تو ان کے افعال پر اعتراض کرنا چاہیئے اور نہ ان کے فعل کو حجت ٹھہرا کر ان کی اس قسم کے افعال میں اقتدا کرنی چاہیئے

الغرض آپنے کچھ دیر بعد اس حاکم کو رخصت کیا۔ جلال الدین نے اس حاکم کیطرف سے سوال عرض کیا کہ اس میں کیا بھید ہے کہ خواب کی حالت میں باوجود آنکھوں کے بند رہنے اور حواس کے معطل ہونے کے بہت سے عجائبات نظر آتے ہیں۔ آپنے فرمایا یہ ایک دقیق اور مشکل مسئلہ ہے۔ کشف کے بغیر انسان اسکی حقیقت پر حاوی نہیں ہوسکتا۔ اس سے کہدو کہ اس جاہ و منصب کو خیرباد کہدے۔ اپنا مال و دولت غریبوں مسکینوں میں لٹادے۔ چھ ماہ تک تنور گرم کرنے کا مزدور بنے اور اسکے لئے کوڑا کرکٹ اکٹھا کرنے کی ذلت گوارا کرے۔ اسکے بعد اسکی چشم حقیقت بین کھل کر سارا راز طشت از بام ہوجائیگا۔ امیر نے کہا یہ تو نہایت مشکل ریاضت ہے کوئی سہل ترکیب بتائیں۔ آپنے فرمایا ہر ایک مرض کے لئے ایک مخصوص علاج مقرر ہے۔ دنیاوی تعلقات نے آئینہ دل پر زنگ کی ایک موٹی تہ چڑھا دی ہے۔ جبتک تذلیل نفس اور ترک تعلقات کے صیقل سے اس زنگ کو دور نہ کیا جائے حقائق غیبیہ کی صورت اس میں جلوہ گر نہیں ہوسکتی تمنے اپنے اعزہ و اقارب سے کسی شخص کو حالتِ نزع میں دیکھا ہوگا کہ جب اسکی آنکھیں اس عالم کے

دیکھنے سے بند ہو جاتی ہیں اور اسپر ایک غشی کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے تو اس حالت میں
اس کو عالم آخرت کے عجیب و غریب احوال دکھائی دینے لگتے ہیں۔ جو لوگ اس سے پہلے
مر چکے ہیں انکا حال حاضرین مجلس کو سناتا ہے۔ کسیکو بلاتا ہے کسیکو کوئی چیز دیتا ہے
وعلےٰ ہذا القیاس۔ اس کشف غیوب کا تمامتر باعث یہ ہے کہ اس حالت میں دنیا سے اسکا
تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ اور جو اوہام وخیالات اس عالم میں اسکے دامنگیر رہتے ہیں وہ زائل
ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ قریب مرگ ہوتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ مجھکو تھوڑی دیر میں اس
عالم کو خیرباد کہنا ہے اور حواس کا تعلق بھی اپنے محسوسات سے منقطع ہونے لگتا ہے
مثلاً آنکھ کی بینائی۔ کان کا سننا وغیرہ مفقود ہونا شروع ہوتا ہے۔ اس انقطاع تعلق اور انقطاع
حواس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عالم غیب کے حقائق اسکے آئینۂ روح میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ مؤلف
کہتا ہے کیمیائے سعادت میں لکھا ہے کہ روح انسان کی مثال ایک آئینہ کے ہے جس میں
ہر وقت عالم غیب کے حقائق کو مشاہدہ کیا جاسکتا ہے لیکن تعلقات دنیا اس آئینہ کو زنگ آلود
بنا دیتے ہیں اور اسلئے وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ اگر تعلقات منقطع ہوں تو فوراً صور غیبیہ نظر
آنے لگیں۔ امیر مذکور نے کہا ممکن ہے کہ باوجود اس تمام ذلت برداشت کرنے اور تعلق قطع
کرنے کے بھی مقصود حاصل نہ ہو تو دین و دنیا کو کھو بیٹھیں گے۔ آپنے فرمایا۔ میں اسبات کا ضامن
ہوں اگر کامیابی نہ ہو تو جو تمہارا جی چاہے مجھکو کہہ لو۔ اس نے کہا اگر کامیابی نہ ہو تو تمکو کچھ
کہنے سنانے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ الغرض چونکہ توفیق ازلی اس کی مؤید نہیں تھی محروم رہا

مولانا عبد الرشید جونپوری۔ جو علوم ظاہر و باطن میں یکتائے روزگار اور بڑے باکمال
بزرگوار تھے۔ آپکے استاد تھے۔ ایک دن اپنے مریدوں کو ایک ذکر کی تلقین کرکے فرمارہے تھے
کہ اس ذکر میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے وہ حجبی زائل ہو جاتی ہے جو دل کے اطراف میں جمع
ہو گئی ہو۔ اور جس سے دل پر کدورت چھا گئی ہو۔ آپنے فرمایا مجھکو ایک ترکیب یاد ہے
اگر کوئی شخص چالیس دن تک اسپر عملدرآمد کرے تو کامل صفائی ضمیر کی حاصل ہوسکتی ہے اور
وہ یہ ہے سالک کو چاہیئے کہ شہر میں کوئی ایسا گھر ڈھونڈے جہاں کوئی نوجوان مرا ہو اور اسکے
اعزہ واقارب اسکی موت پر روتے پیٹتے ہوں۔ اس گھر کے قریب رات بھر رہے۔ تھوڑی دیر میں رقت کی

ہیبت اسکے دل پر چھا جائیگی اور غفلت بالکل کافور ہو جائے گی۔ مولانا موصوف اگرچہ بظاہر آپکے استاد تھے لیکن درحقیقت علم طریقت میں آپکے شاگرد تھے۔ اس طبیب ارواح کی یہ نرالی ترکیب سنکے متعجب ہوئے اور اسکی تعریف کی۔ سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بڑی ریاضت ہے۔

ایک دن کسی نے آپکے ایک اُستاد کو جسکی طبیعت علم تصوف کیطرف مائل تھی یہ کہا کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کے ناک کو کاٹ ڈالا۔ اُستاد نے کہا ایک خدا نے دوسرے خدا کا ناک کاٹ ڈالا۔ آپنے یہ کلمہ سُنکر استغفار کیا اور فرمایا جو علم ہمنے یہاں آکر حاصل کیا ہمنے ہمارے اگلے علم کو بھی برباد کر دیا۔ اگر علم کھانے کیطرح کوئی چیز ہوتی تو میں قے کرکے اسکو باہر پھینکدیتا۔ خدائے پاک سے شرم کرنا چاہئے۔ اور ایسی فضول باتیں نہیں کرنا چاہئیں جو شرع کی حدود سے خارج ہوں۔ اس قسم کے کلمات کو زبان پر لانے سے سخت ضرر پیدا ہوتا ہے۔ اُستاد نے کہا میں حق بات کو نہیں چھپا سکتا۔ آپنے فرمایا بعض باتیں اگرچہ سچی اور مطابق حقیقت ہوتی ہیں لیکن پھر بھی ان کو زبان پر نہیں لا سکتے۔ مثلاً ایک شخص اپنی لڑکی دوسرے کو بیاہ دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص اس سے ہمبستر ہوتا ہے لیکن یہ کسقدر بیحیائی ہوگی کہ کوئی شخص اس سے اسکے داماد کے ہمبستر ہونے کی کیفیت دریافت کرے۔ یقیناً وہ اس سائل کے درپئے ایذا ہوگا۔ اسیطرح ان باتوں کو بھی زبان پر نہیں لانا چاہئے اور حدود شرع کی دل و جان سے رعایت کرنی چاہئے۔ کلموا الناس علی قدر عقولھم (لوگوں سے انکی عقل کے موافق گفت گو کرو) پر عمل کرنا لازم ہے۔ اُستاد نے پھر کہا کہ ہم تو کلمہ حق کے کہنے سے اپنے تئیں نہیں روک سکتے۔ آپنے فرمایا تمہارا چہرہ حق گویوں کی طرح نہیں۔ بعض طالبعلموں نے جو اس مجلس میں موجود تھے اُستاد کی خاطر داری کے لئے کہنا شروع کیا کہ بے شک مولانا صاحب کا طریقہ نہیں ہے کہ حق بات کو چھپایا جائے خواہ کچھ ہو۔ جو کچھ ہوگا سب حق حق ظاہر کر دینگے آپنے فرمایا تم میں اور اُستاد میں حق بات کہنے کا ہرگز حوصلہ نہیں۔ اسی وقت میں اگر تم سے ایک سچی بات پوچھوں تو تم لوگ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ اُستاد نے کہا جو سچ بات ہوگی اسکے کہنے میں ہمیں ہرگز تامّل نہیں ہوگا۔ جب اُنہوں نے بہت تاکید کی تو آپنے فرمایا تم لوگ مجھکو مجبور کرتے ہو ورنہ میں تو نہیں کہنا چاہتا۔ اب فرمائیے کہ آپ اپنی بیوی کا حال تبلائیے کہ

کیا ہے اسکی شرمگاہ پر کتنے خال ہیں۔ اسکے سنتے ہی انکا رنگ سرخ ہوگیا اور گالی گلوچ پر اتر آئے
آپ نے فرمایا اپنے حق میں تم ایک کلمہ سننا نہیں چاہتے لیکن ایسی باتوں میں جنکی حقیقت کا
تمہیں علم بھی نہیں خواہ مخواہ ہر حق سبحانہ وتعالیٰ کی شان میں گستاخانہ کلمات زبان پر لاتے
ہو۔ استاد اپنی حرکت پر نادم ہوا اور آپ کے اس کہنے سے متاثر ہوگیا۔ چونکہ علم باطن کو
علم ظاہر پر فضیلت ہے، اسلئے شاید ترک ادب کا کچھ لحاظ نہیں کیا اور استاد مذکور کی ناشائستہ
حرکت پر فوراً اعتراض فرمایا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو نصیحت فرمائی جو مبتلائے حسن پرستی
ہیں اور بیگانہ نامحرم عورتوں کو دیکھتے پھرتے ہیں۔ انہوں نے عذر کیا کہ ہم از راہِ حقیقت
و معرفت یہ نظر بازی کرتے ہیں۔ آپنے فرمایا عجب حقیقت اور معرفت ہے کہ اپنی بیویوں کو
گھر میں بٹھا کر لوگوں کو تو حصولِ معرفت سے محروم کر رکھا ہے لیکن خود حصول معرفت میں
سرگرم ہیں۔ اگر کوئی شخص تمہاری بیوی یا لڑکی یا بیٹے یا بھائی کو تاڑ کر دیکھے تو شدت
غضب سے آگ بگولا ہو جاؤ لیکن اوروں کو دیکھتے پھرنے سے شرم نہیں آتی۔ اور اسپر طرہ
یہ کہ حصول معرفت کا بہانہ! اس جماعت میں سے کسی نے یہ شعر پڑھ دیا ؎

نظر کردن بخوباں گر حرام است | بگو اے مدعی طاعت کدام است

(اگر خوبصورتوں کے چہرہ زیبا پر نظر کرنا حرام ہے تو پھر اے جھوٹا دعویٰ باندھنے والے تم خود کہدو
کہ عبادت کس جانور کا نام ہے؟) آپنے فرمایا تمنے اس شعر کا مطلب نہیں سمجھا۔ نظر کے معنے
امید کے ہیں اور خوباں سے مراد خدا اور رسول ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ خدا رسول سے
امید رکھنا عبادت ہے۔ ایک دوسرے کٹھ حجت نے کہا۔ ایک عورت ہے جسکو شوہر نہیں ملتا
جماع کے لئے ہمیشہ اسکا دل پریشان رہتا ہے وہ عورت ایک شخص سے اپنا درد دل ظاہر
کرکے رفع تکلیف کی خواستگار ہوتی ہے۔ اب اگر یہ شخص اسکی آرزو کو پورا نہیں کرے گا تو وہ شکستہ دل
ہوگی اور یہ گناہ ہے۔ آپنے کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم کے زرین اصول پر عمل کرکے
اسکے مذاق کے مطابق یہ جواب دیا کہ اگر کوئی شخص اس مرتبہ تک پہونچا ہے کہ وہ کسیکا دل شکستہ
ہونا گوارا نہیں کرسکتا تو یہ صورت بالکل ممکن ہے کہ جب کوئی عورت آکر اس سے اپنی خواہش کرنیکیلئے

التماس کرے اور وہ اسکی آرزو پوری پوری کرنے میں ساعی ہو کہ عین اسی حالت میں ایک خراسانی مُغل تشنۂ لواطت آحاضر ہوا اور پیچھے سے اسکے ساتھ لواطت کرنا شروع کر دیا اور چونکہ وہ کسیکی دل شکستگی روا نہیں رکھتا اسلئے ضروری ہے کہ وہ اسکو اس فعل سے منع نہیں کرے گا۔ یہ جواب سنکر وہ سخت نادم ہوا۔

ایک شخص نے حسب اقتضائے مثل مشہور "کل اناء یترشح بما فیہ" ایک لونڈے کو آپ پر مسلط کر دیا کہ ہر وقت آپ کے پاس جا کر ان سے چھیڑ چھاڑ کرے۔ آپنے اسکا مطلب سمجھ لیا کہ یہ بدنام کرنا اور الزام دینا چاہتا ہے۔ آپنے اس لونڈے سے کہدیا کہ مَیں تیرا عاشق ہوں۔ جب وہ ملتا تو اسکو سلام کرتے اور رومال سے اسکا چہرہ پونچھتے۔ لوگوں میں اسبات کا چرچا ہو گیا کہ فلاں شخص فلاں پر عاشق ہے۔ تمام بدخواہ خوش ہو کر بغلیں بجانے لگے اور اتفاق کیا کہ فلاں دن ملّا شمس کی خانقاہ میں مجلسِ رقص و سرود ہے وہاں جمع ہو کر اسکو خوب الزام دینگے۔ روز مقررہ پر تمام لوگ جمع ہو گئے۔ دوسری منزل میں مجلس قرار پائی اور بھری مجلس میں ان بدخواہوں نے اس لونڈے کو سمجھا بجھا کر آپکے پاس بھیجا اور اس نے حاضر ہو کر کہا کہ کیا تم مجھ پر عاشق ہو؟ آپنے فرمایا ہاں مَیں عاشق ہوں۔ اس نے کہا۔ پس جو کچھ میں کہوں تم کروگے؟ آپنے فرمایا۔ یہ ممکن ہے کہ عاشق اپنے معشوق کا فرمودہ بجا نہ لائے۔ اس نے کہا مَیں کہتا ہوں کہ تم اپنے تئیں اس چھت سے گرا دو۔ آپنے فرمایا اگر معشوق حکم کرے تو مَیں فوراً اسکی تعمیل کروں اس نے کہا تم عاشق ہو یا نہیں۔ آپنے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا سچا یا جھوٹا۔ آپنے فرمایا۔ سچا۔ اس نے کہا جو کچھ میں کہوں تم کروگے؟ آپنے فرمایا یہ ممکن ہے کہ عاشق اپنے معشوق کا فرمودہ بجا نہ لائے؟ اس نے کہا میں کہتا ہوں کہ تم اپنے تئیں اس چھت سے گرا دو آپنے فرمایا اگر معشوق کہدے تو میں فوراً تعمیل کروں۔ تمام بدخواہوں نے جو طالب العلم تھے عناد کے طور پر آپ سے جھڑک کر کہا کہ تم عقل رکھتے ہو کہ نہیں۔ تم خود کہتے ہو کہ مَیں اسپر عاشق ہوں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ آپنے فرمایا درست ہے۔ ان طالب علموں نے کہا تو جو کچھ وہ کہے کروگے کہ نہیں؟ پھر آپنے فرمایا۔ یہ ممکن ہے کہ عاشق اپنے معشوق کے فرمودہ کی تعمیل نہ کرے سب نے متفق الکلمہ ہو کر بطور الزام کہا تو پھر اس لونڈے کے حکم کی تعمیل کرو۔ پھر آپنے فرمایا۔

اگر معشوق کہدے تو میں فوراً اپنے تئیں اس چھت سے گرادوں۔ اُنھوں نے غل مچادیا کہ عجب طرح کا بیوقوف آدمی ہے۔ محض چرب زبانی اور چالاکی سے کام لے رہا ہے۔ تم خود کہتے ہو کہ میں اس لونڈے پر عاشق ہوں۔ تم سچے عاشق ہو یا جھوٹے؟ آپنے فرمایا۔ سچا۔ اُنھوں نے کہا تو پھر اسکا کہنا کیوں نہیں مانتا؟ آپنے نہایت حیرت اور استعجاب کا اظہار کر کے فرمایا میں اسکی زبان پر عاشق نہیں ہوں۔ میں اسکے رنگ و رخسار پر عاشق ہوں۔ ہر ایک شخص جو عشق مجازی میں مبتلا ہو وہ رنگ و رخسار کا عاشق ہوتا ہے۔ اگر اسکا رنگ و رخسار مجھ سے کہدے کہ اپنے تئیں چھت سے گرادو تو میں فوراً تعمیل کروں۔ تمام اہل علم آپ کی حاضر جوابی اور فراست دیکھکر دنگ رہ گئے۔ بے شک اہلِ باطن سے مقابلہ کر کے کون غالب آ سکتا ہے جنکی پرورش نفوس قدسیہ سے ہوئی ہے۔

اسیطرح ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے متعلقین سے ایک شخص نے ایک لونڈے پر جو اُستاد کا منظورِ نظر تھا عاشقانہ نظر ڈالی۔ مولانا کو خبر ہوئی تو اُنھوں نے سب شاگردوں کو منع کر دیا کہ اس شخص کو سبق نہ پڑھاؤ۔ اس منع کی اطلاع آپ تک پہونچگئی۔ لیکن آپنے تغافل اور چشم پوشی سے کام لیا۔ جب اُستاد نے اپنے شاگردوں کو مکرر تاکید کی تو آپنے فرمایا پہلے ہم آپ سے تعلیم کرنا چھوڑ دیتے ہیں پھر اُسکو تعلیم دینا بھی چھوڑ دینگے۔ مولانا پوچھنے لگے تعلیم چھوڑنے کا کیا باعث ہوا۔ آپنے فرمایا جو بات اس شخص سے سرزد ہوئی ہے جسکے باعث آپنے اسکا سبق پڑھانا بند کر دیا ہے۔ یہی حرکت ہمسے بھی صادر ہوتی ہے۔ اُستاد نے کہا ہم اور وہ برابر ہیں۔ آپنے فرمایا نہیں۔ بلکہ آپ اس سے بدتر ہو۔ کیونکہ آپکا فعل دوسروں کے لئے سند ہے لیکن اسکا فعل ایک ایسا فعل ہے جو دوسروں کے لئے سند نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آپکے فعل کو لوگ اچھا سمجھکر معمول بنا لینگے۔ اِس گفت وگو سے اُستاد کو حقیقتِ حال سمجھ میں آگئی اور آپ کی حُسنِ نصیحت کا اعتراف کیا۔ آپ چودہ سال تک اسطرف مقیم رہے اور اس عرصہ میں ان سے بہت عجائبات احوال اور نصائح ظہور میں آئے۔ لیکن ہم نے اسیقدر مختصراً بیان کرنے پر اکتفا کی۔

# اُن فوائد کا بیان جو اِن ایام میں آپ سے ظاہر ہوئے

آپ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو تربیت کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی
کے سپرد کرکے فرمایا۔ ایک عرصہ تک اسکی تربیت کیجیو۔ اسکے بعد مَیں خود اسکی تربیت کرونگا پچیس ۲۵
سال تک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کی تربیت کی۔ جسکے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنا مرید بناکر زیرسایہ عاطفت لیلیا۔ اسیطرح ذات کبریائے حق تعالیٰ و تقدس نے حضرت
رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ کچھ عرصہ تک اسکی تربیت اور خبر گیری کیجیو اسکے
بعد میں خود اسکی تربیت کا متکفل ہوں گا۔ آپ کا قول ہے کہ ایک دن مَیں اپنے حجرے میں
بیٹھا تھا کہ یکایک غیب سے ایک شخص پیدا ہوا۔ اور میرے کان کو پکڑ کر مجھ سے کہا کہ خبردار
ہو جاؤ۔ آج شب قدر کی رات ہے۔ مَیں اس کہنے سے چوکنا ہو گیا۔ لیکن وہ مرد غیبی آنکھوں سے
بہت جلد غائب ہو گیا۔ مَیں شب قدر کے ظہور کے انتظار میں بیٹھ گیا اور اپنے تئیں مضبوط
رکھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر فی الواقع شب قدر ہوگی تو مَیں اور تمام دیگر اشیاء خود بخود سجدے
میں چلے جائینگے۔ اسی اثناء میں یکدم میری ریڑھ کی ہڈی خشک لکڑی کی طرح ٹوٹ کر میرا جسم
سربسجود ہوا۔ اور اُسکے ٹوٹنے کی آواز میں نے اپنے کانوں سے سُنی اور اللہ اکبر کی آواز بھی مسموع
ہوئی۔ میرا سر خود بخود سجدہ میں چلا گیا۔ اسکے بعد میں بیٹھ گیا اور التحیات پڑھنے لگا۔ کلمہ شہادت
پر پہونچکر میں نے اپنی سبابہ اُنگلی کو مضبوط پکڑے رکھا کہ دیکھئے خود بخود اُٹھتی ہے یا نہیں۔ میں نے
دیکھا کہ وہ خود بخود اُٹھ گئی۔ اور اُس دن کے بعد میں نے کبھی رفع سبابہ کو ترک نہیں کیا۔ یہ بھی
میں نے دیکھا کہ ہمارے کوٹھے کی چھت اوپر کیطرف اُٹھ گئی۔ آسمان نیچے اُترکر زمین پر فرش
ہو گیا۔ اور اسی اثناء میں نور کا ایک شعلہ اوپر کیطرف سے نازل ہونے لگا۔ ہوا میں ایک
شخص کی صورت نمودار ہوئی اور اس نے نور کے شعلہ کو پکڑنا چاہا لیکن نہ پکڑ سکا۔ اسی اثناء
میں اس نے یہ بھی کہا کہ اگر ہمیں پہلے سے علم ہوتا تو ہم اسکے نازل ہونے سے پہلے اسکے
پکڑنے کا بندوبست کر لیتے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ خدا کا فضل ہے جسکو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے)

کے مطابق بڑے بڑے مراتب حاصل ہوئے۔ شب قدر کی تاثیر سے میرے ہر ایک عضو بلکہ ہر ایک بال سے اَللّٰہ کا لفظ سنائی دیتا تھا۔ اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ میرا ہاتھ اللہ کا لفظ کہکر مجھ سے جدا ہو جاتا تھا۔ اور اپنے تئیں زمین پر دے مارتا۔ اسیطرح پاؤں بھی اچھلنے پڑنے تھے۔ اور اس کشمکش سے مجھے سخت تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ آنکھ بھی اللہ کے ذکر میں مشغول تھی۔ اور اپنے خانے سے باہر نکل پڑتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک گز یا اس سے بھی کچھ زیادہ دور باہر نکلی ہوئی ہے لیکن جب ہاتھ سے ٹٹولنا چاہتا تو کوئی چیز محسوس نہیں ہوتی تھی۔ علیٰ ہذا القیاس دانت اللہ اللہ کہتے ہوئے منہ سے باہر نکلے نظر آتے تھے لیکن ہاتھ پھیلانے سے کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ جب میں چارپائی پر سوتا تو ٹھوکریں لگنے اور متألم ہونے کے خوف سے اپنے پاؤں کو پچھاڑی کی رسی سے باندھ دیتا تھا۔ اور اپنے ہاتھوں کو سوراخوں سے نیچے لٹکا کر مضبوط کر لیتا۔ تھوڑی دیر میں میرے ہاتھ پاؤں اَللّٰہ کا نعرہ لگا کر بیجا یا سے باہر نکل پڑنے اور اچھلنے لگتے۔ اس سے مجھے سخت چوٹیں آتیں اور کچھ دیر کے بعد پھر سکون ہو جاتا یہ حالت چھ ماہ تک غالب رہی۔ تعلیم و تعلّم کا شغل جاری رہا۔ اُستاد اور تمام طالب علم میری حالت دیکھکر سخت تعجب کرتے۔ اسکے بعد حق تعالےٰ نے مجھکو اسقدر طاقت ضبط عنایت فرمائی کہ درس اور تکرار سبق کے وقت یہ حالت پیش نہیں آتی تھی۔ لیکن جب میں ذرا غافل ہو جاتا تو پھر یہ حالت ظہور میں آتی۔ الغرض چودہ سال تک برابر یہ کیفیت رونما رہی۔ (شب قدر کی تحقیق فوائد علمیہ کے فائحہ میں درج ہو گی۔ انشاء اللہ) دوسری حالت جو اس اثناء میں فائض ہوئی اسکی تفصیل بھی دوسرے فوائح میں لکھی جائیگی۔ یہاں صرف ایک شمہ لکھا جاتا ہے بعون اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ۔

اسی زمانہ میں آپ کو صداع اور نزلہ کی نو سال تک شکایت رہی۔ جب آپ کو چھینکیں آنے لگتیں تو باوجودیکہ یہ مسئلہ ہے کہ تین بار سے زیادہ چھینکنے پر الحمد للہ کا پڑھنا لازم نہیں لیکن آپ اپنی محبت قلبی اور شوق دل سے جتنی چھینکیں آتیں اتنی دفعہ الحمد للہ کہتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جسقدر کوئی شخص حق تعالیٰ کا پیارا ہو اتنا ہی حرف مرحما شبیہ بنتا ہے یہی وجہ تھی کہ جب ایک صحابی نے محبت الٰہی کے غالب آنے کا حال حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم

عرض کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا استعد للبلاء (نزول آفت و مصائب کے لئے تیار رہو) مجھکو ایک ایسی بیماری عارض ہوئی ہے جسکی بدولت ہر وقت میری زبان حمد و ثنائے الٰہی میں رطب اللسان رہتی ہے۔ اس لذت کا تصور کر کے آپ وجد میں آجایا کرتے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ نے ایک خواب دیکھا اور جب اس زمانہ کے ایک پیر طریقت سے اسکی تعبیر دریافت کی تو اس نے کہا کہ اسکی تعبیر یہ ہے کہ سوائے زہد خشک کے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اور خدائے عزوجل تک تمہارا پہونچنا مشکل ہے۔ یہ منحوس تعبیر سنکر آپ کے پیٹ میں درد پیدا ہوا۔ ایک چشمہ کیطرف ابھی دو چار قدم اٹھائے تھے کہ دست نکل گیا اور تمام کپڑے آلودہ ہو گئے۔ آپ نے اس چشمہ میں کپڑے دہو کر اور غسل کر کے مراجعت فرمائی۔ اتنے میں پھر وہ تعبیر یاد آئی۔ ایک دردناک آہ سرد بھر کر کہا۔ افسوس! میں خدائے عزوجل کو نہیں پا سکوں گا۔ اس تصور سے پھر دست نکل گیا۔ آپ نے غسل فرمایا۔ اور ابھی چند قدم چلے تھے کہ پھر وہی خیال آیا اور اسکا وہی نتیجہ ظہور میں آیا۔ ستائیس مرتبہ اسی طرح اتفاق ہوا۔ اور آخر آپ پر غشی کی حالت طاری ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک منبر پر تشریف رکھتے ہیں۔ منبر کے قریب ایک کھجور کا نہایت اونچا درخت ہے اس درخت کو سہارا دینے کے لئے اسکے درمیانی حصے تک ایک دمدمہ بنایا گیا ہے حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک سے اس درخت کی طرف اشارہ کر کے زبان معجز بیان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ یہ درخت اسقدر بلندی تک اس دمدمہ کی مدد سے پہونچا ہے۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ ارشاد نبوی سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو میری تسلی کرنا مقصود تھا یعنی جسطرح اس درخت کو اس دمدمہ سے مدد ملی ہے۔ اسیطرح تم کو میری تربیت اور نظر رحمت سے علو مرتبت نصیب ہوگا۔ اور جیسے کہ بباعث دمدمہ کے یہ درخت ہر طرح کے آسیب اور آفت سے محفوظ ہے اسیطرح جسکے ہم مددگار ہوں اسکو ہرگز کسی قسم کا خوف نہیں ع

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتیباں

آپ نے خواب سے بیدار ہو کر اس بشارت کی وجہ سے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔

انہی ایام میں ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک کرسی پر رونق افروز ہیں۔ دست مبارک میں ایک انگوٹھی ہے جسکے نگین پر اللہ کا اسم پاک لکھا ہوا ہے اور اس میں آفتاب کی سی چمک دمک ہے۔ حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھکو طلب فرماکر ارشاد فرمایا۔ اللہ پاک کے نام کی اسیطرح نگہداشت کرنی چاہیے یہ الفاظ فرماکر انگوٹھی کو میری داہنی آنکھ پر اسطرح رکھدیا جسطرح موم پر مہر لگاتے ہیں۔ اسکے نور نے میری آنکھ میں اسطرح سرایت کی جسطرح آگ کا شعلہ موم میں نفوذ کرجاتا ہے۔ میری آنکھ سے وہ دھواں نکلا اور اللہ کا اسم پاک اس میں منقوش ہوگیا۔ بائیں آنکھ سے بھی یہی سلوک کیا گیا اور اس سے بھی دھواں خارج ہوکر اللہ کا اسم مبارک منقوش ہوگیا۔ اسکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک میرے دل پر رکھا۔ دل سے بھی ظلمت اور تاریکی دور ہوکر حق سبحانہ وتعالی کا اسم معظم و مکرم منقوش ہوگیا۔ جب میں بیدار ہوا تو فی الواقع ان تینوں مقامات پر اللہ کا اسم پاک لکھا ہوا پایا۔ اسکا نقش ایک لمحہ مجھ سے غائب نہیں ہوتا تھا۔ اور اسبات کی لذت سے میں دمبدم اس شعر کا تکرار کرتا تھا ؎

در دیدہ توئی وگرنہ جیحوں کنمش　　در سینہ توئی وگرنہ خنجر زنمش

(میری آنکھوں میں تم جلوہ گر ہو نہیں تو میں اسکو دریائے اشک بنا دیتا۔ میرے سینے میں تمہارا نام منقوش ہے ورنہ میں اس میں خنجر گھونپ دیتا) اسی اثنا میں ایک دن آپ کو ایک لکھا ہوا نقش ملا بایں ہیئت




آپ اسکو تین دن تک لکھکر اور پانی میں گھولکر پیتے رہے ابھی تیسرا روز نہیں گذرنے پایا تھا کہ بیشمار پرزے جن پر یہی نقش لکھا ہوا تھا اور جنکی تعداد کا سوائے خدائے پاک علام الغیوب کے اور کوئی احاطہ نہیں کرسکتا تھا آسمان سے بارش کی طرح برسنے لگے اور آپ کے منہ کان۔ ناک اور آنکھ میں داخل ہوتے گئے۔ اس سے ایک عجیب تاثیر پیدا ہوئی۔ آپکا قول ہے کہ اس نقش کا مربع لکھکر اپنے پاس رکھنا یا گھولکر پینا وسواس نفس اور خطرہ شیطان کا مانع ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ اللہ کا اسم پاک تمام صفات کا جامع ہے۔ چنانچہ عام اہل علم نے اسکی

یہی تعریف لکھی ہے کہ اللہ اسم للذات المستجمع لجمیع صفات الکمال یعنی اللہ کا اسم پاک اس ذات مقدس و برتر کا نام ہے جو تمام صفات کمال کی جامع ہے۔ بنابراین اَللّٰہ کا مفہوم عام اور مطلق ہے جسطرح اس سے صفات جمالی کا اثر پیدا ہوتا ہے اسیطرح اس سے صفات جلالی کا بھی اثر پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں خوف بہر حال طاری رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر اولیاء اللہ مریدوں کو نفی و اثبات کی ابتدا میں تلقین کرتے ہیں۔ اسکے بعد اسم ذات کا ذکر بتاتے ہیں۔ کیونکہ جب تک مرید میں نفس اور شیطان کا شائبہ باقی ہے اس وقت تک خوف قائم رہنے کی ضرورت باقی ہے اور اسلئے اسکو اسم ذات مطلق کی تلقین کی جاتی ہے تاکہ یہ بسبب جامع صفات جمال و جلال ہونے کے ہر وقت خوف کا سماں مرید کے پیش نظر رہے۔ اسی نکتہ کی بنا پر شارح منیر الکلام نے فرمایا ہے کہ بسم اللہ میں اللہ کے نام پاک کے بعد الرحمن الرحیم کے اسماء حسنٰی ذکر کرنے میں یہ نکتۂ فاسفہ مستتر ہے کہ اَللّٰہ کا اسم پاک باعتبار اپنے اطلاق کے قہر اور جبروت یعنی صفات جلالی پر بھی مشتمل ہے اس لئے اسکے مفہوم کا ہر ایک پہلو سے تصور کرنا قاری کے دل پر خوف اور ہیبت طاری ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ اسی خوف کو زائل کرنے اور اسکو مانوس بنانے کے لیئے ان اسماء جمالی کا جو خالص رحمت کا پہلو لیئے ہوئے ہیں ذکر فرمایا تاکہ قاری کو معلوم ہو کہ اگرچہ اللہ کے اسم پاک کا مفہوم دلالت تضمنی کے طور پر جباریت اور قہاریت کے مفہوم پر مشتمل ہے لیکن وہ رحمان اور رحیم ہے جن کا صریح مفہوم اور مدلول مطابقی یہی ہے کہ اسکی رحمت کا پہلو غالب ہے۔ شاید اسم محمّد صلے اللہ علیہ وسلم کی اس عجیب و غریب تاثیر کا باعث یہی ہو کہ اسمیں صفات جمالی کا پہلو جلالیت کی نسبت زیادہ نمایاں ہے۔ اگر بصیرت ہے تو سمجھ لو۔

آپ کا قول ہے کہ انہی دنوں میں ایک غریب آدمی مرا تھا۔ میں اور کئی دوسرے طالب العلم اُسے غسل دینے کے لئے چلے گئے۔ وہ لوگ پانی ڈالتے تھے اور میں اُسکو غسل دیتا تھا جب میں نے اسکے پیٹ کی مالش کی تو اسکی نجاست خارج ہو گئی جسکو میری طبیعت نے مکروہ اور ناگوار سمجھا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر میں غسّال ہوتا اور کسی دولتمند کو

غسل دینے کی حالت میں یہ حالت پیش آتی تو میری طبیعت میں ہر گز یہ کراہیت ظاہر ہوتی
میں اسکے غسل میں ایسی سر گرمی دکھاتا کہ اسکے اعزہ واقارب میری تحسین کرتے۔ اب چونکہ یہ
ایک الٰہی کام ہے اسلئے میری طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے۔ کچھ تو خدائے پاک سے
شرم کرنا چاہئے۔ الغرض میں نے مقصد کر لیا کہ تن تنہا اسکی تجہیز و تکفین کروں۔ کہ یکایک
ایک ہاتھ نجاست آلودہ اُن لوگوں کی طرف جو میرے ساتھ شریک تھے نکلا ہے۔ میرے
ساتھی تو سب رفوچکر ہو گئے لیکن میں نے تنہا اسکو غسل دیا۔ اسکے بعد خواب میں
حضرت رب العزت تعالیٰ و تقدس کو بصورت انسان جلوہ گر دیکھا جو میری پشت پر
سوار ہوا اور اپنا دست قدرت میرے سر پر رکھا۔ اس رویت کی تحقیق آگے آتی ہے
انشاء اللہ تعالےٰ۔

چونکہ آپ کے اس زمانہ کے تمام حالات و واقعات کا لکھنا مشکل ہے اسلئے
نارنول کے واقعات لکھے جاتے ہیں۔

چودہ سال کے بعد آپ کا ارادہ نارنول کو چلے جانے کا مصمم ہوا۔ جب نواح شہر کے
قریب پہونچے تو ایک موضع میں دوگانہ ادا کر کے جناب الٰہی سے دعا کی کہ بار خدایا! جو شخص
ایسی جگہ میں غرق ہوا وہ ہر گز ساحل نجات پر نہیں پہونچا۔ اسلئے میرا سوال ہے کہ جس بات
میں تیری خوشنودی ہو اسپر مجھکو ثابت قدم رکھیو۔ آپ نے اپنے دل میں چند باتوں کی
پابندی کا التزام کیا۔ مثلاً:-

(۱) شہر میں خویش و اقربا وعظ اور نصیحت سے پیش آئینگے اور چونکہ وہ نفس اور شیطان
کی خواہش کے مطابق ہوگا اسلئے تمہاری طبیعت اسپر مائل ہوگی۔ اس سے احتراز کرنا
اور اپنے پہلے دستور العمل کو کسی طرح نہ بدلنا۔

(۲) اپنے چہرہ کو سیاہ کر کے کوچوں اور بازاروں میں پھرو۔

(۳) ہر ایک سے بھیک مانگ کر کھایا کرو۔

(۴) کسی شخص سے ملاقات اور راہ و رسم نہ رکھنا۔

(۵) اگر لوگ مائل ہونے لگیں تو اپنے تئیں دیوانہ بنا دینا کہ ان لوگوں کے شر اور فتنہ سے محفوظ رہو

اسی اثنا میں آپ کو اس شہر کا ایک حجام مل گیا جس نے آپ کو پہچان لیا اور شہر میں جا کر آپ کے گھر والوں اور خویش و اقارب کو خبر کر دی۔ وہ سب اکٹھے ہو گئے۔ جب آپ اپنے گھر کے دروازہ پر پہونچے تو ان مرید لوگوں کو مورد طعن و الزام بنانے کی غرض سے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بھائی! ذرہ میری بیوی سے پوچھ لو۔ اگر وہ اجازت دے تو میں گھر میں داخل ہوں۔ جب گھر میں داخل ہوئے تو آپ کی لڑکی جسکی عمر اسوقت تیرہ سال کی ہو گئی تھی دوڑ کر اندر چلی گئی اور چلائی کہ یہ تو میرا باپ نہیں کوئی دیوانہ آ گیا ہے۔ لوگوں میں بھی اختلاف پڑ گیا۔ کوئی کہتا تھا وہی ہیں۔ کوئی کہتا تھا نہیں صاحب کوئی اور شخص ہے الغرض یقین حاصل کرنے کے لئے انہوں نے آپ سے کہا کہ اس بالاخانہ پر تشریف لیجائیے اسمیں یہ حکمت تھی کہ اس بالاخانہ پر چڑھنے کا راستہ سوائے واقف حال کے کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا چونکہ آپ واقف تھے بے تکلف اوپر تشریف لیگئے۔ بیوی نے کہا کہ تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ تم دیوانوں جیسے کام اور باتیں کرتے ہو۔ شاید تمہارے میل جول سے مجھے حمل ہو جائے اور تم یہاں سے چلے جاؤ۔ لوگ مجھکو فعل بد سے متہم کرینگے۔ اپنی بیوی کی عصمت کو ملحوظ رکھو۔ نانے کا انتقال ہو جانیکے باعث اٹھارہ ہزار روپے میراث میں ملے تھے۔ اہلیہ نے ایک پوشاک تیار کر کے آپ کی خدمت میں حاضر کی چونکہ آپ کی طبیعت مذاق اڑانے پر مائل تھی۔ آپ نے فرمایا میں یہ پوشاک نہیں پہنتا گھر والوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا کیسا خواب۔ آپ نے فرمایا یہ کہ اگر میں اس پوشاک کو پہن لوں تو مر جاؤں۔ چونکہ یہ جواب ان کی طبیعت کے مخالف تھا انہوں نے کہا اس جینے سے تو مرنا بہتر ہے۔ یعنی یہ ذلت اور خواری جو تم اس دنیا میں برداشت کر رہے ہو اس سے مرنا بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا مجھکو اپنی جان خود عزیز ہے۔ اس تمہید کی غرض یہ تھی کہ اپنے طریقہ مجاہدہ کو ترک کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اکثر اوقات آپ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو اپنے گھر والوں سے ایسی حکمت عملی سے پیچھا چھوڑانا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کے خلاف اگر کچھ کرانا چاہیں تو ایسا جواب دیا جائے کہ وہ خود تسلیم کر لیں اور ناخوشی بھی درمیان میں نہ آئے مثلاً بعض اوقات اپنی گھر والی سے اسطرح کہدینا کہ اسقدر روپیہ جو میری جیب میں تھا وہ گر پڑا یا فلاں کپڑا

چھوڑ لیگیا۔ کیا کریں خدا کی مرضی اسیطرح ہوگی۔ ورنہ میں تو یہ روپیہ تمہارے ہی لئے محفوظ رکھے
رکھتے۔ اچھا اب جو کچھ ہوا سو ہوا۔ خدائے پاک اور دیگا۔ میری جان و مال تمہارے لئے ہے۔ الغرض
اس قسم کی باتیں کرکے اسکے شر سے اپنے تئیں بچائے رکھے اور سوائے اس نفقہ کے جسکا بیوی کو
دینا فرض ہے ایک دمڑی اسکو نہ دے۔ لیکن اسکو خوش رکھنے کے لئے سبز باغ دکھانے میں
دریغ نہ کرے۔ خدائے پاک کی خوشنودی کے لئے ہزاروں اور لاکھوں روپیہ غریبوں اور یتیموں
پر صرف کرے۔ لیکن دل میں یہ سمجھے کہ میں نے ایک چھوٹی کوڑی نہیں دی۔ اور اپنی ذات پر اگر
ایک کوڑی بھی خرچ کرے تو اسکو لاکھوں اور ہزاروں کے برابر سمجھے۔

آپ کا قول ہے کہ ایک رات میں نے اپنی گھروالی سے سکوت اختیار کیا۔ ہر چند اس نے
کوشش کی کہ میں بولوں لیکن میں بالکل خاموش رہا۔ اس نے کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ
بولتے بھی نہیں۔ میں نے کہا پانچ باتیں منوانا چاہتا ہوں تب بولوں گا۔ اس نے دریافت کیا۔
تو میں نے جواب دیا۔ پہلی بات یہ ہے کہ مجھے اپنا حق مہر بخشدو۔ اس نے کہا نامرد! تمہارے
پاس کیا ہے جسکا میں مطالبہ کرونگی۔ یقیناً میں نے بخشتا ہے۔ میں نے کہا دوسری بات یہ ہے کہ اگر مجھ سے
کوئی تقصیر واقع ہوئی ہے تو وہ معاف کردو۔ اس نے کہا تم جیسے مفلس کو قصوروار ٹھہراکر
کوئی کیا وصول کریگا۔ تیسری بات میں نے یہ بیان کی کہ جو کچھ تمہیں اپنے باپ سے میراث ملی ہو
اسکی مجھے اطلاع نہ دو۔ اس نے کہا تم کون ہو کہ میں تمہیں ایسے راز بتاؤں۔ تم نے اپنے تئیں
کیا سمجھ رکھا ہے۔ چونکہ میں نہایت خستہ حالت میں رہا کرتا تھا اسلئے کسیکی نظر میں میری
وقعت نہیں تھی۔ چوتھی بات میں نے یہ بتائی کہ اگر میں تم سے کچھ طلب کروں تو دب کر یا ڈر کر
ہرگز نہ دینا۔ اپنی مرضی اور خواہش سے کوئی چیز دیں تو دیں نہیں تو خیر۔ اس نے پھر چیں بجبیں
ہو کر کچھ کا کچھ سنایا۔ اور کہا تمہاری کیا قدر ہے کہ میں تم سے ڈروں۔ تم نے اپنی حقیقت کو
اچھی طرح نہیں سمجھا۔ پانچویں بات یہ ہے کہ میرے اور میرے پروردگار کے درمیان
دخل نہیں دوگی۔ یہ سنکر وہ خاموش ہوگئی اور کچھ نہ کہا۔

ایک دن آپ نے ایک غریب مستحق کی خیرات کے لئے کچھ طلب کیا۔ چونکہ وعدہ ہو چکا
تھا کہ اپنی خواہش سے دیں تو دیں نہیں تو خیر۔ اسلئے بیوی نے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ

نہیں دوگی تو میں ابھی رونے لگتا ہوں۔ اس نے کہا میں ہرگز نہیں دوں گی۔ آپ نے کہا میں ابھی رونا شروع کرتا ہوں۔ اس نے کہا زبردستی چاہو تو لے لو۔ آپ نے فرمایا نہیں اس نے کہا خیر تو میں نہیں دیتی۔ آپ نے فرمایا۔ میں لیکر چھوڑوں گا۔ آپ نے ذرہ ڈانٹ کر فرمایا۔ جلدی دو۔ نہیں تو اسکا انجام تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ اس نے کہا لینے والے کا منہ تو دیکھو۔ کسطرح لیتے ہو میں ذرہ دیکھوں تو۔ آپ نے آنکھوں پر ہاتھ رکھکر رونا شروع کیا اور بام پر چڑھنے کے لئے آمادہ ہوکر فرمایا کہ میں ابھی بام پر جاکر چلا کر کہدوں گا کہ لوگو دیکھو۔ میں نے ساری رات فاقہ سے کاٹی اسوقت روٹی کا ایک ٹکڑا مانگتا ہوں۔ لیکن مجھے مسکین سمجھکر میری بیوی اس کے دینے سے انکار کرتی ہے۔ تو کیا تمہیں اس سے شرم نہیں آئیگی۔ یہ سنکر اس نے ایک روپیہ زمین پر پھینکدیا۔ آپ نے اسکو غربا اور فقرا پر تصدق فرمایا۔

ایک دن آپ کی بیوی نے آپ سے التماس کی کہ مجھکو بھی درویشی کی تعلیم دو۔ آپ نے فرمایا تم تاب نہیں لاسکو گی۔ اس نے کہا لاسکوں گی۔ آپ نے فرمایا یہ مشکل ہے۔ جب خویش و اقارب ملاقات کے لئے آئے تو آپ نے ان لوگوں کے سامنے اپنی بیوی کی شکایت شروع کردی اس نے سنکر رونا شروع کردیا۔ اور دوسرے لوگوں نے بھی اسکی حمایت کی کہ کوئی شخص اپنے گھر والوں کا بھی اجنبی لوگوں کے سامنے گلہ کرتا ہے؟ الغرض آپ کی بیوی اس رنج و غم کے باعث دن بھر روتی دھوتی رہی۔ رات کو جمال باکمال حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم خواب میں نظر آیا۔ اور حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اس کو تسلی آمیز کلمات فرمائے۔ بیدار ہوکر اس نے آپ کی خدمت میں معذرت کی اور پاؤں پڑ گر پڑی۔ آپنے فرمایا۔ اگر میں تمہارا گلہ نہ کرتا تو تمہیں یہ غم و اندوہ دامنگیر نہ ہوتا۔ اور پھر یہ نعمت عظمےٰ جو اسی رنج و غم کا نتیجہ تھا کیونکر حاصل ہوتی۔ جب تک انسان کو اس دنیا میں کوئی ایسا غم پیش نہ آئے جسکا اثر اسکے دل پر ہو تب تک کشایش کار متصور نہیں۔

مؤلف کہتا ہے۔ انبیاء کرام اور اولیاء عظام پر بلیات اور مصائب کا نازل ہونا ممکن ہے کہ اسی حکمت پر مبنی ہو۔ جب ان کو ہر ایک طرف سے تکلیفیں لاحق ہوتی ہیں۔

تو ان کا دل اس سے متاثر ہو کر دنیا و مافیہا سے برداشتہ ہو جاتا ہے۔ یہی خیال ان کے ضمیر منیر پر غالب آجاتا ہے کہ یہ عالم غم و اندوہ کا مقام ہے اس سے دل لگانا قرین مصلحت نہیں۔ الغرض۔ اسطرح وہ تمام تعلقات سے الگ تھلگ ہو کر اور ماسوی اللہ سے کلی انقطاع کر کے علم اور معرفت کے مراتب جلیلہ پر فائز ہوتے ہیں۔

جب آپ کی بیوی نے یہ بیان زبان حقیقت ترجمان سے سنا تو عرض کیا کہ پہلے یہ ارشاد کیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ تاکہ میرے دل کو اسقدر صدمہ نہ پہونچتا۔ آپ نے فرمایا اس میں پوشیدہ حکمت مضمر ہے جسکو تم نہیں سمجھ سکتی ہو۔

کئی دن گذرنے کے بعد اتفاق ایسا ہوا کہ آپ کے حقہ کا چلم آپ کی بیوی کے پانوں تلے آکر ٹوٹ گیا۔ آپ چلا اٹھے کہ فلانی نے میرا چلم توڑ دیا۔ اس نے عرض کیا کہ میں ابھی دوسرا چلم حاضر کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا بعینہ وہی چلم حاضر کرو تو بہتر۔ نہیں تو تمہیں قاضی صاحب کے حضور میں لیجا کر طلاق دیدوں گا۔ یہ سنکر اکثر عزیز و رشتہ دار بھی جمع ہو گئے اور سمجھانے لگے کہ چلم کا ٹوٹ جانا کونسی بڑی بات ہے جسکے لئے اسقدر شور و غل مچایا جائے۔ آپنے ایک نہ مانی اور بار بار اپنی بات پر اصرار کئے جاتے تھے۔ بیوی بیچاری گریہ و زاری کرنے لگی۔ یہانتک کہ شام ہو گئی۔ رات کو پھر خواب میں حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوئی۔ بیدار ہو کر آگے کیطرح آپ کے پانوں پر گر پڑی اور عرض کیا کہ میں اس نعمت عظمیٰ کا جو آپ کی بدولت مجھکو حاصل ہوئی کیا شکریہ ادا کروں۔ آپنے فرمایا جو کچھ تمہیں میراث ملی ہے اسکو خیرات کر دو۔ اس نے مان لیا اور اٹھارہ ہزار روپے جو اسکے پاس موجود تھے راہ خدا میں صرف کر دئے۔ آپ نے فرمایا اپنی لڑکی کا جہیز اور اپنے پہننے کے کپڑے حاضر کرو۔ جب حاضر کئے تو فرمایا کہ زیورات اور جو کپڑے پہنے ہو۔ وہ بھی انکے ساتھ شامل کر کے راہ خدا میں دے ڈالو تو میری محبت اور اخلاص تمسے اور زیادہ ہوگی۔ اس نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ صرف ایک پھٹی پورانی چادر بدن ڈھانکنے کے لئے اپنے پاس رکھ لی اور مجاہدہ و ریاضت کے میدان میں قدم رکھا۔ اس واقعہ کے بعد اس نے کبھی لذیذ کھانا نہیں کھایا۔ صرف تھوڑی سی میٹھی کھلی یہ نیک بخت عورت کھا لیا کرتی اور طعام لذیذ کو راہ خدا میں

فقرا اور مساکین پر تصدق کرتی۔ مذکورہ بالا دو مرتبہ کے علاوہ اس نے حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے اس سے ارشاد فرمایا شکر کرو کہ ایک ایسے مرد صالح کے عقد نکاح میں آئی ہو۔

شیخ نظام نارنولی کی اولاد سے ایک شخص نے آپ کے بعض مخالف عقل اقوال و افعال سُنکر اسپر حمل کیا کہ خدانخواستہ آپ مجنون ہو گئے ہیں اور دماغ میں خلل آگیا ہے۔ آپ سے کہلا بھیجا کہ کثرت مجاہدہ و ریاضت سے آپ کو خلل دماغ عارض ہو گیا ہے اسکا علاج کراؤ۔ اور مقوی دماغ ادویات استعمال کرو۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے پوچھو تو سہی کہ اس نصیحت سے اسکا کیا مطلب ہے۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے آپ کو ملاقات کے لئے تکلیف دی۔ تو معلوم ہوا کہ یگانگت اور اخلاص کی وجہ ہے۔ فرمایا کہ گھر والی سے پوچھوں گا اگر اس نے اجازت دی تو آؤنگا۔ لوگوں نے زبانِ طعن و تشنیع دراز کی کہ بیوی سے پوچھنے اور اجازت لینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن آپ کی غرض ملاقات سے بچنے کی تھی۔ دوسرے یہ کہ لوگ برا کہیں گے۔ اس سے بھی ایک عجیب اثر پیدا ہوتا ہے۔ الغرض۔ عزیز نے اصرار کیا اور کہلا بھیجا کہ اگر تشریف لائے گے تو بہت کچھ محظوظ ہوگے۔ چونکہ اولیا روحانی طبیب ہوتے ہیں اور اہل زمان کے اقوال و افعال کی حقیقت سے بخوبی شناسا ہوتے ہیں اور انکو ملحوظ اور مدنظر رکھتے ہیں۔ آپنے فرمایا اہنوہم بے مزہ ہیں۔ شاید اس سے مراد وہ غم ہو جو قبض حال سے عارض ہو گیا ہو۔ یا وہ غم واندوہ جو دوسرے حوادث کی وجہ سے دامنگیر ہوا ہو۔ بہرکیف اس نے بار بار آپ کو طلب کرنیکے لئے پیغام بھیجے اور آخری مرتبہ یہ بھی کہلا بھیجا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب ایک مومن دوسرے مومن کی ملاقات کیلئے جاتا ہے تو اسکے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو یہ حدیث اب سنی۔ لیکن تم ایک مدت سے اسکو جانتے ہو تم خود کیوں اسپر عمل نہیں کرتے ہو۔ اس نے کہا مجھے اپنے پیر طریقت نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپنے فرمایا جو پیر شریعت کے خلاف حکم دے وہ پیر نہیں بلکہ شیطان ہے۔

مؤلف کہتا ہے چونکہ اس نے حدیث شریف کے مقابلہ میں پیر کا قول نقل کیا اسلئے

آپ نے سخت الفاظ میں جواب دیا۔ اور ممکن ہے کہ چونکہ اس کے پیر نے ایک ایسی بات سے اسکو مکلف کیا جو عادات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ سے خارج تھی اسلئے اسکو شیطان سے تعبیر فرمایا۔ اگرچہ بعض اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے مریدوں کو دوسری جگہ جانے سے منع کیا۔ لیکن یہ منع مطلق نہیں بلکہ خاص خاص جگہ پر جانے سے منع کیا ہوگا۔ مثلاً یہ کہ دوسرے ولی اللہ سے استفادہ کرنیکے لئے نہ جائیں یا بعض خاص حوائج کے پورا کرنیکے لئے نہ جائیں۔ اور اگر بالفرض مطلق باہر جانے سے منع کیا ہو تو اسکو عالت سکر و استغراق پر حمل کرینگے۔ نہیں تو انسان کے لئے عادۃً یہ محال اور ناممکن ہے کہ منع مطلق پر عمل کرے۔ کھانا۔ پینا۔ پاخانہ پھرنا وغیرہ لوازم بشریت ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے لئے ناگزیر ہیں۔ اور جنکے لئے آدمی کو خواہ مخواہ حرکت کرنی پڑتی ہے۔ آپنے یہ جو فرمایا کہ تم خود کیوں اسپر عمل نہیں کرتے ہو۔ اس میں اس آیت کریمہ کیطرف اشارہ تھا کہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ (کیا تم لوگوں کو تو نیکیاں بتاتے پھرتے ہو لیکن اپنے نفوس کی اصلاح کو فراموش کر دیا ہے)۔ حدیث شریف میں ہے عِظْ نَفْسَکَ فَاِنْ اتَّعَظَتْ فَعِظِ النَّاسَ "پہلے اپنے نفس کو نصیحت دو۔ اگر اس نے تمہارا کہنا مان لیا تو پھر دوسروں کو نصیحت کرو"۔ جبتک انسان خود عامل نہ بنے دوسروں کے لئے صرف زبانی نصیحت مؤثر نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں آپ کو ہر طرح سے اسپر فضیلت تھی۔ کیونکہ آپ سادات سے تھے۔ فاضل بھی تھے اور مسکین بھی۔ دوسرے صاحب میں اگرچہ بعض صفات موجود تھے لیکن پھر بھی آپ کو اسپر افضلیت حاصل تھی۔ چنانچہ یہ بات اس سوال و جواب سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے جو ایک نکتہ چین اور آپکے درمیان وقوع میں آیا۔ نکتہ چین کا سوال یہ تھا کہ باوجودیکہ اس شہر کے ایک بہتر بن فرد نے تمہیں طلب کیا ہے اسکی خدمت میں جانے سے کیوں پہلوتہی کرتے ہو ؎

ہر آن کہتر کہ با مہتر ستیزد　　چنان افتد کہ ہرگز بر نخیزد

(جو شخص کمتر درجہ کا ہو کر بزرگوں سے جھگڑتا اور ان کے منہ آتا ہے وہ ایسی منہ کی کھائیگا کہ پھر اسکا اٹھنا اور کھڑا ہونا محال ہوگا)۔ آپ نے فرمایا میں ایسے لوگوں کا کہنا

ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہوں جو دین میں سُست ہیں۔ اس نے کہا ہم کسطرح دین میں سُست ہیں۔ آپ نے فرمایا جسکو تم شہر کا بہترین فرد کہتے ہو وہ کس قوم سے ہے۔ اس نے کہا شیخ۔ آپ نے فرمایا مجھکو کس قوم سے سمجھتے ہو۔ اس نے کہا سادات سے۔ آپ نے فرمایا وہ مسکین ہے یا ہیں۔ اس نے کہا تم مسکین ہو۔ آپ نے فرمایا باوجود اسکو بہتر سمجھتے ہو۔ اور مجھکو کمتر خیال کرتے ہو۔ اس سے بڑھکر دین میں سُستی اور کیا ہوگی۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ کہ حق کو چھپانا اور باطل کو ظاہر کرنا دین میں سُست ہونے کی بنیاد ہے۔

اس اثنا میں جب آپ کی لڑکی بالغ ہوئی تو گھر والی نے عرض کیا کہ طریق مسنون بجالانا چاہیئے آپ نے فرمایا بہت اچھا۔ خویش اور اقربا اسی انتظار میں تھے کہ دھوم دھام کی ضیافت ہوگی لیکن آپ نے کسیکو اطلاع تک نہ کی۔ اور چپکے سے مظہر فیوضات و مورد عطیات شیخ محمد فیاض سے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے اسکو عقد نکاح میں قبول کیجیو۔ اس نے ممنونیت کے ساتھ اسبات کو قبول کیا اور شکریہ ادا کیا۔ ایک دن آپ نے لڑکی کے پُرانے کپڑے اور ایک دھیلہ انکو دیا کہ دھو کر لے آئیں۔ جب وہ لے آئے تو چند طلبہ کو بُلا کر دوسرے دھیلے کا تیل لیکر کسی ایک چراغ روشن کئے اور لڑکی کا پھٹے پرانے کپڑوں میں بیاہ کر دیا۔ آپ کی اہل خانہ نے آپ کی اطلاع بغیر شیرینی شادی کے موقعہ پر تقسیم کرنے کے واسطے پابندی رسم کے طور پر تیار کر رکھی تھی لیکن آپ کی نظر سے اسکو چھپائے رکھتی تھی۔ کہ ہمیں شادی کے موقعہ پر حسب رواج استعمال کی جائے گی آپ کو کسی طرح خبر ہوگئی اور شیرینی کے بھرے ہوئے مٹکے نکلوا کر اُن غریبوں اور مسکینوں کو پیٹ بھر کر کھلائی جو ایک لقمہ کے لئے ترستے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا شادی پر خواہ کتنا ہی خرچ کیوں نہ کیا جائے نہ اس سے پہلے کسی نے شادی پر خرچ کرنے سے نام پیدا کیا ہے اور نہ اب کرے گا تو پھر خوشنودی حق سبحانہ وتعالیٰ کے لئے کیوں خرچ نہ کریں۔ یہ زندہ نما مُردے اہل دنیا ہزاروں عیب نکالتے اور طعن و تشنیع کی زبان دراز کرتے ہیں انکو تو راضی کرنا مشکل ہے اسلئے رضامندی خدا کو کیوں ہاتھ سے جانے دیں۔ عورتوں نے دُہائی مچادی کہ یہ

کیا کرتے ہو۔ یہ شیرینی قوم اور قبیلے میں تقسیم ہو تو بہتر ہے ورنہ اس سے تو ہمارا ناک کٹ جائیگا۔ آپ نے انکی بکواس پر ذرا توجہ نہ فرمائی۔ اور قوم کے جو بڑے بڑے ممتاز آدمی تھے انکو ایک جلیبی تک نہ دی۔ سب شیرینی محتاجوں اور غریبوں میں لٹا دی۔ صبح کے وقت آپ اپنے داماد کے گھر تشریف لیگئے اور کھانا طلب کر کے تناول فرمایا۔ ظاہراً حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی جب بی بی فاطمہ زہرا کا عقد نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا تھا تو صبح کے وقت ان کے گھر تشریف لیجا کر کھانا تناول فرمایا تھا۔ جن لوگوں نے آپ پر لعن طعن کیا تھا آپ انکے گھر میں بھی تشریف لے گئے اور ایک ایک کو اپنا ناک دکھاتے پھرتے کہ دیکھو میرا ناک تو اسطرح صحیح و سلامت ہے جو لوگ پابندی رسوم میں مبتلا تھے اُنہوں نے ہر چند آپ کی بدگوئی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ لیکن آپ انکی طعن و تشنیع سے کچھ بھی آزردہ خاطر نہ ہوئے۔

عارفوں کا یہی شیوہ ہے۔ ان کو کسیکی ملامت یا خوردہ گیری کی ذرہ بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ کسی دانشمند (سعدیؒ) نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

دریائے فراواں نشود تیرہ بہ سنگ      عارف کہ برنجد تنک آبست ہنوز

(بڑا دریا پتھر پھینکنے سے گدلا نہیں ہوتا۔ جو عارف لوگوں کی زبان درازی سے متاثر ہو کر خفا ہو جائے۔ سمجھ لو کہ ابھی وہ تنگ حوصلہ ہے اور تھوڑے پانی کی مانند ہے جو ایک کف خاک سے میلا ہو جاتا ہے)۔ مؤلف کے دل میں ایک نہایت عمدہ شعر آیا ہے ؎

نزاعِ کفر و دیں در خاطرِ عارف نمیگنجد      برنگِ آب باشد صاف دل با جملہ شر بتہا

(کفر اور دین کا جھگڑا عارف کے دل میں جا گزیں نہیں ہو سکتا۔ وہ تمام مشربوں سے اسطرح صاف دل رہتا ہے جسطرح پانی جملہ شربتوں سے)۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کفار سے جہاد کرنا۔ حدود شریعت کو قائم کرنا اور ڈاکوؤں۔ چوروں وغیرہ مجرموں کو سزا دینا چونکہ خدا کے احکام کی تعمیل ہے اسلئے انکا ذکر اس بحث سے خارج ہے۔

انہی دنوں میں آپ کے دل مبارک میں یہ خیال پیدا ہوا کہ طالبعلموں کے لئے ایک مکان تعمیر کریں۔ آپ کے مسکن کے قریب ایک پورانی مسجد ویران پڑی ہوئی تھی۔ اس مسجد کو ازسرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ فرما لیا۔ لیکن تنگیٔ معاش کے باعث اسکے بنانیکے لئے سامان مہیا کرنا مشکل تھا۔ اسکے لئے ایک نرالی ترکیب ایجاد کی۔ شہر کے لڑکوں سے اُنس پیدا کیا اور چند روز تک ان سے کھیل کود میں مشغول ہوتے رہے۔ جب رابطہ بڑھ گیا تو ایک دن چار پانچ سیر بھنے ہوئے چنے لیکر لڑکوں کو آواز دی کہ اگر کھیلنے کا شوق ہے تو چلے آؤ۔ شہر کے لڑکے اُمنڈ کر چلے آئے۔ آپ نے لڑکوں کا بادشاہ بنکر بعض لڑکوں کو امیری کا منصب دیا۔ کسیکو وزیر اور کو قوال بنایا۔ الغرض مفروضہ مراتب پر سرافراز کر کے ایک ایسی جگہ پر لیگئے جہاں چونے کے پتھر کثرت سے ملتے تھے۔ آپ نے لڑکوں سے ارشاد کیا کہ ان پتھروں کو جمع کرو۔ اور ہر ایک لڑکے کیلئے اسکی محنت اور کارگذاری کے مطابق اُن بھنے ہوئے چنوں کا انعام مقرر کیا۔ دوپہر سے پہلے پہلے دو ہزار من پتھر اکٹھے ہو گئے۔ کسی جگہ سے چھکڑا بھی مانگ لیا اور وہ پتھر ایک مناسب مقام پر پہونچا دئے گئے۔ اسکے بعد ایک اُستاد تلاش کیا جو پتھروں کو بھٹی میں رکھکر چونہ تیار کرے۔ لیکن جب اس نے کچھ شرارت کی تو آپ نے اسکو رخصت کر کے فرمایا ہماری عقل اس شخص کی عقل سے کم نہیں ہے اور خود بھٹی کے کام پر متوجہ ہوئے۔ لوگوں نے منع کیا کہ بغیر اُستاد کے کامیابی نہ ہوگی۔ لیکن آپ نے توکل بخدا بھٹی کو آگ لگادی۔ اپنے وقت مقررہ پر آگ بجھائی تو خاطر خواہ چونہ تیار ہو گیا تھا جسقدر چونہ تیار ہوا آدھا فروخت کر کے نقد کر لیا جو بعد میں معماروں کی اُجرت اُس سے دی گئی۔ اور آدھا چونہ مسجد میں مصالحہ کے طور پر کام آیا۔ الغرض مسجد کو مرمت کرا کے نمازیوں اور طالب علموں کے لئے وقف فرمایا۔ چونکہ بہت مدت سے یہ مسجد غیر آباد تھی اسلئے چراغ روشن ہونے پر بہت سے بچھو۔ سانپ وغیرہ جمع ہو گئے۔ آپ نے ان کو دفع فرمایا۔

اسی مسجد کے قریب ایک شہید کی قبر تھی جسکو یہ تصرف حاصل تھا کہ جو شخص نماز مغرب کے بعد اسکی قبر کے پاس سے گذرتا اسپر جوتے پڑنے لگتے۔ آپ نے اس قبر کو ازسرِ نو مرمت

کرنے کا ارادہ فرمایا۔ معماروں کے دل میں اسکا اسقدر رعب بیٹھا ہوا تھا کہ اسکے کھودنے پر جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے اپنے ہاتھ مبارک میں بیلچہ لیکر ٹوٹی پھوٹی جگہوں کو گرا دیا آپنے فرمایا اگر یہ شخص فی الواقع کوئی بزرگ ہے تو مرمت کے لیئے کھودنے اور بنانے سے کیوں بُرا مانیگا۔ الغرض اس قبر کی تجدید کی گئی۔ راج جب تیشہ لگاتے تھے یا دوسرے آلات استعمال کرتے تھے تو حق حق کی آواز مسموع ہوتی تھی۔ لوگوں نے یہ خبر سُنکر تعجب کیا اور اکثر لوگ اس تقریب سے معتقد ہوگئے۔ درس کی شہرت ہوئی اور سو کے قریب طالب علم جمع ہوگئے۔ چار آدمیوں کے مطالعہ کے لیئے ایک چراغ روشن ہوتا تھا۔

شیخ محمد فیاض نے ایک عجیب بات نقل کی ہے کہ ہر ایک طالب علم جو مطالعہ کرنے سے پہلے سو جایا کرتا تھا وہ مرد شہید اسکو جگا دیتے اور کہتے کہ اوٹھو مطالعہ کرو نہیں تو میراں جیو ناراض ہوں گے۔ نابالغ لڑکوں کو اس بزرگ کی صورت نظر آتی اور اسکی آواز سنائی دیتی تھی۔

اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص کے گھر کوئی جنّ آگ لگا دیا کرتا تھا جسکا بجھانا دشوار ہوتا۔ اسکا سارے کا سارا دن اسی آگ بجھانے میں صرف ہو جاتا اور بسا اوقات خود اسکی دستار اور اُسکے کپڑوں میں آگ لگ جایا کرتی تھی۔ کوئی تعویذ یا دعوت تاثیر نہیں کرتی تھی۔ ایک مرتبہ اس جنّ نے بآواز بلند کہا کہ اگر میراں جیو کے طالب علموں کی ضیافت کرو تو میں ابھی جاتا ہوں۔ اس شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب علموں کی ضیافت کے لیئے عرض کیا۔ آپ نے قبول فرمایا۔ اور اسکے بعد چھ ماہ تک کوئی حادثہ نہ ہوا۔ لیکن چھ ماہ کے بعد اس جنّ نے پھر وہی سلوک شروع کیا۔ اس شخص نے جنّ سے کہا کہ تمنے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں طالب علموں کو کھانا کھلاؤں تو تم یہ ایذا دینا چھوڑ دوگے اب پھر کیوں ایذا دینا شروع کیا ہے۔ اس نے کہا تم اس بات کو غنیمت نہیں جانتے کہ ایک دفعہ ضیافت کرنے کی وجہ سے چھ ماہ تک میں نے تمکو نہیں چھیڑا۔ اس شخص نے پھر ضیافت کی تب وہ جنّ بالکل تائب ہوا۔ اور پھر کبھی ایذا نہ دی۔ یہ واقعہ بھی لوگوں کے لیئے عبرت کا باعث ہوا۔

ایک دن آپ ایک تالاب پر معہ طالب علموں کے تشریف لیگئے جو شہر سے دو کوس دور تھا۔ کچھ گوشت اور چاول اور ایک دو دیگیں بھی ساتھ لیتے گئے۔ جب پلاؤ تیار ہوئے تو برتن موجود نہ ہونے کے باعث چوڑے پتھروں اور سلوں کو دھو کر ان پر پلاؤ کو پھیلا دیا۔ شیخ محمد فیاض جو ایک صادق اور امین شخص ہیں روایت کرتے ہیں کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا۔ پہلی مرتبہ نوے آدمیوں نے کھایا۔ جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو ایک اور جماعت چلی آئی۔ اسیطرح یکے بعد دیگرے کئی جماعتوں نے وہ کھانا کھایا جب کوئی شخص باقی نہ رہا تو آپ نے ایک اونچے درخت پر چڑھ کر آواز دی کہ کسیکو کھانیکی حاجت ہو تو چلا آئے لیکن کوئی شخص کھانیکے لئے نہ آیا۔ آپ نے کھانا اٹھا لینے کا حکم دیا۔ تین چار سیر چاول ابھی باقی رہگئے تھے۔ حالانکہ تمام چاول جو پکائے گئے ۴ یا ۳ سیر اور گوشت ۳ سیر سے زائد نہیں تھا۔ رات کو آپ نے وہیں اقامت فرمائی۔

اسی جگہ کے قریب ایک جوگی رہا کرتا تھا۔ صبح کے وقت آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ اسقدر ریاضت کرتے ہو۔ کبھی تمکو بھی وہ مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جو اہل تصوف کو حاصل ہے۔ اس نے کہا اگر ہم اپنے رب تعالی و تقدس کو نہ دیکھیں تو اسکے غم سے ہلاک ہو جائیں۔ اسی رات کئی مرتبہ مشاہدہ حاصل ہوا ہے اور تمہیں بھی دو تین مرتبہ حاصل ہوا ہے۔ آپ نے اسکے اس استدراج سے تعجب فرمایا۔ آپ نے مشاہدات کی تفتیش فرمائی تو معلوم ہوا کہ دو مرتبہ فی الواقع مشاہدہ ہوا تھا لیکن تیسری مرتبہ اس نے غلط کہا۔ اسلئے ثابت ہوا کہ اسکا یہ کہنا از قسم استدراج تھا۔ لیکن یہ سنکر کہ اس جوگی کو یہ کمال حاصل ہے مشاہدات الہی اور تجلیات کا شوق آپ کے دامنگیر ہوا اور آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ جس جگہ پر محبوب حقیقی کی تجلی ظہور میں آئے اور جس مظہر میں وہ جلوہ گر ہو۔ محب صادق کو چاہیئے کہ اسی مظہر کا رنگ قبول کرلے اور چونکہ میرا محبوب اس جوگی کی شکل میں جلوہ گر ہوا ہے اسلئے مجھکو اسکا ہمرنگ بننا چاہیئے۔ اور اسی کی طرح ڈاڑھی مونچھوں کا صفایا کرنا ضروری ہے۔ آپ نے شیخ محمد فیاض اور دیگر طالب علموں سے فرمایا

کہ اگر میں کوئی خلافِ شرع کام کروں تو کیا تم مجھکو ایسا نہیں کرنے دوگے۔ آپ نے چند مرتبہ ارادہ کیا
کہ اُٹھ کھڑے ہوں اور ڈاڑھی کا صفایا کرکے دوسرے افعال بھی اسی قسم کے عمل میں لائیں۔
لیکن آپ کے رفیق ایسا کرنے سے آپ کو روکدیتے تھے۔ تین دن تک یہی کشمکش کی
حالت رہی۔ آپکا قول ہے کہ اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت میری دستگیری نہ فرماتی تو
اس وادیٔ حیرت اور گرداب ابتلا سے نجات مشکل تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت
ہی کی بدولت میں نے اُس ورطہ سے خلاصی پائی۔ اکثر اہل اللہ پر غلبۂ عشق و محبت سے اس
قسم کی حالت طاری ہوجایا کرتی ہے جس شخص نے انکے حالات کا غور سے مطالعہ کیا ہے
اس سے یہ بات پوشیدہ نہیں۔ فخرالدین عراقی رہ نے ایسی ہی حالت میں یہ اشعار کہے تھے

بطوافِ کعبہ رفتم بحرم رہم نہ دادند ❊ کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی
در دیر میزدم من ز درون ندا بر آمد ❊ کہ بیا بیا عراقی تو ز خاصگان مائی

(جب میں کعبہ کے طواف کے لئے گیا تو مجھے اندر جانے کی اجازت نہ ملی اور کہا گیا کہ
باہر تینے کیا نیکی کی کہ اندر آنے کا ارادہ ہے۔ میں نے بتخانے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے
آواز آئی کہ عراقی کیوں کھڑے ہو اندر آؤ تم تو ہمارے خاص دوستوں سے ہو)۔

جب آپ طلبہ کو درس دینے سے فارغ ہوجایا کرتے تو ان کے لئے شہر میں جاکر
بھیک مانگتے پھرتے۔ اس شہر کے ایک فاضل مولوی نے آپ کی اس وضع پر طعنہ زنی کی۔
اور کہا کہ ایک مجذوب کو درس و تدریس سے کیا مناسبت ہے۔ ایک دن لڑکوں کی ایک
جماعت سبق سے فارغ ہوکر اس فاضل کے سامنے سے گذرے جاتے تھے۔ اس نے ایک لڑکے
سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ ارے میاں کیا پڑھتے ہو؟ اس نے کہا کافیہ پڑھتا ہوں۔ سبق پوچھا
تو اس نے سُنا دیا۔ فاضل مذکور نے چاہا کہ اسپر کچھ اعتراض کرے۔ لڑکے نے فراست سے معلوم
کرکے خود وہ اعتراض بیان کردیا اور اسکا جواب بھی بتا دیا اور اپنی طرف سے ایک اور اعتراض اس
فاضل پر جڑ دیا جسکا جواب اس سے کچھ نہ بن سکا۔ سب لڑکوں نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا کہ
خوب علم و فضل ہے کہ ایک لڑکے کے اعتراض کا جواب دینے سے عاجز آگیا۔ دوسرے لوگوں کو
بھی اس واقعہ کی خبر ہوگئی اور تمام شہر میں چرچا ہونے لگا کہ فلاں مولویصاحب کو ایک لڑکے نے

ساکت اور لاجواب کر دیا۔ الغرض اسکی سخت بدنامی ہوئی۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎ "با دردکشاں ہر کہ درافتاد برافتاد"۔ (اِن مجذوبوں سے جسکی جھڑپ ہو گئی یقیناً وہ پچھڑ گیا)۔ اسکے بعد کسی نے آپ کے درس و تدریس پر نکتہ چینی کی جرأت نہیں کی۔ آپ کے بعض خویش و اقارب بھی اس بلا میں گرفتار تھے لیکن چونکہ ہدایت و توفیق ازلی ہمراہ تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض کو خواب میں اور بعض کو بحالت بیداری مکاشفہ کے طور پر اپنا جمال مبارک دکھا کر فرمایا کہ خبردار اس شخص کے حق میں زبان طعن و تشنیع دراز نہ کرو نہیں تو خراب ہو جاؤ گے۔ آپ کی کرامات بیشمار ہیں کہاں تک لکھی جائیں۔

انہی باتوں سے آپ کی شہرت ہو گئی۔ اور خلیل خاں تک جو اس زمانہ میں فوجدار کے عہدہ پر سرافراز تھا یہ خبر پہونچ گئی۔ اس نے آپ کی دعوت کی لیکن چونکہ آپ کی طبیعت اہل دنیا سے نہایت متنفر تھی اسلئے آپ نے ایک ظرافت آمیز پیرائے میں یہ جواب دیا کہ میں اپنی بیوی سے پوچھوں گا اگر اس نے اجازت دی تو قبول کروں گا۔ قاصد نے کہا بیوی سے پوچھ کر بھی مرد کام کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو اسی طرح کرتے ہیں۔ چنانچہ ڈیوڑھی میں داخل ہو کر واپس آئے اور فرمایا کہ میری بیوی نے منع کیا ہے کہ میں فوجدار کی ملاقات کے لئے نہ جاؤں۔ خان مذکور نے مکرر آدمی بھیجا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم رودار عورتوں کو بھیجکر منت سماجت کرکے آپ کی بی بی کو رضامند کرلیں۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ پہلے مجھپر جو جوتے پڑے ہیں ان سے تو ابھی میری طبیعت بحال نہیں ہوئی۔ اب تم ایسا کرو تو معمول سے بس جوتے زیادہ پڑیں کہ دیکھو اس نے ہمارے کہنے کے خلاف اپنے حمایتی پیدا کرلئے ہیں۔ اسوقت تم میری کسطرح مدد کرسکو گے۔ فی الواقع یہ بات تو نہ تھی مگر آپ کا مدعا یہ کہنے سے ظرافت کا اظہار تھا۔ خان مذکور اس جواب کو سُنکر مسکرایا اور ایک ہزار دینار کی تھیلی نیاز کے طور پر خدمت شریف میں بھیجکر بارہ روپیہ آپکا روزینہ مقرر کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں یہ مبالغ اپنے دشمن کے حوالے کروں کہ جو اسکو کھا پی کر تنومند ہو اور مجھکو جوتے لگایا کرے۔ یہ کہکر تھیلی واپس کردی۔ لوگوں نے آپ کے اس فعل کو نادانی پر حمل کیا اور کہنے لگے۔ حق تعالے نے غیب سے دولت عنایت کی تھی اسکو قبول نہ کیا۔ اگر عالم و فاضل ہے تو کیا ہوا عقل تو رکھتا نہیں۔ دیوانہ اور سودائی ہے۔ حق تعالیٰ نے

جو نعمت بھیجی تھی اس کو قبول کر کے آپ کھاتا۔ دوسروں کو کھلاتا۔ ارے یہ شخص تو پاگل ہے۔
آپ نے فرمایا۔ تم تو عاقل اور دانا ہو لیکن خدا کی قدرت دیکھو کہ خان ایک پاگل شخص پر فریفتہ اور شیفتہ
ہے لیکن تمکو پوچھتا تک نہیں۔ اُنہوں نے سوچا تو بات پتے کی تھی۔ معترف بقصور ہوئے اور
اقرار کیا کہ واقعی اس میں ایک پوشیدہ حکمت تھی۔ اسی اثنا میں خان مذکور تجارت کے لئے روانہ
ہوا اور شیخ یعقوب نام ایک شخص کو اپنی جگہ پر شہر کا حاکم مقرر کیا۔ آپ اسکے طلب کئے بغیر
اسکے گھر میں تشریف لے گئے۔ پیشکاروں نے خبر کر دی کہ یہ وہ شخص ہے جسکو نواب نے
طلب کیا تھا لیکن وہ اسکے پاس نہ گئے اب آپ کی ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ شیخ مذکور
اسوقت شراب کباب اور شاہد بازی میں مشغول تھا۔ لیکن یہ خبر سُنکر اُٹھ کھڑا ہوا اور آپ کا
استقبال کیا۔ آپ تھوڑی دیر بیٹھکر چلے گئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس سے بیشتر کہ خان
باوجودیکہ اس قسم کی حرکات شنیعہ کا ارتکاب نہیں کرتے تھے آپ نے اسکی ملاقات گوارا نہ کی۔
اور ہر چند اس نے طلب کیا لیکن آپ نہ گئے پر نہ گئے اور اس شخص کی ملاقات کے لئے خود بخود
چلے آئے۔ اسیطرح دوسری مرتبہ پھر آپ اسکے گھر تشریف لیگئے۔ چونکہ آپ کے جانے سے
اسکی عیش و عشرت میں خلل آتا تھا اسلئے اس نے چیں بجبیں ہوکر چوبداروں کو کہدیا کہ آپ سے
سختی کریں۔ جب آپ کو اسطرح درشتی سے نکالا گیا تو جاہل لوگوں نے جو اولیاء اللہ کے کاموں
کی حکمت معلوم نہیں کر سکتے پھر زبانِ طعن دراز کی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس شہر کے حاکموں یعنی
صدر وغیرہ نے غریبوں کو ستانا شروع کیا اور رشوت خوری کا بازار گرم ہوا۔ یتیم اور مسکین اس
ظلم سے چلا اُٹھے۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں فریادی ہوا۔ آپ صدر کے پاس تشریف لیگئے
لیکن آپ کی سفارش کا کچھ اثر نہ ہوا۔ مفسدوں کی ایک جماعت نے آپ کو ایذا اور تکلیف دینے
کا ارادہ کیا۔ آپ نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا اور اکیس ۲۱ روز تک آپ محصور رہے۔ آپکا قول ہے
کہ میں نے دروازے کو اسلئے بند کیا تھا کہ جو شخص دروازہ کو توڑ کر اندر گھس آئیگا اس سے
اچھی طرح سمجھ لونگا۔ آپکا ایک دوست خلیل خاں کے پاس جاتا تھا آپ نے اُسے رخصت
کرتے وقت فرمایا کہ خلیل خاں کو میرا سلام نہ دو۔ لیکن یونہی کہدو کہ اگر احسان مانو تو تمہیں ایک
بات بتاتا اور صلاح دیتا ہوں جسکو اگر قبول کروگے تو اسپر خیرِ کثیر مرتب ہونیکے علاوہ تمہیں تو آپ نے

نصیب ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ صدر اور دوسرے حکام لوگوں پر سخت ظلم کرتے ہیں اگر اس جانب اپنی توجہ مبذول کرکے اِن غریبوں اور بیچاروں کو نتیجۂ ظلم سے نجات دو تو نہیں بے حد ثواب حاصل ہوگا جب اس شخص نے خان مذکور کو یہ پیغام پہونچایا تو اس نے نہایت ممنونی کے ساتھ بدل وجان منت کش ہوکر قبول کیا اور فوراً منشی کو حکم دیا کہ شیخ یعقوب کے نام پروانہ لکھو کہ اس ظالم جماعت کو میری طرف سے تخویف وتہدید کرے۔ جب منشی نے پروانہ لکھا تو اسکی عبارت درست نہیں تھی اسلئے خان مذکور نے اسکو پھاڑ کر اپنے ہاتھ سے پروانہ لکھا۔ جسکا ماحصل یہ تھا:۔ "سنا گیا ہے کہ صدرِ حق صدارت کا مطالبہ کرتا ہے۔ جو لوگ صاحب توفیق تھے اُنہوں نے تو جو کچھ وہ مانگتا تھا دے دیا لیکن اس نے ناداروں پر بھی دباؤ ڈالا۔ اوّلاً تو یہ بات خلافِ ضابطۂ مستمرّہ ہے دوسرے اگر وہ (معاذ اللہ) حضرت سلیمان کے مرتبہ تک بھی پہونچ جائے تو اسکا انجام کیا ہوگا بہرحال وہ ہمکو دوسرے حکّام کیطرح خیال نہ کریں۔ جو کچھ اس نے لیا ہے واپس کردے۔ اور جو واقعی پرچۂ تعیجح ہے اسکے مطابق وصول کرے۔ ہم نے اطلاع کردی ہے آئندہ اسکا اختیار ہے۔ اخوندزادہ فیاض اور لالہ متولی وغیرہ کو پابزنجیر کرکے ہمارے پاس بھیجدو کہ ان سے کچھ کہنا سننا ہے۔" شیخ مذکور کو یہ بھی لکھا کہ بذاتِ خود حضرت شاہ صاحب کے دولت خانہ پر حاضر ہوکر ان سے عرض کرو کہ جسکو آپ حکم دیں ہم اسکو یہاں تک سزا دیں کہ اسکے مُنہ سے عالم شیر خوارگی کا پیا ہوا دودھ باہر نکل آئے۔ شیخ یعقوب نے اسکی تعمیل کی۔ اس جماعت کو جب خبر ہوئی تو اُنہوں نے آپسمیں صلاح ومشورت کی کہ نواب کے پاس بالاتفاق جاکر کوئی ایسی حکمت عملی کریں کہ نواب صاحب کا غصہ سرد ہوجائے۔ راتوں رات روانہ ہوگئے جب وہاں پہونچے تو ایک شخص نے ان کو خبر کردی کہ تمہارے ہاتھ کاٹے جانیکا حکم صادر ہوچکا ہے۔ یہ سُنکر وہ ایسے خوف زدہ ہوئے کہ فوراً اُلٹے پاؤں بھاگ کر چلے آئے۔ صدر وہاں رہ گئے اور معافی کا خواستگار ہوکر مچلکہ لکھدیا کہ اگر اسکے بعد میں نے کوئی ناجائز رقم وصول کی تو میں شریعت کا سخت مجرم ہوں گا۔ نواب نے یہ دیکھکر کہا کہ اس شخص نے اپنے جرم کا اقبال کرلیا ہے کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ اسکے بعد نہیں لوں گا اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ اس سے پہلے لیچکا ہے۔ الغرض جب وہ صدر واپس نارنول میں آیا تو ایک جماعت کو ساتھ لیکر آپ کی

خدمت میں معذرت کرنیکے لئے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جسکے حق میں آپ ارشاد فرمائیں اسکو تصحیح نامہ دے دیاجائے۔ آپ نے دو روپئے کے سادہ کاغذ منگاکر تصحیح نامے لکھوا دیئے۔ اور اسپر صدر کے دستخط کرا دیئے۔ اسطرح پر ستر ہزار بگیہ کے تصحیح نامے لکھکر مستحقین کو دئے گئے اور کسی مستحق کا ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہوا۔ اس واقعہ سے آپ کے معاندین کو حقیقت حال معلوم ہوئی اور یہ حکمت بھی واضح ہوگئی کہ آپ کیوں نواب سے استغناء فرمایا اور شیخ کے پاس ازخود گئے۔ القصہ مخالفین بھی آپ کے مدّاح اور ثناخواں ہوئے۔

شاہ بیگ خان نے جو وہاں کا حاکم تھا باریاب ہونے کی التماس کی لیکن آپ نے منظور نہ فرمائی۔ اسکا بیٹا خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسکو باریاب فرمایا۔ اس نے کچھ روپے بطور نیاز خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے فرمایا جسقدر بھی روپے تمہارے پاس ہیں سب حاضر کرو۔ پچاس ہزار روپے حاضر کئے۔ آپ نے فرمایا مسجد کے صحن کے قریب ڈھیر کردو۔ تعمیل ہوئی۔ آپ اُٹھ کھڑے ہو کر اس روپوں کے ڈھیر پر بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر تک لیٹتے رہے۔ پھر اسکی پالکی طلب فرماکر اسمیں سوار ہوئے۔ تھوڑی دور جاکر واپس آئے اور پانچ روپے کہاروں کو اُجرت دے کر باقی روپے اس کے مالک کو واپس کر دئے۔

بارہ سال تک آپ نارنول میں تشریف فرما رہے۔ چونکہ آپ کو خواب کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ جہان آباد میں شہرت ہوگی اسلئے شہرت اور نمود کے خوف سے آپ نے یہ مصمم ارادہ کیا تھا کہ وہاں نہیں جائینگے۔ ایک رات آدھی رات کے وقت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہکر جہان آباد (دھلی) کو چلے جاؤ۔ فی الفور اسی وقت شیخ محمد فیاض کو اس سے مطلع کر کے جہان آباد کو روانہ ہو گئے۔ جب یہاں تشریف لائے تو صرف ایک تہبند باندھے ہوئے۔ گودڑی زیب دوش کئے ہوئے اور سر پر ایک چیتھڑا لپیٹے ہوئے تھے۔ ایک رات یہاں کاٹتے تو دوسرا دن وہاں گذارتے۔ ایک شخص نے جسکا نام محمد یوسف تھا شاہی ناظر کو خبر دی اور آپ کی علامتیں اس سے بیان کیں۔ جمعرات کے دن جبکہ قدم رسول کی زیارت کو تشریف لے گئے ناظر مذکور آپ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا۔ اور آپ کی صحبت سے اسقدر

متاثر ہوا کہ واپس چلے جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ ہرچند آپ نے اسکو رخصت کرنا چاہا لیکن وہ بیٹھا رہا۔ جب رات ہوئی تو خدمت والا میں عرض کیا کہ بنا زمند کے غریب خانے کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف اندوز فرمائیں۔ آپ نے پہلوتہی فرمائی۔ لیکن جب اسکا اصرار حد سے بڑھ گیا تو بالآخر قبول کیا۔ رات تاریک تھی۔ خادموں کو رخصت کرکے مشعل اپنے ہاتھ میں لیکر روانہ ہوئے۔ رات کو وہاں قیام فرمایا۔ صبح کے وقت مرزا بیگ گکھڑ۔ مرزا بیرم۔ محمد صالح۔ خواجہ عنایت ناظر اور دوسرے بڑے بڑے عہدہ دار اور نیز عام لوگ آپ کے شرفِ ملاقات حاصل کرنیکے لئے خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ روزانہ دو تین سو آدمیوں کا مجمع ہونے لگا جنکے کھانا کھلانے پر پچاس روپیہ یومیہ خرچ آتا تھا۔ آپ نے ایک دن فرمایا کہ چونکہ ایک آدمی کے لیئے ان تمام لوگوں کو کھانا کھلانے کا انتظام کرنا دشوار ہے اسلئے بہتر ہوگا کہ تم میں سے ہر ایک شخص ہفتے میں ایک بار انکی ضیافت کرنے کا ذمہ اُٹھائے اسطرح آسانی ہوگی۔ ارادت مندوں نے تعمیل کی۔

آپ کی شہرت اس حد تک بڑھ گئی کہ دارا شکوہ اور سعد اللہ خان تک خبر جا پہونچی۔ شاہزادہ دارا شکوہ نے اپنے خاص کو بہمراہی سعد اللہ خان و عبد الحکیم جو اسکے مصاحب تھے آپ کی خدمت میں بھیجکر اپنی ملاقات سے مشرف کرنے کی درخواست کی لیکن منظور نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ تک آپ پرانی دہلی کے محلہ پھلواری میں بخانۂ شیخ عبد الغفور و شیخ نور الدین ساکنان محلہ مذکور اقامت فرما رہے۔ شیخ مذکور کی والدہ جو آپکو پسر پکارتی تھی اور شیخ اور دوسرے کئی اشخاص آپ کی نظر عنایت سے خواب میں حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار مبارک جیسی نعمت عظمٰے سے مشرف ہوئے۔ شیخ مذکور اور اسکے بھائی نے تین بیگہ زمین نیاز خدمت میں پیش کی اور اسکی سند لکھکر حوالہ کی۔ آپ نے وہ سند شیخ عبد الغفور کو دے کر فرمایا میں مناسب خیال نہیں کرتا کہ یہ سند ہمارے پاس رہے۔ ممکن ہے ہمارا انتقال تم سے پہلے ہو جائے اور میری اولاد تمسے جھگڑا پیدا کریں۔ چونکہ اسوقت جہان آباد کا شہر ابھی نیا آباد ہوا تھا اسلئے زمینوں کی قیمت کچھ زیادہ نہیں تھی۔ ایک بیگہ تین سو روپے پر فروخت ہوتا تھا۔ چند سال گذرنے پر شرح قیمت بہت بڑھ گئی اور ایک بیگہ تین ہزار روپے کو فروخت ہونے لگا۔

شیخ مذکور تو اپنے وعدہ پر قائم تھا لیکن ایک دوسرے دنی الطبع شخص نے ازراہِ شرارت گستاخی کرکے کہا کہ اگر اب لے لو تو ہم جانیں گے کہ بے شک۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو تمہیں راستباز سمجھکر اسی وقت سند واپس کر دی تھی۔

ان ایام میں اپنا حال چھپانے کے لئے آپ اکثر کپڑے کی خرید و فروخت کی دلّالی کیا کرتے تھے۔ اور اسلئے آپ یہاں سید حسن دلال مشہور ہو گئے تھے۔ چونکہ ایسی حالت میں بھی اعتقاد خان وغیرہ آپ کی تلاش میں رہا کرتے تھے اسلئے آپ نے اس شغل کو چھوڑ دیا اور ایک دوسری جگہ پر تشریف لیگئے جو شکارگاہ بادشاہ کے قریب گنج اور باغ گلالی کے متصل تھی۔ یہاں افغانوں کی ایک جماعت رہتی تھی۔ ابھی چند روز گذرے تھے کہ ان لوگوں کو آپ کی برکت صحبت سے حضرت سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار مبارک کا شرف حاصل ہوا۔ جب انہوں نے اسبات کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا جس شخص کو یہ سعادت حاصل ہو وہ دو روپئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نیاز پیش کرے۔ بیس دن کے عرصے میں سو آدمی اس سعادت سے شرف اندوز ہوئے اور اس تقریب سے دو سو روپے جمع ہوئے۔ اسی جماعت میں چند ایک نقشبندی افغان بھی تھے۔ انہوں نے جب آپکا یہ تصرف مشاہدہ کیا تو ان کو نہایت ذوق و شوق دامنگیر ہوا۔ یہانتک کہ جب خدمت میں حاضر ہوتے تو پہلے آپ کی چارپائی کے اردگرد جان نثاری کرکے اسکے بعد کئی قسم کی تواضع اور تعظیم بجالاتے۔ پابندی تقوےٰ میں اسقدر سرگرمی کا اظہار کرتے کہ چونے اور پان کے استعمال کو مکروہ اور حرام سمجھتے تھے۔ آپ نے صفائی ضمیر سے انکے باطن کا حال دریافت فرما لیا تھا اور اسلئے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا کرتے تھے کہ میں جتنے ملکوں میں پھرا ہوں تم جیسے لوگ میں نے نہیں دیکھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کبھی میں نے دھوکا کھایا تو وہ تمہارے ہاتھ سے ہوگا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب آمدنی سے ایک معقول رقم جمع ہو گئی تو ان افغانوں کی جماعت نے عرض کیا کہ اگر اسکو خرچ فرمائیں تو تھوڑی مدت میں یہ سرمایہ ختم ہو جائے گا۔ بہتر ہوگا اگر اس سرمایہ کو مضاربت کے طور پر کسی شخص کے حوالے کیا جائے۔ آپ نے فرمایا جو کچھ مناسب سمجھو عمل میں لاؤ۔ نقشبندی افغانوں کی جماعت نے عرض کیا کہ اگر یہ روپیہ ہمارے حوالے ہو تو یقیناً ہم اسکو اچھی طرح سے بڑھانے میں

کوشش کریں۔ آپ نے فرمایا انہی کو دے دو۔ تھوڑی مدت میں تجارت کی وجہ سے وہ سرمایہ بڑھ کر اصل معہ نفع چودہ ہزار تک پہونچگیا۔ اسی زمانہ میں بادشاہ اورنگزیب اکبرآباد کو چلا اور غلہ کا نرخ نہایت گراں ہوگیا۔ ایک روپیہ کا دس سیر غلہ بکنے لگا۔ پورب کے لوگ قحط سے تنگ آکر جہان آباد میں آگئے اور اکثروں نے دولت خانہ کے قریب سکونت اختیار کی۔ ان کی تنگی اور فاقہ کشی کا حال سُنکر آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو بھی کچھ دیا کرو۔ چنانچہ ایک ایک دو دو ٹکے فی کس ان کو دے دیا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ ان میں بعض کافر تھے اسلئے آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو توحید اور رسالت کے قائل نہیں ان سے کیوں مراعات کیجائے اسکے بعد آپنے خادموں سے ذکر کیا کہ میں نے حق سبحانہٗ وتعالےٰ کو دیکھا اور جناب خداوندی سے تین مرتبہ ارشاد ہوا کہ اگرچہ منع کا حکم ہے لیکن تم دیا کرو۔ چونکہ اب خدائے پاک نے خود ارشاد فرمایا ہے اسلئے اب جی کھولکر دو۔ مضاربت کا چودہ ہزار روپیہ جو حاصل ہوا تھا اسکو لے کر منادی کرادی کہ سب محتاج چلے آئیں۔ نو ہزار کے قریب لوگ جمع ہوگئے۔ چار چار پانچ پانچ ٹکے آپ ہر ایک شخص کو دیتے اور اسطرح روزانہ دو سو ساٹھ روپے خرچ ہوجایا کرتے۔ سردی سے بچانے کے لئے دو ہزار کمل خرید فرمائے۔ بازار میں لوگوں کو کمل نہیں ملتے تھے۔ جس دوکان پر جاکر دریافت کرتے یہی جواب ملتا کہ میرانجیو کے گھر میں لیگئے ہیں میاں علی خان نے آپ سے عرض کیا کہ کمل تھوڑے ہیں اور لوگ بہت ہیں کسطرح تقسیم کئے جائیں۔ آپ نے فرمایا بسم اللہ کرکے دینا شروع کرو۔ جب دینے لگے تو سب محتاجوں کو ایک ایک کمل ملگیا اور چھ کمل باقی رہگئے۔ اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ کل چودہ ہزار روپے تھے۔ یہی روپے خرچ ہوتے رہے اور انہی سے کمل خریدے۔ اگر حساب کیا جائے تو کئی ہزار روپے زائد خرچ ہوتے ہیں۔ ان دونوں واقعات کی اصل حقیقت کچھ بھی معلوم نہیں ہوسکتی۔ بجز اسکے کہ ان باتوں کو خارقِ عادت تسلیم کیا جائے۔ چھ سات ماہ تک اسیطرح آپ خیرات فرماتے رہے۔ اسکے بعد ارزانی ہوگئی اور لوگ اپنے کاروبار پر چلے گئے۔ طالب علموں کا خرچ اور دیگر متفرق مصارف اسکے علاوہ تھے۔

جب آپ نے ان لوگوں سے جن کو مضاربت کے طور پر روپیہ دیا گیا تھا حساب کیا

تو کچھ رقم کم ہوئی اور انہوں نے دعوے کیا کہ ہمنے پہونچا دی ہے۔ آٹھ ماہ تک یہ مناقشہ رہا۔
بعض افغانوں کو ان لوگوں پر بڑا اعتماد تھا اور وہ ان کے تقوے کے بہت معتقد تھے۔
وہ اس کمی کو آپ کے سہو اور نسیان پر حمل کرتے تھے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کچھ جواب
نہیں دیتے تھے۔ آٹھ ماہ کے بعد آپ نے وہ سندیں میاں علی خان کے حوالہ کیں جو اِن لوگوں نے
لکھکر دی تھیں۔ جب وہ سندیں دکھائی گئیں اور حساب کیا گیا تو فی الواقع وہ رقم ان کے ذمّے
عائد ہوتی تھی۔ ان لوگوں نے چپکے سے میاں علی خان سے کہا کہ اِن سندوں کو گم کر دو کیونکہ
اس میں ہماری شرمندگی منصور ہے لیکن میاں علی خان چونکہ دیانتدار آدمی تھا اسلئے اس نے
ان کی بات پر عمل نکیا۔ آخر ان کو اقرار کرنا پڑا لیکن پھر بھی معذرت کر کے ادا کرنے سے
پہلو تہی کی۔ مؤلف نے بھی دو شخصوں کو ان میں سے دیکھا ہے کہ جب آپ کی خدمت
میں حاضر ہوتے تو آپ ان سے فرماتے کہ میرے روپے لا دو۔ آخر مرنا تو ہے تب وہ عذر
کر دیتے۔ ان کے چلے جانیکے بعد آپ فرمایا کرتے کہ میرا مدعا یہ نہیں کہ ان سے روپے
لوں کیوں کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جو شخص تمہارا حق غصب کرے اس سے
مطالبہ نہ کرو۔ میری غرض اس سے یہ ہے کہ یہ لوگ کچھ اور لینے کا دعوے نہ کریں۔ جماعت
نقشبندیہ کو زجر و توبیخ کرنے کا یہی باعث تھا اور چونکہ آپ کا ایک عارف کامل ہونے کی حیثیت
سے یہ منصب تھا کہ لوگوں کو اپنے وعظ اور نصیحت سے مستفید فرمائیں اسلئے جب کسی شخص کی
نسبت آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ نقشبندی ہے تو اس جماعت کی بد دیانتی آپ کو یاد آتی۔ کسی عارف
نے (شیخ سعدی علیہ الرحمۃ) خوب فرمایا ہے ؎

نہ بینی کہ گاوے در علف زار | بیالاید ہمہ گاوانِ دِہ را
چو از قومے یکے بے دانشی کرد | نہ کِہ را منزلت ماند نہ مِہ را

("تنے نہیں دیکھا کہ ایک گائے چراگاہ میں داخل ہو کر تمام گایوں کو بدنام کر دیتی ہے۔
جب قوم کا ایک فرد بیوقوفی کر بیٹھتا ہے تو چھوٹے بڑے سب بے وقعت ہو جاتے ہیں")
آپ اس نقشبندی سے فرماتے کہ میں نے ایک نقشبندی جماعت سے بہت تکلیف
دیکھی ہے۔ تم تو اُس قسم کے نقشبندی نہیں ہو؟ یعنی اگر اسی قسم کے نقشبندی ہو تو توبہ کرو۔

اس سے بعض جاہل یہ خیال کرتے کہ خدانخواستہ آپ حضرت خواجہ نقشبند رح سے دل میں بغض رکھتے ہیں حاشا وکلاّ۔ عارف کو کسی سے بھی عداوت نہیں ہوتی۔ مؤلف کا ایک مرتبہ سید جعفر نامی ایک شخص سے اسبات پر جھگڑا ہو گیا اور میں نے یہی وجہ ظاہر کی۔ لیکن اس نے میرے کہنے پر اعتبار نہ کیا۔ جب آپ گھر سے تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ اکثر اوقات آپ نقشبندیوں سے سختی کے ساتھ پیش آتے ہیں حالانکہ حضرت خواجہ نقشبند رح کو لوگ بہت بڑا بزرگ کہتے ہیں۔ اسکا باعث کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ خواجہ نقشبند رح واقعی بہت بڑے بزرگ تھے۔ میں تو اس جماعت کو برا سمجھتا ہوں جو اس زمانہ میں پیدا ہو گئی ہے اور چونے اور پان کے استعمال کو حرام کہتی ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کا مال غصب کرنا اور اُن کو فریب دینا یا ایذا پہونچانا ان کے نزدیک جائز ہے۔ اُنہوں نے اسبات کو اتباع سنت خیال کیا ہے کہ کھائیں پئیں اور مال و دولت جمع کریں۔ خواب غفلت میں عمر بسر کریں۔ ظاہر آراستہ اور باطن خراب۔ میں یہ تمہیں نصیحت کے طور پر کہتا ہوں۔ پیر انصاری کا قول ہے

ہر یکے را ظاہرش معمور لیک　　　باطنش ویراں دلے سنگے شدہ

خواب و خور را کرد عادت ہمچو گاؤ　　　در رہِ طاعت خرے لنگے شدہ

(ہر ایک کی یہ حالت ہے کہ ظاہر اسکا آراستہ ہے لیکن باطن خراب اور اسکا دل پتھر کی مانند ہے۔ بیل کیطرح کھانا اور سو جانا اپنی عادت بنا رکھا ہے لیکن عبادت کے لئے وہ ایسا سست ہوتا ہے جیسے لنگڑا گدھا) یہ سُنکر سید موصوف کی تسلی ہوئی۔

نیز اس رسالہ کے تصنیف ہونے کے قریب زمانے میں بادشاہ کے دکھن میں جانے کی وجہ سے لوگوں کو تنگیٔ معاش عاید ہوئی۔ آپ نے حکم دیا کہ کسیقدر یومیہ مستحقین کو پہونچایا جائے۔ پہلے دو روپیہ روزانہ خرچ تھا۔ رفتہ رفتہ ہفتے میں پانچسو روپے خرچ ہونے لگے۔ تقسیم کے لئے دو روز مقرر تھے منگل اور جمعہ۔ ان دونوں دنوں میں ڈہائی ڈہائی سو روپے غربا اور فقرا میں تقسیم ہوتے۔ جمعہ کے دن پانچ چھ ہزار کا مجمع ہو جاتا۔ جس میں سخت بے اعتدالی رونما ہوتی۔ اور ہر ایک شخص یہی چاہتا کہ میں پیشدستی کر کے سب سے پہلے اور زیادہ حصہ حاصل کروں۔ ایک مرتبہ بڑا ازدحام ہوا۔ اور سب لوگ یکبارگی ٹوٹ پڑے

آپ نے ہر چند منع فرمایا لیکن اُنہوں نے ایک نہ مانی۔ آپ کوچہ میں نکل آئے۔ لیکن بھیڑ بھاڑ کم نہ ہوئی اور اسی ازدحام میں تین آدمی کچل کر مر گئے۔ آپ نے اس روز سے اسطرح تقسیم کرنا بند کر دیا اور ان آدمیوں کے ہلاک ہونے سے آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے دیکھا تھا کہ حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے یہ روپے غربا اور محتاجوں کو تقسیم فرماتے ہیں اسلئے میں نے اسکو لازم کر لیا تھا۔ لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس سلسلہ میں ایسا ناگوار حادثہ پیش آئیگا۔ مؤلف کہتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ عارف کو تمام حوادث اور جزئی واقعات معلوم ہو جایا کریں۔ چنانچہ کتب معرفت کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں۔

# دوسرا فاتحہ

## آپ کے عادات و خصائل کے بیان میں

### یعنی سر حلقۂ فقراء دہلی حضرت سید حسن رسول نما اویسِ ثانی قدس سرہٗ

⁂

آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ فقیر طالب علموں اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے اور دولتمندوں کی ہمنشینی سے نفرت فرمایا کرتے تھے۔ پھٹے پورانے کپڑے پہنتے اور زرق برق کی پوشاک پہننے سے اجتناب کرتے۔ یہانتک کہ گرمیوں میں ایک پورانا چیتھڑا سر پر لپیٹ لیتے۔ اور اپنے نیم استعمال کردہ کپڑے محتاجوں کو دے دیا کرتے۔ بعض اوقات اپنا آدھا کپڑا پھاڑ کر مستحق کو مرحمت فرماتے۔ اور خود اسی قمیص بے دامن سے بازار میں چلے جاتے۔ جاڑے کے موسم میں پنبہ دار ٹوپی سر پر رکھتے۔ پورانی قبا پہنتے اور کسی شخص سے جو نیا جوتا خرید لیتا اسکا پورانا جوتا مانگ لیتے اور اسکو استعمال کرتے۔ نیا کپڑا اپنے لئے ہرگز نہیں خریدتے تھے۔ لذیذ کھانا نہیں کھایا کرتے تھے اِلّا اس صورت میں کہ کوئی شخص حُسنِ عقیدت سے کوئی مکلّف کھانا خدمت میں لے آتا تو اسکی خاطر ایک دو لقمے تناول فرما کر

بقیہ غربا اور مساکین کو کھلا دیتے۔ گھر میں دوسرے لوگ کھانا کھا چکتے تب آپ طعام تناول فرماتے جسکا مطلب یہ تھا کہ کوئی شخص گھر والوں سے محروم نہ رہے۔ جن برتنوں میں غلام اور لونڈیاں کھانا کھا چکتیں انہیں کا پس خوردہ کھا لیا کرتے۔ اور برتنوں کے چاٹنے سے عار نہیں فرماتے تھے۔ بعض اوقات تذلیل نفس کے لئے کتّے اور بلّی کا پس خوردہ بھی کھا لیا کرتے تھے۔ اس سے دوسروں کی تعلیم مقصود تھی ورنہ عارف کامل کو تذلیل نفس کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بہت تیز چلتے گویا کسی ٹیلے سے اُتر رہے ہیں اسطرح چلنا مسنون ہے۔ خود خرید و فروخت کرتے اور بوجھ کو بے تکلف سر یا کندھے پر اُٹھا کر لے آتے لوگوں کو اپنی تقریر یاد کرا دینے کی غرض سے بسا اوقات ایک بات کا بار بار اعادہ کرتے بعض اوقات بہت کم بولتے۔ جو کوئی السلام علیکم کہتا اسکا جواب وعلیکم السلام سے دیتے۔ اور جو شخص اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ (لوگ اپنے بادشاہوں کا طریقہ اختیار کر لیا کرتے ہیں) کے مطابق مروّج طور پر سلام کرتا اسکا جواب اسی کے حسب حال دیتے۔ لوگوں کے حال سے کچھ سروکار نہیں رکھا کرتے تھے۔ بعض لوگوں کو آہستگی اور نرمی سے نصیحت کرتے اور بعض شریر لوگوں کو ڈانٹ بتاتے تاکہ وہ اپنی حرکات شنیعہ سے باز آئیں یا کم از کم آپ کی مجلس سے دور رہیں تاکہ دوسرے لوگ انکی صحبت بد سے متاثر نہ ہوں۔ کیونکہ الطبع یسرق من الطبع و تاثیر الصحبۃ فی البدن کتاثیر الروح (ایک شخص کی طبیعت دوسرے شخص کی طبیعت سے اخلاق و عادات چُراتی ہے اور صحبت کی تاثیر جسم میں اسطرح ہوتی ہے جسطرح روح کا تصرف بدن میں نافذ ہوتا ہے۔

مؤلف کہتا ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی حکمتِ ازلی سے انسان کی فطرت اس قسم کی بنائی ہے کہ اگر وہ عالم کی صحبت میں رہے تو اسکو علم سے اُنس ہو کر علم کی محبت اسکے دل میں راسخ ہوتی ہے اور اگر کسی عارف کی خدمت میں حاضر رہا کرے تو طلب حق کا شوق دامنگیر ہوتا ہے۔ اسکی سرشت کمہار کی مٹی کیطرح واقع ہوئی ہے جس سے ہر ایک قسم کا برتن بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن بعض اوقات کمہار مٹی کو اس ترکیب سے خمیر کرتا ہے کہ اس سے ایک خاص قسم کے برتن تو بنائے جا سکتے ہیں۔ لیکن ہر ایک قسم کا برتن اس سے

نہیں بنایا جاسکتا۔ اسیطرح انسان کی فطرت بھی بعض اوقات ایک ہی صفت پر استقرار پذیر ہوتی ہے ۔ خلاصہ یہ کہ انسان کی فطرت دو قسم کی ہوتی ہے ۔ ایک وہ جس میں ہر ایک طرح کی قابلیت ودیعت رکھی گئی ہے جسکی صحبت میں رہا اسکا اثر قبول کرلیا۔ اسکی مثال بعینہ موم کی ہوتی ہے جس سے مختلف صورتیں اور شکلیں بنائی جاسکتی ہیں جس چیز پر چپکا دو اس چیز کا خاکہ اس میں اُتر آئیگا۔ یا اگر مثلاً ہاتھی کی صورت اس سے بنانا چاہو تو بنا سکتے ہو۔ اور اگر کتے یا بلی کی صورت بنانی ہو تو وہی بن سکتی ہے۔ اسیطرح انسان انبیاء اور اولیاٗ کی صحبت میں رہ کر ہر ایک قسم کا فیض حاصل کرسکتا ہے ۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان کی فطرت ہر ایک طرح کی تعلیم و تربیت اور تلقین و فیض کو قبول کرنے کے قابل ہے تو پھر کیوں ایک کافر ایک پیغمبر کی صحبت میں مدت دراز تک رہنے کے باوجود بھی اسیطرح کافر رہتا ہے اور صحبتِ نبی کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا ؟ اسکا جواب یہ ہے کہ ہم پیشتر لکھ آئے ہیں کہ بعض اوقات انسان کی فطرت ایسی واقع ہوتی ہے کہ وہ ایک ہی صفت پر استقرار پذیر ہوتی ہے ۔ اگرچہ دراصل اس کافر کی فطرت قابل بنائی گئی تھی لیکن اسمِ مُضِلّ کی تاثیر نے اسکو دریائے کفر میں ایسا غوطہ دیا کہ وہ اپنی حالت بدلنے کے قابل نہیں رہا جسطرح کمہار کی مٹی کی ہم نے دو قسمیں بتائی تھیں۔ مثلاً کمہار ایک قسم خاص کا برتن بنا کر اسکو پزاوے میں پکا لیتا ہے تو اب اسکی ہیئت میں کبھی فرق نہیں آسکتا۔ غالباً قرآن کریم میں اسی مضمون کیطرف اشارہ فرمایا گیا ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (خدائے پاک نے ان کے دلوں اور کانوں پر مُہر کردی ہے اور انکی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں)۔

آپ اپنی آسائش کے لئے ایک درم بھی خرچ نہیں فرماتے تھے صرف بقدر ضرورت صرف کرتے۔ تمام خویش و اقربا سے بیگانہ وار رہتے تھے۔ اسکی سند وہ حدیث شریف ہے جو خلاصۃ الحقائق میں ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا مجھے اپنے بھائیوں سے ملنے کی بڑی آرزو ہے

ہم نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ؟ آپ نے فرمایا تم لوگ میرے اصحاب ہو لیکن میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئینگے۔ ان کی حالت انبیار کے مشابہ ہوگی اور انکا درجہ خدا کے نزدیک انبیائ کے برابر ہے۔ ہمنے عرض کیا ان کی علامتیں بیان فرمائیں۔ آپنے فرمایا وہ لوگ ماں باپ اور بھائی بھن سے خدا کی خوشنودی طلب کرنیکے لئے بھاگیں گے وہ خدا کے کسی گھر میں جمع ہوں گے اور محزون و غمگین نظر آئینگے انکی قدر اور عزت خدائے پاک کو اچھی طرح معلوم ہے۔ انکے درمیان کوئی میراث نہ ہوگی جسے وہ تقسیم کریں۔ ایک دوسرے پر اس سے زیادہ شفقت کریں گے جو ماں کو بیٹے پر یا ایک سگے بھائی کو دوسرے حقیقی بھائی پر ہوا کرتی ہے۔

آپ کی عادت تھی کہ کھانے اور کپڑے میں اپنی اولاد اور طالب علموں اور مسکینوں کو برابر رکھتے تھے۔ حوادثِ زمان و مکان سے کوئی شکایت نہیں کرتے تھے۔ کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے۔ اگر کوئی شخص حاضرین سے کہدیتا کہ کھانے میں نمک زیادہ ہے۔ یا بے لذت ہے تو آپ فرماتے۔ یہ سب خدا کے اختیار میں ہے جب چاہتا ہے کھانے میں لذت پیدا کر دیتا ہے نہیں تو کھانا پھیکا رہتا ہے۔ آپ کی حالت مختلف تھی۔ ایک وقت میں شوقِ خدا سے گریہ و زاری کرتے تھے۔ دوسرا وقت ہنسی خوشی سے بسر کرتے۔ لیکن قہقہہ مار کر ہرگز نہ ہنستے۔ سماع سے آپ کو محبت تھی اور گانا بجانا سُنکر محظوظ ہوتے۔ لیکن خواہ مخواہ اسکی طلب میں بھی نہیں رہتے تھے۔ جسطرح کسی مجلس کا اتفاق ہوتا منع نہیں فرماتے تھے۔ حتّٰی کہ اگر نقالوں کی جماعت خدمت میں حاضر ہوتی تو ان کو بھی منع نہ کرتے۔ چونکہ لڑکے بچّے انکی حرکات سکنات سے خوش ہوتے تھے اسلئے آپ بھی یہ دیکھکر خوش ہوتے اور فرمایا کرتے کہ چونکہ پادشاہ یہاں نہیں ہے اسلئے ان لوگوں کی تنگی معیشت کو رفع کرنا اور انکو کچھ دینا چاہیئے۔ جن اشعار میں وصال کا ذکر ہوتا انکو سُنکر آپ خوش ہوتے اور جن ابیات میں فراق کا ذکر ہوتا انکو سُنکر ناخوش ہوتے بلکہ ایسے اشعار کے پڑھنے سے منع فرماتے۔ بخیل کی کوئی چیز قبول نفرماتے اور اس سخی سے بھی کچھ نہیں لیتے تھے جو مستحقین کی کارسازی میں مشغول ہوتا۔ وجہ یہ بیان فرماتے کہ مبادا میرے لینے کی وجہ سے کوئی مستحق محروم رہجائے۔ لیکن جو شخص

جود و کرم میں معروف ہوتا اور کسی مستحق کے محروم ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا اس سے جی کھولکر لیتے۔ شیخ قطب الدین دمشقی شرعۃ الاسلام میں بعینہٖ یہی تعلیم فرماتے ہیں۔ انکا قول ہے کہ بخیل کی دعوت قبول نہ کرے۔ کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ "سخی کا کھانا دوا ہے اور بخیل کا کھانا بیماری اور مرض ہے"۔ بالآخر آپ کی یہ رائے ہو گئی کہ بخیل سے بھی لینا چاہئے۔ اور نیت یہ ہو کہ شاید اسکی برکت سے حق تعالیٰ اسکو بخل کی مذموم صفت سے نجات دے۔ آپ کی عادت تھی کہ اعمال شاقہ بجالاتے اور انکا التزام فرماتے۔ صاحب رشحات نے ایک بڑے عالی پایہ بزرگ سے نقل کیا ہے کہ رجال الغیب ہمیشہ کسی ایک مرد صالح کی صحبت میں رہتے ہیں جو عزیمت پر عمل کرتا ہو۔ (یعنی اس عمل کو اختیار کرے جسکا بجالانا نفس پر شاق گذرے) اور رخصت نہ ڈھونڈتا ہے۔ جو لوگ رخصتوں کو شریعت میں ڈھونڈھ کر انپر عمل کرتے ہیں (یعنی تساہل سے کام لیتے ہیں) رجال الغیب ان لوگوں سے دور رہتے ہیں۔ رخصت پر عمل کرنا کمزوروں کا کام ہے۔ خواجگان قدس اللہ اسرارہم کا طریقہ عزیمت پر عمل کرنا ہے۔

مؤلف کہتا ہے یہاں ایک لطیفہ ذہن میں آیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ رخصت پر عمل کرتے ہیں حصول مقصود ان سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رخصت پر عمل کرنے سے نفس کو ایک گونہ لذت حاصل ہوتی ہے اور یہ بات اسکی خواہش کے مطابق ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نفس کو خوش کرنے یا خواہش نفسانی کی پیروی کرنے سے کیا اثر پیدا ہوتا ہے۔

آپ کسی پر غصہ نہیں ہوتے تھے۔ گالیاں دینا یا مارنا پٹینا تو ایک بڑی بات ہے۔ اگر کسی پر ناراض ہو جاتے تو غندہ پیشانی سے اسکو رخصت کر دیا کرتے۔ اہل دولت کے ساتھ ظرافت سے پیش آتے تاکہ وہ یہ دیکھکر ان سے بے اعتقاد ہوں اور پھر نہ آئیں۔ آپ عام طور پر مرید نہیں بناتے تھے لیکن جو اخلاص سے استفادہ کرنیکا خواہاں ہوتا اس سے فیض دریغ نہ کرتے۔ چنانچہ بہت سے لوگ آپ کے فیض سے بہرہ یاب ہوئے ہیں۔ صاحب رشحات نے خواجہ عبد الخالق غجدوانی رہ سے اسی کے موافق نقل کیا ہے۔ خواجہ عبد الخالق کا قول ہے کہ پیری مریدی کا دروازہ بند کر دو۔ لیکن فیض جاری رکھو۔ خلوت کو چھوڑ کر صحبت سے لوگونکو مستفید کرو۔ مولانا عبد الغفور نے رضی الدین کے تکملہ میں لکھا ہے کہ عارف جامی کسی شخص کو

تلقین نہیں فرمایا کرتے تھے باوجودیکہ مولانا سعدالدین سے انکو تلقین کرنے کی اجازت حاصل تھی۔ اور غیب سے بھی ماذون تھے۔ لیکن اگر کوئی مرید صادق ملجاتا تو اسکو پوشیدہ طور پر تلقین و ارشاد فرماتے تھے۔ اس کا باعث ان کی لطافتِ طبع تھی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم شیخ کی ذمہ واری اُٹھا نہیں سکتے۔

آپ کی عادت تھی کہ زینت کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی عقیدت مند بطور تحفہ پان خدمت میں حاضر کرتا تو پان کو اسیطرح پر کھاتے کہ ہونٹوں پر اسکی سرخی ظاہر نہ ہو۔ آپ کا قول ہے کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے اگر مجھکو چاہتے ہو تو زینت ترک کردو۔ اسی وقت سے میں نے زینت کو ناپسندیدہ خیال کیا ہے۔ اور نہیں چاہتا کہ ہونٹوں پر پان کی سُرخی ظاہر ہو۔ آپ کی عادت تھی کہ دشمنوں کو نیکی سے یاد فرمایا کرتے۔ کسی شخص کے آگے اسکی تعظیم کے لئے نہیں اُٹھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ دولتمند کے لئے بے اختیار اُٹھ کھڑے ہونے کو جی چاہتا ہے اور مسکین غریب کیلئے بادل ناخواندہ اُٹھتا ہوں اسلئے میں نے سرے سے کھڑا ہونا ترک کردیا تاکہ اس کشمکش سے فارغ ہوجاؤں۔

مؤلف کہتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا عجمیوں کا دستور ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ کسیکی دعوت قبول نہیں فرماتے تھے۔ مؤلف کہتا ہے۔ اگرچہ دعوت کا قبول کرنا مسنون ہے لیکن متاخرین نے فتوےٰ دیا ہے کہ چونکہ اس زمانے میں اکثر مجلسیں شر و فساد سے خالی نہیں ہوتیں اسلئے دعوت کو نہ قبول کرنا بہتر ہے۔ آپ کی عادت تھی کہ اپنے لئے کوئی علٰحدہ برتن کھانے پینے کے لئے نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ جن برتنوں میں غریب مسکین کھانا کھاتے آپ بھی انہی میں کھانا تناول فرماتے۔ اپنے لئے کوئی حویلی یا باغ یا روضہ آپ نے نہیں بنایا۔ جب آپکا سن مبارک سو سال سے متجاوز ہوا تو بعض خاموں نے روضہ بنوانے کے لئے عرض کیا لیکن آپنے منظور نفرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ جہاں خدائے پاک کی مرضی ہوگی خود بخود سامان ہوجائیگا۔ جب کوئی دعوت عام کرتے تو مسکینوں اور دولتمندوں کو یکساں کھانا نہیں دیتے تھے بلکہ طالب علموں اور

مسکینوں کو چرب اور لذیذ کھانوں سے مخصوص فرماتے۔ کیونکہ ان بیچاروں کو اس قسم کا عمدہ کھانا بہت کم میسر آتا ہے۔ جب یہ لوگ کھا چکتے تب بقیہ طعام کو اہل دولت میں تبرکاً تقسیم فرماتے اور وہ اس تبرک کو غنیمت سمجھکر مسکینوں کے پس خوردہ کو نہایت آرزو سے قبول کرتے۔ آپ کھانا تیار کرنیکے لئے نہایت قیمتی مصالحہ خرید فرمایا کرتے اور فرماتے کہ خدا کی راہ میں مرغوب چیز دینی چاہئے۔ آپ کی عادت تھی کہ کسی شخص کی حاجت روائی کے لئے فاتحہ نہیں پڑھاتے تھے۔ مؤلف کہتا ہے کہ نقشبندیہ کی کتابوں میں یہ بات اکثر پائی جاتی ہے لیکن دوسری کتابوں میں جو فقیر کی نظر سے گذری ہیں یہ ذکر نہیں دیکھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے سند صحیح سے فاتحہ پڑھنا ثابت ہوا ہے۔ البتہ دعا کرنا ثابت ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ ہاتھ اُٹھا کر خدائے پاک سے حاجت طلب کرے۔ لیکن فاتحہ کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر الحمد للہ آخر تک پڑھے ہے اور اسی پر اعتراض ہے۔ مطلق دعا کرنے میں کوئی کلام نہیں۔ میرے اُستاد شیخ عبد الفتاح منیری فرمایا کرتے تھے کہ نصاب الاحتساب میں لکھا ہے کہ لوگوں کے قضائے حاجات کیلئے اس ہیئت مخصوص سے فاتحہ کا پڑھنا بدعت ہے۔ آپ کی عادت تھی کہ جس کام میں آپ کو چھینک آجاتی اُس کام کو آپ خواہ مخواہ کرتے۔ مؤلف کہتا ہے فتاویٰ برہنہ میں لکھا ہے کہ چھینک ایک معتبر گواہ ہے۔ جس کام کے شروع کرتے وقت دو چھینکیں آجائیں تو یہ گویا دو گواہ اس کام کے مبارک اور اچھے ہونے کے ہیں۔ جن لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ کسی جگہ جانے لگتے ہیں اور ان کو چھینک آجاتی ہے تو وہ رُک جاتے ہیں اور وہ کام نہیں کرتے یہ لوگ بُرا کرتے ہیں۔ اور بعض علما کا قول ہے کہ کافر ہو جاتے ہیں۔ لیکن انکے گنہگار ہونے میں تو شبہہ نہیں۔ عمدہ کتاب میں اسیطرح لکھا ہے۔ آپ کی عادت تھی کہ غریب لوگوں کا تحفہ اور نیاز قبول کرتے۔ لیکن دولتمند لوگ اگر سینکڑوں اور ہزاروں روپے بھی نذر کرتے تو انکو منظور نہ فرماتے۔ کسیکو خود بلاتے اور کسیکو پرے دور ہٹاتے۔ کوئی شخص اس بھید پر مطلع نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ کوئی صاحب جاہ خواہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہوتا آپ پر اسکا کچھ اثر نہ ہوتا بلکہ اُلٹا وہ خود متاثر ہوتا۔ مؤلف کہتا ہے میں نے بچشم خود دیکھا کہ بعض

بڑے بڑے دنیاوی مراتب رکھنے والے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ سے دوچار ہوتے ہی ان کے اندامون پر لرزہ پڑ جاتا اور بعض اوقات اگر چاہتے تو ان کو مجلس سے نکلوا دیتے اور کسی قسم کا خوف وخطر آپ کے دل میں نہیں آتا تھا۔ بعض سے بنابر مصلحتِ وقت آشنائی اور دوستی کا اظہار کرتے تو پھر ایک لمحہ میں نمایاں تغیر نظر آنے لگتا۔ اور ایسا معلوم ہوتا گویا اسکو پہچانتے تک نہیں۔ اگر کسی شخص سے کوئی تقصیر سرزد ہوتی تو عفو اور درگذر سے کام لیتے گویا کوئی قصور واقع نہیں ہوا۔ یہ باتیں سوائے حصول عرفان کے میسّر نہیں آتیں۔ سمجھ لو کہ عارف کا دل ایک آئینہ ہوتا ہے جو ناخوش اور ناراض ہونے کی حالت میں اپنا مُنہ پھیر لیتا ہے لیکن اسکی صفائی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس میں کوئی صورت منقوش نہیں ہوئی تھی۔ اور خوشنودی کی حالت میں پھر وہی صورت منقوش ہو جاتی ہے۔ بہرکیف دونوں حالتوں میں آئینہ کی صفائی میں فرق نہیں آتا۔ اسی واسطے کہا گیا۔ "عارف کہ برنجد تنک آب است ہنوز۔" (جو عارف خفا ہو جایا کرے وہ پتلے پانی کیطرح ہے) عارف کی رنجیدگی بظاہر رنجش معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت حکمت اور عدالت ہوتی ہے۔

# تیسرا فائحہ

## بیان حلیۂ مبارک

آپ کا سر درمیانہ۔ پیشانی معتدل۔ بھوں ملے ہوئے جنکے بیچ میں نیزے کے مشابہ لکیریں تھیں۔ اس شکل کے بزرگ۔ آنکھیں معتدل اور مخمور۔ سیاہی چشم نہایت سیاہ اور سفیدی نہایت سفید۔ آنکھوں میں خصوصاً کثرت سے بیدار رہنے کے سبب سے سُرخی نظر آتی تھی جو زیادتی حسن کا باعث تھی۔ آپ کی آنکھیں اس قسم کی تھیں جنکو چشم شہلا کہتے ہیں

اور جو دلکش ہونے میں ضرب المثل ہیں۔ آپ کا ناک اور منہ درمیانہ۔ ہونٹ باریک اور سرخ
کان بڑے بڑے تھے۔ دوسرے شخص کے اسقدر بڑے کان کمتر دیکھے گئے ہیں۔ بعض کا
قول ہے کہ یہ درازیٔ عمر کی علامت ہے چنانچہ قیافہ کی کتابوں میں بھی لکھا ہے اور چونکہ
آپ کی عمر سو سال سے متجاوز ہو گئی تھی اسلئے یہ صحیح اور قرین قیاس بھی ہے۔ آپ کا
رنگ گندم گون چمکتا ہوا گویا سونیکے ٹکڑے کو صیقل کیا گیا ہے۔ خندہ رُو۔ متوسط ڈاڑھی
کلام بہ اعتدال۔ چوڑا سینہ۔ درمیانہ قد۔ آواز متوسط۔ خوبصورت ہنس مکھ۔ باہیبت
اسقدر کہ جب بڑے بڑے ذی جاہ خدمت میں حاضر ہوتے تو انپر لرزہ طاری ہو جاتا۔ کریم
الاخلاق۔ یتیموں اور غریبوں پر مشفق اور مہربان۔ ہمنشیں کی عزت کرنے والا۔ نرم دل جلدی
گریہ کرنے والا۔ خدا سے ڈرنے والا۔ بڑا عالی ہمت۔ مستجاب الدعوات۔ اغنیاء اور متکبرین
سے بہت دور رہنے والا۔ غریبوں اور مسکینوں کو سب سے زیادہ پیار کرنے والا۔
اپنے لئے کبھی غصہ نہیں کرتے تھے اور کبھی سائل کو ناکام اور محروم نہیں جانے دیتے
تھے۔ مؤلف کہتا ہے جہانتک میں نے حضرت غوث الثقلین کے حالات پڑھے
ہیں آپ کا حلیہ مبارک اُن کے بہت مشابہ تھا۔

کتاب ذخیرۃ الملوک میں جو عارفِ ربانی حضرت علی ہمدانی کی تصنیف ہے، بعض رسائل
قیافہ سے منقول ہے کہ سر کا درمیانہ ہونا عقلمندی کی علامت ہے۔ درمیانہ پیشانی بھی
عقل و دانش کی دلیل ہے۔ ملے ہوئے بھوں نکتہ رس ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔
مؤلف کہتا ہے۔ میں نے ایک بزرگ سے سُنا ہے کہ بھوؤں کے درمیان نیزہ کے مشابہ
لکیریں بقول حکما رہنر ریاست اور کمال کی علامت ہے۔ جو آنکھ زیادہ سیاہ نہ ہو بلکہ ہرن
کی آنکھ سے مشابہ ہو یہ عقلمندی کا نشان ہے۔ عام طور پر محبوب کی آنکھوں کو چشم آہو سے
تشبیہ دیجاتی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بقدر مناسب سیاہ ہو اور نیلاہٹ یا زردی کا
اختلاط اسمیں نہ ہو۔ آنکھ کی سرخی دلیری اور شجاعت کی علامت ہے اور مخمور آنکھ متفکر
ہونے کی دلیل ہے اور اس سے لطافت طبع ثابت ہوتی ہے۔ چشم شہلا سب سے بہتر آنکھ
شمار کی جاتی ہے۔ ناک کا معتدل ہونا اسبات کی دلیل ہے کہ اسکے تمام حواس معتدل ہیں۔

منہ کا معتدل ہونا استقامتِ مزاج کی علامت ہے۔ باریک ہونٹ عقلمندی پر دلالت کرتے ہیں اور انکی سرخی نہایت اچھی سمجھی جاتی ہے۔ بڑے بڑے کان درازئ عمر اور تیز فہمی کا پتہ دیتے ہیں۔ رنگ گندم سے جوانمردی معلوم ہوتی ہے۔ گول ڈاڑھی تمکین و وقار اور سنجیدگی کی علامت ہے۔ کم گو اور معتدل الکلام ہونا فطرتِ سلیم کا ثبوت ہے۔ صاف آواز در میانہ۔ اخلاق حمیدہ کی علامت ہے اور چوڑے چکلے کندھے قوت کا نشان ہے۔

**فائدہ**۔ چونکہ بعض آدمیوں میں صفات حمیدہ اور اخلاق رذیلہ دونوں کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ اسلئے رسالہ مذکور کے مصنف نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جس قسم کی علامتیں اغلب اور اکثر ہوں اسی کا حکم سمجھنا چاہئے۔ اور اگر برابر ہوں تب بھی صفات حمیدہ کو غالب سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ ایک صفت محمودہ دو خلق ذمیمہ کو دور کر دیتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ (نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں)۔

# چوتھا فاتحہ

## حضرت کے اوراد اور ادعیہ کا بیان

مندرجہ ذیل دعا آپ ہی کی ایجاد ہے جسکو آپ دوسری دعاؤں کے ساتھ شامل کر کے پڑھا کرتے تھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الٰہی اللہ را و کرم اللہ را بپیش اللہ میخواہم۔ الٰہی مرا بایں نعمت بنواز بنواز بنواز اما آنچناں بنواز غریب نواز کہ آں نوازش نزدیک اللہ کمال لازوال باشد و دراں رضامندی اللہ کمال لازوال باشد آمین ربنا آمین ربنا آمین ربنا۔ الٰہی بجانب ما مبیں و بجانب کرم خویش بہ بیں اگرچہ من لائق ایں نیستم اما کرم اللہ بر ما لائق است۔ الٰہی رسول را و کرم رسول را بپیش اللہ میخواہم۔ الٰہی مرا بایں نعمت بنواز بنواز بنواز اما آنچناں بنواز غریب نواز کہ آں نوازش نزدیک اللہ کمال لازوال باشد و دراں رضامندی اللہ کمال باشد آمین ربنا آمین ربنا آمین ربنا۔ الٰہی دلِ ما را عقلِ ما را شعورِ ما را فکرِ ما را وہمِ ما را خیالِ ما را جانِ ما را مالِ ما را فرزندانِ ما را خویشانِ ما را

متعلقانِ مارا آشنایانِ مارا دوستانِ مارا دشمنانِ مارا ہرچہ مارا ست مارا و جمیع مسلمانان را بجانب
خویش گرداں اماّ آنچناں گرداں کہ آں گردانیدن نزدیک اللہ کمال لازوال باشد ووراں رضامندی
اللہ کمال لازوال باشد آمین ربنا آمین ربنا آمین ربنا۔ الٰہی ریا از ما دور کن اماّ آنچناں دور کن
کہ آں دور کردن نزدیک اللہ کمال لازوال باشد ووراں رضامندی اللہ کمال لازوال باشد
آمین ربنا آمین ربنا آمین ربنا۔ الٰہی خطرۂ غیبت از ما دور کن و بردار اماّ آنچناں بردار کہ آں برداشتن
نزدیک اللہ کمال لازوال باشد ووراں رضامندی اللہ کمال لازوال باشد آمین ربنا آمین ربنا آمین
ربنا۔ الٰہی شجاعتے وسخاوتے ہمتے حلیمئے حیائے دِہ اماّ آنچناں دہ کہ دادن نزدیک اللہ کمال لازوال
باشد ووراں رضامندی اللہ کمال لازوال باشد آمین ربنا آمین ربنا آمین ربنا۔ الٰہی محبتِ خدا و محبتِ
رسولِ خدا دِہ اماّ آنچناں دہ کہ آں محبت نزدیک اللہ کمال لازوال باشد ووراں رضامندی اللہ
کمال لازوال باشد آمین ربنا آمین ربنا آمین ربنا۔ الٰہی خدارا و دوستانِ خدارا و رسول را و دوستانِ
رسول را برما مہربان گرداں اماّ آنچناں مہربان گرداں کہ آں مہربانی نزدیک اللہ کمال لازوال باشد
ووراں رضامندی اللہ کمال لازوال باشد آمین ربنا آمین ربنا آمین ربنا۔ الٰہی توفیقے دِہ تا ترا
بپرستم کہ بے توفیق تو پرستیدن نتوانم اماّ آنچناں توفیقے دہ کہ آں توفیق نزدیک اللہ کمال لازوال
باشد ووراں رضامندی اللہ کمال لازوال باشد آمین ربنا آمین ربنا آمین ربنا۔ الٰہی معرفتے دِہ تا
ترا بشناسم بے تعریفِ تو شناختن نتوانم اماّ آنچناں تعریفے کہ آں تعریف نزدیک اللہ کمال لازوال باشد
ووراں رضامندی کمال اللہ لازوال باشد آمین ربنا آمین ربنا آمین ربنا۔ ربنا ولا تحملنا ما لا
طاقۃ لنا بہ (اس کا ترجمہ اپنی زبان ہندی میں اسطرح فرماتے تھے) اے بار خدایا! ہمکو ایسا بوجھ
مت دیو جو ہم سوں نہ اُٹھ سکے (اسکو معہ ترجمہ ہندی تین بار دوہراتے) الٰہی ارنا الاشیاء کما ھی
(اسکا ترجمہ بھی ہندی میں کرتے) اے بار خدایا! ہمکو حقیقت ہر شئے کی دکھلاؤ تاکہ ہم اسپر عمل کریں۔
(اسکو بھی معہ ترجمہ ہندی تین بار دوہراتے) اس دعا کو ختم کرکے فالِ نیک حاصل کرنے کی
غرض سے خود ہی فرماتے۔ اللہ غریب نواز کا حکم اسطرح صادر ہوا کہ جو کچھ تم مانگتے ہو اور جو کچھ
ہمارے نزدیک بہتر اور خوشتر ہے وہ ہمنے تمہیں عنایت کیا اس سے سرفراز فرمایا۔ ہمنے دیدیا۔
دے دیا دے دیا۔ اسیطرح بلند آواز سے کہتے چلے جاتے تھے۔ علےٰ ہٰذا القیاس آمین ربنا آمین ربنا۔

بھی باآوازِ بلند دوہراتے۔ چنانچہ رات کے پچھلے حصے میں حویلی سے باہر مدرسہ میں آپ کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس نیک فالی حاصل کرنیکے وقت اسطرح خیال کرتا ہوں کہ نعمتہائے الٰہی کا میں ہی مورد ہوں اور نعمتیں مجھپر بارش کیطرح برس رہی ہیں اور مجھکو چاروںطرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

مذکورہ بالا مناجات اقدس کے بعد ہندی عربی فارسی زبانوں میں مختلف مناجاتیں پڑھتے، دوہراتے اور نظم بھی زبان مبارک پر آتے لیکن وہ سب ہم نہیں لکھ سکتے اور نہ کوئی ان سب کو باالالتزام پڑھ سکتا ہے۔ البتہ بعض ان میں سے بطور نمونہ لکھی جاتی ہیں۔ جب آپ طلب علم کے لیئے سفر کر رہے تھے تو آپ کو ہندی زبان میں مندرجہ ذیل الہام ہوا تھا۔ "نہ کچھ کیا ہے نہ کچھ کریگا نہ کچھ ہوا نہ کچھ ہوگا۔ کرنیوالا اور کون۔ توں بچارا کون۔ چاہا سو کیا۔ چاہیگا سو کریگا۔ چاہا سو ہوا۔ چاہیگا سو ہوگا۔ چاہا سو نواز۔ چاہیگا سو نوازیگا۔ چاہا سو اپنی محبت دی۔ چاہیگا سو اپنی محبت دیگا۔ چاہا سو اپنا کیا۔ چاہیگا سو اپنا کریگا۔ چاہا سو اپنا کرلیا۔ چاہیگا سو اپنا کرے گا برحمتک یا ارحم الراحمین"۔ ان الفاظ میں جہاں اور کا لفظ ہے مناجات کرتے وقت آپ اسکی بجائے حق کا لفظ زبان پر لاتے۔ اور یہ لفظ کہ "اپنا کرلیا" اور "برحمتک یا ارحم الراحمین" یہ بھی آپ نے اپنی طرف سے بڑہائے ہیں۔

**ودیگر**۔ الٰہی میں اللہ کو اللہ ہی کنوں مانگتا ہوں۔ حکم ہوا کہ پایا۔ الٰہی میں رسول خدا کو خدا ہی کنوں مانگتا ہوں۔ حکم ہوا کہ پایا۔ الٰہی جہانتک مسلمان ہے تہنکو اپنی محبت بخش۔ حکم ہوا کہ پائی۔ الٰہی جہان تلک تیرے بندے ہیں تہنکو ہدایت نصیب کر۔ حکم ہوا کہ پائی۔ صدقے کیا قربان کیا۔ وار وار والیا۔ بلبل کیا کرم کمال اپنی حق صاحب غریب نواز کے اوپر۔" ہر ایک فقرہ کے بعد لفظ "حکم ہوا کہ پایا" تفاول کے طور پر فرمایا کرتے تھے۔

**ایضاً**۔ "جوئی جوئی موسوں بات کری موری ہیری موہاتھ کھانے مورا میاں صاحب پیارا ری صدقے کیا دار وار والیا کرم کمال۔ اپنی حق صاحب غریب نواز کے اوپر"۔

**ایضاً**۔ "میرا من تو تیرا ناہیں موہ میرا تیرا اینا لو جو نیری ہی اگی"۔ ایک مرتبہ آپنے ایک ہندو لڑکے کو جو حسن وجمال سے بہرہ ور تھا مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے تھے۔ سبب در حقیقت

استفہام انکاری ہے اور اس کا ماحصل یہ ہے کہ تمنے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا (بلکہ وہ ایک معنوی طاقت ہے جس نے میرا دل مائل کر لیا ہے)۔

آپ جو لفظ بھی سنتے تھے اُس سے نیک فال لیتے تھے۔ اگر کوئی لفظ بظاہر فال بد کا ایہام دلاتا تب بھی آپ اپنی خداداد ذہنی قابلیت سے اسکو فال نیک پر محمول کرنے کی تاویل کر لیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کیا ضرورت ہے کہ ہم فال بد کا پہلو اختیار کریں۔ ہمیں چاہیئے کہ اِسے اچھے امید افزا معنوں میں لیں۔ اہل دنیا اپنے مقاصد دنیاوی کے متعلق کسی قسم کی فال بد لینا پسند نہیں کرتے تو جو لوگ دین کے طلبگار ہیں وہ کیوں ایسا نہ کریں۔

جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

مزن فال بد کاورد حال بد          مباد اکسے کو زند فال بد

(بد فال پر توجہ نہ کرو اس سے تمہارا حال بُرا ہو گا جو شخص بد فالی پر مائل ہوتا ہے وہ جہان سے اُٹھ جائے) ظاہر عبارت پر ہرگز نظر نہ کرنا چاہیئے۔ مولوی معنوی کا قول ہے ؎

قافیہ اندیشم و دلدار من          گویدم مندیش جز دیدار من

(میں تو قافیہ بندی اور تُک سازی کی دھن میں لگا ہوا ہوں لیکن میرے محبوب کا پیام دل نواز یہ ہے کہ میرے دیدار کو چھوڑ کر دوسری کسی چیز کا فکر مت کیجیو) مشہور ہے کہ ؎

بر حال کن تو گوششِ بگذار این مقال          بر اشہدِ تو خندہ زند اسہدِ بلال

(حضرت بلالؓ کا اَسْہَدُ کو اذان کہتے وقت اَسْہَدُ تلفظ کرنا تمہارے اَشْہَدُ کہنے سے بڑھکر ہے بلکہ اسکا تمسخر اوڑاتا ہے) سب سے زبردست دلیل یہ حدیث شریف ہے کہ اِنّ اللہ لا ینظر الی صورکم و اعمالکم و لکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم (خدا تمہاری ظاہری صورت اور ظاہری عملوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے۔

آپ کی مناجات میں ایک جگہ یہ لفظ ہے "الٰہی خطرۂ غیریت از ما بردار" ۔ کہ غیریت کو ہمسے دور کر دے۔ چونکہ اسکے معنے بعض دوستوں کی سمجھ میں نہیں آئے اسلئے اسکی تحقیق لکھی جاتی ہے۔ پہلے یہ تحقیق لکھی جا چکی ہے کہ تمام عالم کے افعال اور صفات حقتعالے کے افعال و صفات کے لئے بمنزلۂ قالب کے ہیں۔ اسیطرح تمام کائنات کا وجود بمثل ایک

عاریتی چیز کے ہے۔ شیخ علاؤ الدولہ کمندی قدس سرہٗ نے عروۃ الوثقیٰ میں اسکی ایک مثال بیان کی ہے کہ مثلاً ایک بادشاہ نے اپنے ایک غلام کو نوکر چاکر گھوڑے اور دوسرے لوازم شان وشوکت عنایت کئے اور وہ ایک خاص طمطراق سے عید کے روز باہر نکلا۔ جو لوگ حقیقتِ حال سے بے خبر ہوں گے وہ سمجھیں گے کہ یہ خدم وحشم اسی غلام کے ہیں لیکن واقف کار یہی کہینگے کہ خدم وحشم کا تو ذکر ہی کیا ہے خود اس غلام کا وجود اپنا نہیں بلکہ اسکا مالک ایک اور شخص ہے"۔ پہلی مثال ظاہر بین صورت پرستوں کی ہے اور دوسری مثال حقیقت شناسانِ عین الیقین کی ہے۔ حضرت مرشدنا قدس سرہٗ کا رفع غیریت سے یہی مطلب ہے کہ بار خدایا! ہمارے حواس کے اس تعلق کو بمقتضائے بشریت مخلوقات کی ذات وصفات سے وابستہ ہے اور اسلئے ہمیں بظاہر مخلوق ہی کے افعال مؤثر نظر آتے ہیں اور تیرے افعال روپوش بنے ہوئے ہیں۔ اپنے کمال فضل وکرم سے ہمارے اس تعلق کو محو فرما دے تاکہ افعال کے متعلق ہم شرک کا ارتکاب نہ کریں اور اسطرح وحدت افعالی جلوہ گر ہو۔ علیٰ ہذا القیاس مخلوق کی صفات کی وقعت ہمارے دلوں سے دور کردے تاکہ وحدتِ صفاتی کو ہم مشاہدہ کریں۔ اسیطرح ان کے وجود اور انکی ذوات کو ہمارے وہم اور خیال سے نکال دے تاکہ ہم عین الیقین سے مشاہدہ کرلیں کہ ان کائنات کا وجود استقلالی نہیں بلکہ محض عاریت ہے۔ تیری رحمت اگر ہمارے شامل حال ہو تو اسطرح وحدت ذاتی کی تجلی رونما ہوسکتی ہے۔ لبید کا مشہور شعر اسی جگہ صادق آتا ہے "اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہُ بَاطِلٌ" (خبردار خدا کے سوا ہر ایک چیز باطل ہے) اب دیکھئے آپ کے کلام کا ایک لفظ کسقدر حقائق پر مشتمل ہے۔ قلم تو چاہتا ہے کہ جولانی کر کے بہت سے حقائق سے پردہ اُٹھا دے لیکن تطویل کا خوف ہے۔

آیت کریمہ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ کی خود تفسیر فرمایا کرتے تھے۔ کہ اے بار خدایا! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جسکو ہم برداشت نہ کرسکیں۔ یہ اسطرح کہ تیری نظرِ رحمت ہمسے پھر جائے۔ کیونکہ جب تک تیری رحمت ہمارے ساتھ ہے خواہ کیسی ہی تکلیف ہمیں کیوں نہ پہونچے ہم اسکو بآسانی برداشت کرسکیں گے۔

دعائے عکاشہ جسکو ہم ذیل میں لکھتے ہیں آپکا معمول تھی۔ عکاشہ چونکہ ایک مشکل لفظ معلوم ہوتا ہے اسلیئے اسکی تحقیق لکھی جاتی ہے۔ منتخب اللغات میں لکھا ہے کہ عُکاشہ بضم عین اور تشدید کاف یا تخفیف کاف ایک اصحابی کا نام ہے جو عکاشہ بن محصن سے مشہور ہے۔ اصل میں اسکے معنے مکڑی کے ہیں۔ پھر سین کے باب میں لکھا ہے کہ عکاسہ بالضم مکڑی کو کہتے ہیں۔ نیز ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اور بالفتح ایک شخص کا نام ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شین یا سین دونوں سے یہ نام آیا ہے۔ دُعا یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللھم یا کثیر النوال و یا دائم الوصال و یا حسن الفعال و یا رازق العباد علی کل حال و یا بدیع بلا مثال و یا قائم بلا زوال اللھم ان دخل الشك فی ایمانی بك ولم اعلم به تبتُ عنه و اقول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللھم ان دخل الکفر فی اسلامی بك ولم علم به تبتُ عنه و اقول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللھم ان دخل الشرك فی توحیدی ایاك ولم اعلم به تبت عنه و اقول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللھم ان دخل العجب والسمعة فی عملی ولم اعلم به تبت عنه و اقول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللھم ان جری الکذب والغیبة والفحش علی لسانی ولم علم به تبت عنه و اقول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

خدائے مہربان کے نام سے۔ بارخدایا! بڑی بخشش والے۔ ہمیشہ وصل رکھنے والے پسندیدہ افعال والے۔ ہر ایک حالت میں بندوں کو رزق پہنچانیوالے بغیر کسی سابق مثال کے مخلوق پیدا کرنیوالے دائم و قائم خدا اگر نادانستہ میرے ایمان میں کچھ خلل آگیا ہو تو میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔ بارخدایا اگر نادانستہ میرے اسلام میں کفر نے دخل پالیا ہو تو میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔ بارخدایا اگر نادانستہ میری توحید میں شرک کی آمیزش ہو گئی ہو تو میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔ بارخدایا اگر نادانستہ میرے اعمال میں خود بینی اور ریا کا دخل ہو گیا ہو تو میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔ بارخدایا اگر نادانستہ میری زبان سے جھوٹ یا غیبت یا فحش کا کلمہ نکل گیا ہو تو میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔

اللھم ان دخل الخطر والوسوسۃ
فی صدری ولم اعلم بہ تبت عنہ
واقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اللھم ان دخل التشبیہ فی معرفتی
ولم اعلم بہ تبت عنہ واقول
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اللھم ان دخل النفاق فی قلبی من
ذنوبك الکبائر والصغائر کلھا ولم
اعلم بہ تبت عنہ واقول
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اللھم ان دخل الریاء فی افعالی بك و
لم اعلم بہ تبت عنہ واقول لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ - اللھم ما عملت
من سوء ولم اعلم بہ تبت عنہ
واقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اللھم ما امرت لی من خیر فلم اشکرہ
ولم اعلم بہ تبت عنہ واقول لا الہ
الا اللہ محمد رسول اللہ - اللھم ما قدرت
علی من امر فلم ارضہ ولم اعلم بہ
تبت عنہ واقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اللھم ما اولیتنی من نعمائك فغفلت
عن شکرك ولم اعلم بہ تبت
عنہ واقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بار خدایا اگر نادانستہ کوئی خطرہ یا وسواس میرے
سینہ میں جاگزیں ہو گیا ہے تو میں اس سے
تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔
بار خدایا اگر نادانستہ میری معرفت میں تشبیہ
مل جل گئی ہے تو میں اس سے تائب ہو کر
کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔
بار خدایا اگر نادانستہ کسی کبیرہ یا صغیرہ گناہ
کے ارتکاب سے میرے دل میں نفاق بیٹھ
گیا ہے تو میں اس سے تائب ہو کر
کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔
بار خدایا اگر نادانستہ میرے افعال میں ریا کی
آمیزش ہو گئی ہے تو میں اس سے تائب
ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔ بار خدایا اگر میں نے
نادانستہ کوئی برا عمل کیا ہے تو میں اس سے
تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔
بار خدایا جو کچھ تو نے میرے لئے بھلائی مقدر
کی اگر میں نے نادانستہ اسکا شکر نہیں کیا
تو میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔ بار خدایا
جو کچھ تو نے میرے لئے مقدر فرمایا اور میں نے نادانستہ
اسکو متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید
پڑھتا ہوں - بار خدایا جو نعمتیں تو نے مجھکو
عطا کیں اگر میں نادانستہ انکے شکر سے غافل ہوا
تو میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں

اللّٰھم ما انعمت علیّ معصیته ولم اعلم به
تبتُ عنه واقول لآ اله الا الله محمد رسول الله
اللّٰھم ما اولیتنی من آلآئك ولم اُؤد
حقه ولم اعلم به تبت عنه واقول
لآ اله الا الله محمد رسول الله
اللّٰھم مامننت علی به من الحسنیٰ فلم
احمدك ولم اعلم به تبت عنه
واقول لآ اله الا الله محمد رسول الله
اللّٰھم ماضیعت من عمری بما لم
ترض به ولم اعلم به تبت عنه
واقول لآ اله الا الله محمد رسول الله
اللّٰھم ما اوجبت علی من النظر فغمضت
عنه ولم اعلم به تبت عنه واقول
لآ اله الا الله محمد رسول الله
اللّٰھم ما قصرت من املی فی رجائی
من غیرك ولم اعلم به تبت عنه
واقول لآ اله الا الله محمد رسول الله
اللّٰھم ان اعتمدت علی سواك فی
الشدائد ولم اعلم به تبت عنه
واقول لآ اله الا الله محمد رسول الله
اللّٰھم ان استعنت من غیرك فی
النوائب ولم اعلم به تبت عنه
واقول لآ اله الا الله محمد رسول الله

بار خدایا جو کچھ تو نے مجھ پر فضل و احسان کیا
اگر میں نے نادانستہ تیری نافرمانی کی تو
میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔
بار خدایا جو نعمتیں تو نے مجھ پر فائز فرمائیں اگر میں نے
نادانستہ انکا حق ادا نہیں کیا تو میں تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔
بار خدایا جو کچھ تو نے مجھ پر احسان کیا اگر
میں نے نادانستہ تیری حمد نہیں کی تو میں اس سے
تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔
بار خدایا میں نے نادانستہ اپنی عمر تیرے ناپسندیدہ
کاموں میں گنوائی ہے تو میں اس سے تائب
ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔
بار خدایا جس چیز کا دیکھنا تو نے مجھ پر واجب
کیا اور میں نے نادانستہ اس سے آنکھ
بچائی تو میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں
بار خدایا اگر میں نے نادانستہ تیرے غیر سے
کسی بات کی توقع کی تو میں اس سے تائب
ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔
بار خدایا اگر میں نے مصائب میں نادانستہ
سوائے تیرے کسی دوسرے پر بھروسا کیا تو
اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔
بار خدایا اگر میں نے حوادث میں نادانستہ
تیرے سوا کسی غیر سے مدد طلب کی ہے
تو میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں

اللھم ان زلت قدمی فی السوال
من غیرك ولما علم به تبت عنه
واقول لا اله الا الله محمد رسول الله
اللھم ما اصلح شانی بفضلك فرأیته
من غیرك ولما علم به تبت عنه
واقول لا اله الا الله محمد رسول الله
اللھم رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا
وبمحمد علیه الصلوٰة والسلام نبیا
اللھم اغننی بالعلم وزینی بالعلم
واکرمنی بالتقوی وجملنی بالعافیة یا ولی
العافیة یا حیّ یا قیوم یا لا اله الا انت
سبحانك انی کنت من الظلمین - و
صلی الله علی خیر خلقه محمد واٰله اجمعین
استغفر الله ربی من کل ذنب اذنبته
عمدًا وخطاءً وسرًا وعلانیةً واتوب الیه
من الذنب الذی اعلم ومن الذنب
الذی لا اعلم انك انت علام الغیوب
ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم

ایک اور دعا جو مؤلف کو تلقین فرمائی :-

بسم الله الرحمن الرحیم اللھم ارزقنی علمًا نافعًا
وفهمًا کاملًا وطبعًا شفیعًا وقلبًا سلیمًا ولسانًا صادقًا
وعملًا متقبلًا ونفسًا واعیة الی تحصیل
العلوم برحمتك یا ارحم الراحمین ط

بارخدایا اگر میرا پائے ثبات ڈگمگا گیا اور میں
نادانستہ سوائے تیرے کسی دوسرے سے
سوال کر بیٹھا تو میں اس سے تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں
بارخدایا جو بات میری تیرے فضل سے سنور گئی
اور میں نے نادانستہ دوسرے سے منسوب کی
اس سے میں تائب ہو کر کلمۂ توحید پڑھتا ہوں۔
بارخدایا میں اللہ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے
اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر
راضی ہوں۔ بارخدایا مجھکو زیور علم سے آراستہ کر
اور دوسروں سے بے نیاز کر دے تقوٰی سے
سرافراز فرما اور عافیت کے جمال سے بہرہ ور کر تو ہی
عافیت کا مالک ہے اے زندہ اور دائم قائم خدا سوائے تیرے اور
کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظالم اور شرمگار ہوں بہترین مخلوق
محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپکی آل پر خدا کی رحمت کا نزول ہو
میں اپنے رب سے تمام گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں عمداً اور خطاً
ظاہر اور پوشیدہ دانستہ اور نادانستہ سب گناہوں سے تائب ہو کر
مغفرت کا خواستگار ہوں بارخدایا تو تمام پوشیدہ باتوں کو
جاننے والا ہے گناہوں سے باز آنا اور عبادت کرنا سب خدا ہی کی توفیق سے ہے۔

---

خدائے مہربان کے نام سے۔ بارخدایا مجھکو علم نافع فہم کامل
مددگار طبیعت قلب سلیم سچی زبان۔ عمل مقبول اور ایسا
نفس جو تحصیل علوم کا خواہاں ہو اپنی رحمت سے عطا فرما
اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان خدا !-

اگر کسی شخص کو کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے میں اضطراب اور تردد ہوتا تھا تو آپ اسکو استخارہ کی تلقین فرماتے (جسکا ذکر آگے آئیگا) لیکن دعا کا عدد سب کو یکساں نہیں بتاتے تھے۔ کسیکو ساٹھ مرتبہ پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔ کسیکو ایک سو ساٹھ۔ کسیکو تین سو۔ اور یاد آتا ہے کہ بعض اوقات تین سو ساٹھ دفعہ پڑھنے کا حکم دیتے لیکن اکثر تین سو مرتبہ پڑھنے کی ہدایت فرماتے۔ مؤلف نے اسکی تاثیر کو کئی مرتبہ مشاہدہ کیا ہے۔ اسکی تفصیل نہیں ہو سکتی لیکن مجملاً یہ ہے کہ یہ عمل ایک رازِ الٰہی ہے پوشیدہ امور کی حقیقت معلوم کرنیکے لئے اس سے زیادہ زود اثر دعا کم ملیگی۔ اگرچہ اس آیت کریمہ کے بموجب کہ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (خدائے پاک کے بہت سے اچھے نام ہیں انہی ناموں سے اُسکو بلایا کرو) تمام اسماءِ حسنٰے بے اثر نہیں ہیں اور ہر ایک اسم الٰہی میں بے انتہا تاثیر ودیعت رکھی گئی ہے لیکن چونکہ ہر ایک اسم الٰہی کی خاصیت جداگانہ ہے اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس اسمِ خاص کی ترتیبِ دعوت حضرت مرشد کو ایک کامل نے تلقین فرمائی اور پھر آپ نے اسکو دستور العمل بنائے رکھا لہٰذا اس اسمِ پاک میں ایک عجیب و غریب خاصیت پیدا ہو گئی ہے جسکی تفصیلی کیفیت بیان کرنے سے زبانِ قلم قاصر ہے۔ لیکن ایک شمہ اسکا لکھا جاتا ہے۔

امیر الدین میرے ایک لڑکے کو جو اسوقت بفضلِ خدا تحصیل علم میں مشغول ہے ایک سخت عارضہ لاحق ہوا۔ ہر چند علاج کیا فائدہ کی صورت نظر نہ آئی۔ ایک رات مجھکو خیال آیا کہ استخارہ کی دعا پڑھ کر اسبارہ میں استکشافِ حقیقت کروں۔ چنانچہ میں اس دعا کو چند مرتبہ پڑھ کر سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ میں ایک کوچے میں کھڑا ہوں اور ایک بزرگ چارپائی پر تکیہ لگائے ہوئے ہوا میں اُڑتا ہوا اس کوچہ میں پہونچا۔ جب وہ ہوا سے اُترا تو میں نے حسب معمول آداب بجالاکر اپنے لڑکے کا حال اس سے استفسار کیا۔ اس بزرگ نے چارپائی سے نیچے اُتر کر فرمایا کہ میرے ساتھ چلو۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ ایک اور بزرگ نمودار ہوئے۔ انکی قد و قامت بالکل حضرت مرشد کے مشابہ تھی۔ ناف سے گھٹنوں تک ایک تہبند باندھ رکھا تھا۔ پہلے بزرگ نے مجھ سے اشارہ کیا کہ آداب بجالاؤ۔ میں نے سلام کیا اور مصافحہ کے لئے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے جو اس بزرگ کے زانوئے راست تک پہونچے اُنہوں نے

بھی ہاتھ پھیلایا اور مصافحہ کیا۔ پہلے بزرگ نے اُنکی خدمت میں عرض کی کہ یہ شخص اس لڑکے کے لئے التماس کرتا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ عرض کر دینگے۔ پہلے بزرگ نے مجھ سے کہا کہ یہ صاحب ابدال کے طائفہ سے ہیں اور انکا نام محمدؐ حاضر ہے۔ جب میری آنکھ کھلی تو مجھے افسوس ہوا کہ ایسے بڑے بزرگ سے میں نے کوئی اعلےٰ مطلب کیوں نہ طلب کیا۔ صبح کے وقت میں نے یہ تمام واقعہ آپ کی خدمت میں عرض کیا اور افسوس کا بھی ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا واقعی افسوس کی بات ہے کہ ایک ایسے بزرگ کی ملاقات میسّر ہو اور اعلےٰ مقصد نہ طلب کیا جائے۔ الغرض اسی دن لڑکا صحیح و تندرست ہو گیا۔ وہ دعا یہ ہے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ یَاسَلَامُ سَلِّمْ عشا کے بعد اپنا سر شمال کی جانب اور مُنہ قبلہ کیطرف کر کے اور داہنے ہاتھ کو سر کے نیچے رکھکر وضو سے سو جائے اور اسکے بعد کسی سے بات چیت نہ کرے اور بہتر تو یہ ہے کہ زمین پر سوئے اگر ضرورت پیش آئے اور کسی کام میں مشغول ہو جائے تو پھر از سرِ نو پڑھ لے۔ غالب ہے کہ تین روز سے پیشتر حقیقتِ حال معلوم ہو جائے گی۔

# فائحہ پنجم

## شاہ صاحب کے مکاشفات اور خرق عادات کے بیان میں

اگرچہ اہلِ کمال کے نزدیک کشف و کرامات کی کچھ وقعت نہیں لیکن جو عارف مخلوق کے افاضہ اور تلقین کے لیئے مامور ہو۔ اس سے ایسی خارق عادت باتیں سرزد ہوتی ہیں جنسے لوگوں کا اعتقاد ان کے حق میں راسخ ہو اور اس سے ان کے کمال میں کچھ نقصان پیدا نہیں ہوتا۔ بر خلاف اسکے سالک کے لئے جو ابھی منازلِ راہ طے کر رہا ہو ظہور خرق عادت خلل کا باعث ہوتا ہے۔ مؤلف نے آپ کی وہ کرامتیں لکھی ہیں جو یا تو خود مشاہدہ کیں یا معتبر دوستوں کی زبانی سُنا۔ سب سے بڑی خرق عادت دنیا میں مشاہدہ الٰہی ہے

یہ بات آپ کے اکثر مخلصوں اور خادموں کو حاصل ہوئی تھی۔ فرق یہ ہے کہ بعض کو
کشف اور عیاں کے طور پر اور بعض کو خواب میں یہ مشاہدہ حاصل ہوا۔ شیخ محمد فیاض
آپ کے داماد تھے۔ انہوں نے اپنی تمام عمر آپ کی صحبت میں بسر کی۔ بہت سے عجیب
غریب حالات دیکھے ہیں۔ ظاہر میں وہ تدریس اور ریاضت میں مشغول رہا کرتے لیکن ان کا
باطن مشاہدۂ حق سے محظوظ رہتا تھا۔ انہوں نے ایک دن آپ کی خدمت میں عرض
کی کہ میں نے خواب میں حقتعالیٰ کو دیکھا کہ وہ آپ کے حق میں فرماتے ہیں کہ اگر فلاں سے
کوئی گناہ واقع ہو تو ہم اسکو عفو کئے دیتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ بار خدایا۔ مبادا
اس سے طوقِ عبودیت گردن سے نہ اُتر جائے۔ حقتعالیٰ نے پھر اسی طرح فرمایا۔
میں نے بھی مکرر عرض کیا۔ تین بار اسیطرح ہوا۔

مؤلف کہتا ہے۔ عارفوں کے نزدیک گناہ یہ ہے کہ کسی ایک مرتبہ پر قانع ہو کر
اس سے مقید ہو جائیں۔ اسکو اصطلاح تصوف میں قبض کہتے ہیں۔ اور عفو کنایہ ہے
اس قبض کو دور کر دینے سے جسکو بسط کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ عبارت مذکورہ بالا سے یہ مراد ہو
کہ جب وہ کسی مرتبہ میں مقید ہو جاتا ہے اور اس سے عالی تر مرتبہ حاصل کرنے کا شوق نہیں کرتا
تو ہم خود اسکے وکیل بنکر اسکو اس عقدہ سے رہائی دے کر مقام بالاتر میں لیجاتے ہیں۔ اس سے
نہایت لطف و کرم مترشح ہوتا ہے۔ ہر ایک عارف کو یہ مرتبہ کب حاصل ہو سکتا ہے۔ اکثر ایسا
ہوتا ہے کہ قبض کے عارض حال ہونے پر سالہا سال تک اس میں مقید رہتے ہیں۔ مدت
مدیدہ اور ریاضت شدیدہ کے بعد کہیں جا کر بسط نصیب ہوتا ہے لیکن اگر اس عبارت
کے ظاہری معنے لیں تو ممکن ہے کہ صغیرہ گناہ مراد ہو۔ کیونکہ اولیاء اللہ ارتکابِ صغائر بلکہ
کبائر سے بھی معصوم نہیں۔ ایک دوسرا واقعہ سنئے:۔

میر محمد صالح جو مؤلف کے خالوزاد تھے۔ بظاہر غازیوں کے گروہ میں شامل تھے۔
اور باطن میں کسبِ طریقت میں مشغول تھے۔ انکو صفائی ضمیر حاصل تھی اور اکثر خواب
دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن میرے سامنے اس نے حضرت مرشد کی خدمت میں عرض کیا۔
کہ میں نے اوجِ آسمان پر ذات خداوندی سبحانہٗ وتعالیٰ کو ایک نوجوان کی صورت میں دیکھا

جو گھوڑے پر سوار ہے۔ اسیطرح حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی ایک کثیر التعداد جماعت گھوڑوں پر سوار آپ کی شادی کے جلوس میں شامل ہیں اور اسکے اہتمام میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ یہ سنکر آبدیدہ ہوئے اور اسکے شکرانہ میں آداب بجالائے اور فرمایا چونکہ تمنے میرے حق میں ایک ایسا خواب دیکھا ہے میں اسکے شکریہ میں آداب بجالاتا ہوں۔

علے ہذا القیاس ایک دن محمد سعید فقیر نے عرض کیا کہ میں نے ایک شخص کو آپ کی صورت میں دیکھا جسکی پیشانی پر اللہ کا لفظ لکھا ہوا تھا اور تمام عالم اسکو سجدہ کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا میں کس گنتی میں ہوں۔ وہ ذات حق سبحانہٗ وتعالیٰ تھی جس کو تم نے میری صورت میں جلوہ گر دیکھا۔

ایک دن جامع علوم معقول ومنقول میاں جمال خان نے مجھ سے ذکر کیا کہ مجھکو بعض اوقات حضرت میر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بعض افعال سے جنکی حقیقت میری سمجھ میں نہیں آتی تھی شک پیدا ہوتا تھا۔ بعض اوقات اگر وہ خود کچھ تشریح فرما دیتے تو شک رفع ہو جاتا لیکن اگر توضیح نفرماتے تو وہ شک باقی رہ جاتا جس سے طبیعت میں تردد پیدا ہوتا اور ہر چند توجہ کیجاتی دل کی تسلی نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن میں نے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا دونوں کے سامنے حضرت شاہ صاحب کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں نور کا ایک شعلہ تھا۔ جب وہ ہاتھ کھولتے تو وہ نور ان کے ہاتھ سے نکلکر میرے دل میں داخل ہوتا اور اسکو منور کر دیتا۔ اور جب وہ ہاتھ کو پھر بند کر لیتے تو وہ نور میرے دل سے نکلکر ان کے ہاتھ میں چلا جاتا۔ حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے ایمان کا نور ہے جو ان کے ہاتھ میں دیا گیا ہے اگر وہ چاہیں تو یہ نور تمہارے دل میں رہ سکتا ہے۔ اور اگر وہ نہ چاہیں تو یہ نور تمسے زائل ہو جائے۔ اس واقعہ کے بعد میں نے ہر ایک قسم کے شک وشبہ سے توبہ کر لی اور میرا شوق اور اعتقاد بہ نسبت سابق کے بہت کچھ بڑھ گیا۔

مؤلف کہتا ہے کہ میں نے ایک رات شاہجہان آباد میں جب کہ میں نہر پر رہتا تھا۔

خواب میں ذاتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو ایک نور کے بادل کی صورت میں آسمان پر پھیلا ہوا دیکھا اس حالت میں سوائے اس نور کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ اس نور سے واضح طور میں نے کلام سُنا۔ حضرت مرشد اس نور کے سامنے مناجات میں مشغول تھے۔ مدت تک یہ کلام بآوازِ بلند ہوتا رہا لیکن باوجودیکہ میں حضرت مرشد کے بائیں جانب متصل کھڑا تھا مجھکو اس کلام کا کچھ مطلب سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ میں نے اس واقعہ کو اپنے ایک دوست محمد عابد سے ذکر کیا۔ اور اسبات سے تردد ظاہر کیا کہ میں حضرت مرشد کے بائیں پہلو میں کھڑا تھا۔ حالانکہ دست راست پر ہونا ہر ایک حالت میں محمود ہے۔ عزیز مذکور نے کہا۔ دل بائیں جانب میں ہے۔ تمہارا جانب چپ میں کھڑا ہونا اسبات کی دلیل ہے کہ تمہیں حضرت مرشد سے اتحاد قلبی حاصل ہے۔ میں نے اس تاویل کی تحسین کی۔ اور پھر حصن حصین کی شرح میں بھی یہی نکتہ لکھا دیکھا۔ اس واقعہ کو تصنیف کتاب کی غرض پورا کرنیکے لئے لکھدیا ہے ورنہ مؤلف حقیر اس قابل نہیں کہ اسکا ذکر ایسے مقامات عالیہ کے بیان کرتے وقت کیا جائے ہاں ایک بات اور بھی ہے۔ اظہارِ نعمت بھی شکر نعمت میں داخل ہے حقتعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (خدا کی نعمتوں کا اظہار کیا کرو) اس قسم کے دیگر معزز لوگوں کے واقعات کتاب کے خاتمہ پر لکھے جائینگے۔

دوسری بڑی خارق عادت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہے آپ کی بدولت یہ سعادت بہت سے فقرا اور طالب علموں وغیرہ کو نصیب ہوئی۔ اور اسکے راوی تواتر کی حد تک پہونچے ہوئے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ آپ کا اسمِ مبارک سیدحسن رسول نما مشہور ہوا۔ لوگ حیران ہوتے تھے کہ باوجود اسقدر بُعد زمان کے آپ میں یہ ایک ایسا کمال ہے جو اولیا متقدمین و متأخرین کے مناقب اور حالات میں نہیں لکھا گیا۔ حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہونا ایک ایسی سعادتِ عظمےٰ ہے جو اولیاء اللہ کو کشف وخوارق کے ظہور میں آنیکے درجہ تک پہونچنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ لیکن آپ کے متعلقین کو آپ کی تھوڑی سی توجہ اور تھوڑی سی صحبت کی بدولت نصیب ہوجایا کرتی تھی۔ اگرچہ اس سے تعجب ضرور پیدا ہوتا ہے لیکن اس تعجب کا ازالہ

اس حدیث سے کیا جاسکتا ہے کہ مثل امتی کمثل المطر لا یدری اولھم خیر ام اٰخرھم (میری امت کی مثال بارش کی ہے معلوم نہیں اسکا اول بہتر ہے یا آخر) اسکا ماحصل یہ ہے۔ ممکن ہے کہ اواخر میں بعض ایسے افراد ظاہر ہوں جنکو پہلے اولیاء اللہ پر تفوق حاصل ہو۔ اور انکو ایک ایسی نعمت اور خصوصیت سے بہرہ ور کیا جائے جو دوسروں میں نہ ہو۔ اسکی تائید نفحات الانس کی اس تحریر سے ہوتی ہے کہ ایک دن شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور چند دوسرے اولیاء اللہ آپسمیں اکھٹے بیٹھکر باتیں کر رہے تھے کہ مولانا جلال الدین رومی کا ذکر آگیا۔ شیخ بہاؤالدین نے فرمایا کہ اگر جنید اور بایزید ان کے زمانے میں زندہ ہوتے تو انکی غاشیہ برداری کو فخر سمجھتے۔ تفصیل مطلوب ہو تو نفحات الانس کو ملاحظہ فرمالیں۔

اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ اس سعادت عظمٰے کے حصول کے لئے آپ کوئی دعا یا ریاضت بھی تلقین نہیں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اسکی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کسی دعا یا ریاضت کے وسیلے سے اس سعادت کو حاصل کرنا یہ مثال رکھتا ہے کہ ایک خاکروب بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹا کر اسکو بلائے۔ ممکن ہے کہ بادشاہ حسن خلق کی وجہ سے اسپر عتاب نہ کرے اور باہر تشریف لاکر اسکو اپنے دیدار کے فیض سے محروم نہ کرے۔ لیکن یہ بات علوشان سلطنت کی عزورعنائی نا ہے برخلاف اسکے اگر بادشاہ ازراہ لطف وکرم ایک گدا کی جھونپڑی کو اپنے قدوم سے شرف بخشے تو اس سے اسکے علوشان میں کچھ فرق نہیں آئیگا بلکہ یہ اسکی عین ذرہ نوازی اور الطاف بخشی ہوگی۔ نزہت الارواح میں لکھا ہے

اگر پادشہ بر درِ پیرزن | نشیند۔ تو اے خواجہ سبلت مکن
چرا افگند درجہاں بانگ شور | سلیماں اگر گشت مہمانِ مور

(اگر بادشاہ ایک بڑھیا کے دروازے پر قدوم لائے تو آپ چیں بجبیں نہ ہوں۔ اگر سلیمان نے ایک چیونٹی کا مہمان ہوکر اسکو شرف بخشا تو کیا غضب ہوگیا کہ آسمان کو سر پر اٹھا لیا جاتا ہے) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بادشاہ ایک گدا کو محل کرم وعنایت قرار دے لیکن اسے گستاخ نہیں ہونا چاہئے

پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

شاہ اگر لطف بے عدد راند    بندہ باید کہ حدِ خود داند

(اگر بادشاہ بے انتہا مرحمت فرمائے تاہم بندے کو چاہئے کہ وہ اپنے حدود سے قدم باہر نہ رکھے)

مؤلف کہتا ہے یہ بات سب پر روشن ہے کہ "مبرا از آلائش اور ملوث بالواثِ بشریت انسان کو ذاتِ مطہر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت ہے۔ ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"۔ اگرچہ کوئی شخص بشری پستی کو چھوڑ کر اوجِ ملکیت پر کیوں نہ جا پہونچا ہو۔ اور نفسانی حظوظ کو خیرباد کہکر روحانیت کے مراتب کیوں نہ طے کر چکا ہو۔ لیکن باایں ہمہ جنابِ نبوی کا قدس اور طہارت ایک ایسے مرتبے میں نہیں جسکا احاطہ بشر کی عقل ناقص اور فہم کوتاہ کر سکے۔ اس مضمون کو کسی عالی پایہ عارف نے اسطرح منظوم کیا ہے ؎

وله جلال ليس فوق جلاله    الا جلال الله جل جلاله

(آنحضرت کو وہ بزرگ مرتبہ حاصل ہے جس سے اوپر سوائے جلالِ ذاتِ ذوالجلال کے کسیکا پایہ نہیں)

چونکہ یہ نعمتِ عظمے (دیدارِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم) اکثرت سے ظہور میں آتی تھی۔ اکثر لوگوں کو شک گذرتا تھا اور وہ اعتراض کرتے تھے کہ اس سے شخص بیننده میں کوئی اثر کیوں نہیں ظاہر ہوتا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس نعمت کا حاصل ہونا دو قسم پر ہے۔ ایک تو یہ کہ کوئی شخص تعلقات دنیاوی سے الگ ہو جائے۔ مالوفات کو ترک کردے اور تکمیل راہِ سلوک کرکے تہذیبِ نفس کا درجہ حاصل کرے اور اسکے بعد اس نعمت سے سرافراز ہو۔ دوسرے یہ کہ شیخ کامل کی توجہ سے کشفِ اسرارِ غیبیہ کے طور پر یہ فیض بھی حاصل ہو (یعنی دیدار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو) پہلی صورت میں یقیناً اسکا اثر ظاہراً محسوس ہوگا۔ لیکن دوسری صورت میں اثر کا ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ باایں ہمہ جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہوتی تھی اسکا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ظاہر ہوتا۔ بعض لوگ جو بخیل ہوتے ان میں جود اور سخا کا وصف آجاتا اور جن طبیعتوں میں ظلم وجور کا میلان ہوتا وہ رُوبراہ ہو جاتے۔ اور بعض لوگوں کے دل میں کچھ تنفر اور اجنبیت ہوتی تو وہ دور ہو جایا کرتی۔ اور اگر بالفرض کسی کو اس قسم کا کوئی اثر حاصل نہ ہوا ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ قیامت کے دن اس دولتِ کبرےٰ سے مشرف ہونیکا نتیجہ ظہور میں آئیگا

چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تکمیل الایمان میں روایات صحیحہ سے اسبات کو ثابت کیا ہے کہ جو کوئی شخص حقتعالیٰ کو خواب میں دیکھے وہ غم و اندوہ سے مخلصی پائیگا اور وہ زوالِ ایمان سے محفوظ رہیگا۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہونا سلامتیٔ ایمان کا باعث ہے۔ ظاہر ہے کہ العبرۃ بالخاتمہ (تمام بات خاتمہ پر موقوف ہے) اسلئے جسکا نتیجہ حسن عاقبت ہو اُسکو کسطرح بے اثر کہہ سکتے ہیں۔

ایک دن آپ کی مجلس میں دیدارِ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہونیکا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا چونکہ مجھکو یہ نعمت عظمےٰ بسا اوقات حاصل ہوتی تھی اسلئے اسکی تحقیق شرعی کیلئے میں لباس فاخرہ پہنکر اور چند آدمیوں کو ہمراہ لیکر شیخ عبدالحق دہلوی کے گھر میں گیا۔ اُنہوں نے پوچھا کہاں سے آتے ہو۔ میں نے کہا پورب سے آتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا اس شہر میں کس ارادے سے تشریف لائے ہو۔ میں نے کہا اپنے روزگار کے لئے۔ اُنہوں نے کہا آپکا نام۔ میں نے کہا عبداللہ اور یہ سب باتیں درحقیقت سچ تھیں۔ چنانچہ خداوند عقل سے پوشیدہ نہیں۔ اُنہوں نے کہا یہاں کس مطلب کے لئے آئے ہو۔ میں نے کہا ایک شخص ہے جس کو بسا اوقات حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دیدار حاصل ہوتا ہے اسکی تحقیق بروئے حدیث نبوی مہربانی کرکے بیان فرمائیے۔ اُنہوں نے فرمایا صحیح بات یہی ہے کہ جس صورت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لے اور اسکا اعتقاد یہ ہو کہ یہ صورت مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یا کوئی برزہ ور شخص کہدے۔ یا وہ خود فرمادیں کہ میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہوں تو یقیناً وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک ہے اور اسمیں شیطان کو کچھ بھی دخل نہیں ہو سکتا۔ جب اُنہوں نے تقریر ختم کی تو میں رخصت ہو کے چلا آیا۔ اور گو وہ میرے نام سے آشنا تھے لیکن مجھے پہچان نہ سکے۔ اس موقعہ پر ایک شعر یاد آیا ہے ؎

پوشیدہ بدیں حیلہ رخ نیکو را     تا کہ ہر کہ نہ محرم نہ شناسد او را

(اُس محبوب نے اس ترکیب سے اپنا چہرۂ زیبا چھپا رکھا ہے کہ جو شخص نامحرم ہو اسکو نہیں پہچان سکتا) آپ فرماتے تھے کہ ایک دن اس مکان میں جہاں پہلے میرا قیام رہتا تھا ملاقات کے ارادہ سے آئے تھے لیکن ہجوم خلق کے خوف سے جو اکابر وقت کی وجہ سے موجود تھا

میں چھپ گیا۔
اسی طرح شیخ المشائخ نظام الدین قدس سرہ کی درگاہ میں ایک بہت بڑے عالم غلام مصطفےٰ نے جنکا نام ماسو مشہور تھا آپ سے یہی مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا یہ حدیث کہ من رانی فقد رای الحق فان الشیطان لا یتمثل بی (جس نے مجھکو دیکھا تو یہ خواب بالکل سچا ہے اور اس نے فی الواقع مجھکو دیکھا ہے۔ کیونکہ شیطان میری صورت اور شکل میں دکھائی نہیں دے سکتا) ایک دلیل قطعی ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نمودار ہونے پر قدرت نہیں۔ اس عالم نے کہا کہ اسکے معنے یہ معلوم ہوتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی صورت مبارک میں شیطان نمودار نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ احتمال باقی رہ جاتا ہے کہ وہ کسی دوسری صورت میں متمثل ہوکر دھوکا دے۔ آپ نے فرمایا ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ شیطان کسیطرح بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ظاہر ہوکر باعث فریب نہیں ہو سکتا۔ وہ عالم اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے اسکے دوستوں سے اسبات کا اظہار کیا کہ اگر آپ اس شہر میں تشریف رکھیں تو بہت سے طالبان علم آپ سے فیض حاصل کریں۔ اس نے کہا میرا بھی ارادہ تھا لیکن میں نے رات اپنے پیر و مرشد کو خواب میں دیکھا اور وہ فرماتے تھے کہ اسی خانقاہ میں سکونت پذیر رہو اسلئے میں نے یہیں رہنے کا ارادہ کر لیا ہے حضرت مرشد نے تبسم فرمایا جس سے وہ ناخوش ہوا۔ آپ نے اپنے مسکرانے کی یہ وجہ بیان فرمائی تمہیں اسوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خواب میں دیکھنے پر یقین نہیں آتا تھا اور پیر دیکھنے کے متعلق تمہیں کچھ بھی شک دل میں نہیں گذرا۔ حالانکہ تمہارا اس شہر میں رہنا عموم خلائق کے لئے باعث خیر و برکت ہوگا اور آپ کی تعلیم سے لوگ مستفید ہوں گے جس خواب میں تمہیں اس فائدہ رسانی سے روکا گیا ہے کیا وجہ ہے کہ اسکو شیطان کا تصرف نہ سمجھا جائے عجب اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے میں تو باوجود حدیث صحیح کے شک کرتے ہو لیکن پیر کے دیکھنے میں ذرہ بھی شک دل میں نہیں آتا۔ یہ شعر مطابق حال ہے

وامانده ز اصل کار پیچیدہ بہ فرع ‏ — ‏ کم معتقد بہ خدا و بسیار بہ شرع

اور چنا اصل مقصود کو چھوڑ کر فرع پر اڑے ہوئے ہو۔ خدا پر تو اعتقاد خیر ہے البتہ شرع پر بہت
بڑھ کر زیادہ عقیدہ ہے) یہ سنکر وہ شخص خاموش اور نادم ہوا۔

چونکہ اس موقعہ پر "رؤیا" (خواب دیکھنا) کا ذکر آگیا ہے اسلئے اسکی تحقیق شرح مشکوٰۃ
مصنفۂ شیخ عبدالحق دہلوی سے لکھی جاتی ہے۔ "رؤیا در اصل مطلق دیکھنے کو کہتے ہیں لیکن
اب عموماً اس دیکھنے کو کہتے ہیں جو خواب میں ہو۔ قاموس میں بھی اسکے یہی معنے لکھے ہیں
خواب دیکھنے کی حقیقت میں اختلاف ہے۔ از روئے عقل اشکال یہ پیش آتا ہے سوجانا
ضد ہے ادراک کی یعنے خواب کی حالت میں ادراک موقوف ہو جاتا ہے اسلئے اکثر متکلمین
اشاعرہ اور معتزلہ کی یہ رائے ہے کہ جو کچھ خواب میں دیکھا جاتا اور محسوس ہوتا ہے خیال باطل ہے
حقیقی ادراک نہیں۔ معتزلہ تو یہ دلیل لاتے ہیں کہ دیکھنے کے لئے چند شرائط ہیں جنکے بغیر دیکھنا
ممکن نہیں۔ منجملہ ان کے مقابلہ میں کسی چیز کا ہونا۔ آنکھ سے شعاع کا خارج ہونا اور بیچ میں ہوا کے
شفاف کا ذریعہ ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ نیند کی حالت میں یہ شرطیں مفقود ہوتی ہیں اسلئے جو
کچھ دیکھا جاتا ہے وہ فاسد خیالات اور باطل اوہام ہوا کرتے ہیں۔ اشاعرہ یہ استدلال پیش
کرتے ہیں کہ عادتِ الٰہی اسپر جاری نہیں ہوئی کہ سوتے ہوئے میں ادراک پیدا ہو۔ اسلئے
جو کچھ وہ دیکھتا ہے حقیقت ادراک نہیں بلکہ خیال باطل ہے۔ ممکن ہے کہ اس لفظ "خیال باطل"
سے اشاعرہ کی مراد صرف اسقدر ہو کہ یہ ادراک حقیقی ادراک نہیں بلکہ اسکے مشابہ ہے۔ اس سے
یہ ہو کہ خواب ایک غیر معتبر ادراک ہے جسکی کوئی تعبیر نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ "رؤیائے صالحہ"
(خواب) کے صحیح اور حق ہونے پر اہلِ حق کا اجماع ہے۔ خلاصہ یہ کہ غالباً اشاعرہ اس عبارت سے
یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی ادراک نہیں بلکہ محض خیال ہے۔ لیکن پھر بھی اسکے ثبوت اور صحت سے
انکار نہیں کیا جاسکتا اور وہ قابل تعبیر ہوتا ہے۔ بہر کیف یہ بہتر ہوتا کہ وہ اس موقعہ پر باطل کا
لفظ استعمال نہ کرتے اور یہ کہدیتے کہ خواب میں کسی چیز کا ادراک کرنا محض خیال ہے۔
یا اس قسم کا کوئی اور لفظ استعمال کرتے۔

اوستاذ ابو اسحاق اسفرائینی اگرچہ اشاعرہ کی جماعت سے ہیں لیکن انکا قول ہے
کہ خواب کا ادراک حقیقی ادراک ہے۔ بیداری کے دیکھنے اور خواب کے دیکھنے اور ادراک کرنے میں

ذرہ بھی فرق نہیں۔ خواب کے دیکھنے کو مشکوک قرار دینے سے لازم آتا ہے کہ بیداری کے دیکھنے کو بھی مشکوک سمجھا جائے جس سے صاف بدیہیات کا انکار لازم آتا ہے۔ نیز اوستاذ کا قول یہ ہے کہ حالتِ خواب اور ادراک ضد ہمدگر ہیں لیکن خواب کا وصف انسان کے بعض اجزا سے تعلق رکھتا ہے اور محلِ ادراک دوسرے اجزا ہیں اسلئے محل واحد میں اجتماع ضدین لازم نہیں آتا۔ مواقف اور شرح مواقف میں اسیطرح لکھا ہے۔ کسی طبیب نے لکھا ہے کہ خواب کی حقیقت یہ ہے کہ حقتعالیٰ سوئے ہوئے شخص کے دل میں اسیطرح علوم اور ادراکات فائز فرماتے ہیں جسطرح جاگتے شخص کے دل و دماغ میں۔ اور حق سبحانہٗ کی قدرت ان دونوں پر حاوی ہے۔ کسی خواب بین شخص میں ادراکات خاص کا پیدا کرنا دوسرے امور کی علامت ہوتی ہے جو اس خواب کے دیکھنے کے بعد وقوع میں آتے ہیں اور یہی امور اس خواب کی تعبیر ہوتی ہے اسکی مثال ابر کا وجود ہے جو بارش کی علامت ہے"۔

حکماء کی تحقیق اسی شرح میں مذکور ہے۔ لکھا ہے کہ انسان میں ایک قوت ہے جسکا نام متصرفہ ہے اسکا یہ کام ہے کہ صور اور معانی کو باہم ترکیب دے۔ اگر صرف معانی کو باہم مربوط کرے تو اسکو قوت متفکرہ کہتے ہیں۔ اور اگر صور مختلفہ میں اسطرح تصرف کرے تو اسکو قوت متخیلہ کہتے ہیں۔ یہ پچھلی قوت حالتِ خواب و بیداری میں یکساں اپنا عمل جاری رکھتی ہے انسان کے نفس ناطقہ کو عالم ملکوت سے ایک روحانی اتصال وارتباط حاصل ہے۔ تمام کائنات کی صورت عالم ملکوت کے جواہر مجردہ میں منقوش ہے اور جب نفس ناطقۂ انسان کو خواب کی حالت میں تدبیر جسم سے کسیقدر فراغت حاصل ہوتی ہے تو اس اتصال وارتباط کے باعث وہاں جو صورتیں منقوش ہیں اسکے لوح خیال میں بھی منقوش ہو جاتی ہیں۔ پہلے یہ صورتیں حس مشترک میں نمودار ہوتی ہیں۔ اسکے بعد قوت متخیلہ ان کی تحلیل و ترکیب کرکے بعض اوقات انہی خیالات کو دوسرے لباس میں جلوہ گر کردیتی ہے۔ مثلاً موتیوں کو دانہائے انار کی صورت میں دکھا دیتی ہے۔ بعض اوقات تماثل اور مشابہت کے لحاظ سے نہیں بلکہ علاقۂ ضدیت کے لحاظ سے ایک صورت دوسری سے بدل جاتی ہے۔ مثلاً گریہ و خندہ ایک دوسرے کی شکل میں متخیل ہو سکتے ہیں۔ اسلئے تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اگر یہ

صورتیں جو خواب میں دکھائی دیتی ہیں اسطرح ادل بدل نہ ہو جائیں تو تعبیر کی حاجت نہیں ہوتی اور بعینہٖ وہی بات ظہور میں آتی ہے جو خواب میں دیکھی گئی۔ بعض اوقات قوت متخیلہ کو وہی صورتیں محسوس ہوتی ہیں جو حالتِ بیداری میں اس نے دیکھی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اکثر اوقات خواب میں وہی چیزیں دیکھتا ہے جو بحالتِ بیداری اسکے فکر و خیال میں رہتی ہوں۔ بعض اوقات مختلف امراض عارض ہونے کی وجہ سے مختلف اشکال اور صورتیں خواب میں نظر آتی ہیں۔ مثلاً خونی مزاج شخص کو سُرخ رنگ نظر آتے ہیں۔ صفراوی زرد چیزیں دیکھتا ہے۔ سوداوی کو آگ اور دھوئیں خواب میں دکھائی دیتے ہیں اور بلغمی سفید چیزیں دیکھا کرتا ہے۔ مؤخر الذکر دونوں قسم خوابہائے پریشان ہیں اور انکی کوئی تعبیر نہیں ہوا کرتی۔ صوفیہ جو عالَمِ مثال کے قائل ہیں ان کی تحقیق اس مسئلہ کے متعلق جداگانہ ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لم تبق من النبوۃ الا المبشرات (ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوّت کے آثار سے جسکے ذریعہ کوئی پوشیدہ حال معلوم ہوسکے اور کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر صرف بشارت دینے والے خوابوں کا وجود باقی ہے) بشارت خوشی کی خبر دینے کو کہتے ہیں لیکن بعض بُری خبروں میں بھی اسکا استعمال کرلیا جاتا ہے۔ صحاح میں جو لغت کی مشہور کتاب (مصنفہ طیبی) ہے لکھا ہے کہ یہ لفظ مطلق ذکر کیا جائے تو خوشی کی خبر مراد ہوتی ہے۔ بُری خبر کے لئے اسکو اسوقت استعمال کرسکتے ہیں جبکہ اسکے ساتھ کوئی اور لفظ ملا لیا جائے مثلاً فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (انکو عذاب دردناک کی خبر سناؤ) بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ اس موقعہ پر بشارت کا لفظ استہزاء کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اسکا اصل البشر ہے جو چہرہ کے پوست ظاہر کو کہتے ہیں۔ چونکہ خوشی کی خبر سنکر انسان کا چہرہ شگفتہ ہو جاتا ہے اور اسکے آثار بشرہ پر نظر آنے لگتے ہیں اس لئے خوش خبری کو بشارت کہتے ہیں۔ قالوا وما المبشرات صحابہ نے عرض کیا مبشرات سے کیا مراد ہے۔ قال الرؤیا الصالحۃ آپ نے فرمایا اس سے مراد سچے خواب ہیں۔ لفظ رُؤیا سے اکثر خواب نیک مراد لیا جاتا ہے۔ بُرے خوابوں کو حُلم کہتے ہیں۔ لیکن

یہ تحقیق شریعت نے کی ہے۔ لغت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ اس حدیث میں رؤیائے صالحہ کا لفظ واقع ہوا ہے۔ اگر رؤیا سے خواب نیک مراد لیں تو صالحہ کا لفظ محض توضیح و تشریح کیلئے ہے۔ یا دوسری توجیہ یہ ہے کہ صالحہ سے مراد سچے خواب ہیں جو مطابق واقع کے ہوں۔ اگرچہ پہلے معنے ظاہراً مبشرات کے لفظ سے زیادہ موافق معلوم ہوتے ہیں۔ گو اس میں بھی صدق معتبر ہے۔ لیکن سیاق حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صالحہ سے مراد سچے خواب ہیں کیونکہ ثبوت خبر کے لئے صدق معتبر ہے خواہ وہ خبر بشارت پر مبنی ہو یا خوف پر۔ اس صورت میں مبشرات کا ذکر تغلیب کے طور پر کر دیا گیا ہوگا۔ یا مبشرات سے مراد بشارت دینے والے نہیں۔ بلکہ مطلق خبر دینے والے مراد لئے جائیں (رواہ البخاری) اس حدیث کو یہاں تک صحیح بخاری میں نقل کیا ہے۔ وزاد مالک بروایۃ عطاء ابن یسار یراھا الرجل المسلم او یری لہ لیکن موطائے امام مالک میں عطاء ابن یسار کی روایت سے یہ ٹکڑہ زائد منقول ہے کہ اس خواب کو کوئی مرد مسلمان دیکھے یا اسکے لئے وہ خواب دیکھا جائے وعن انس قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الرؤیا الصالحۃ جزء من ستۃ واربعین جزأمن النبوۃ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سچی خواب پیغمبری کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ متفق علیہ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے بالاتفاق نقل کیا ہے۔

اس حدیث پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ ۱۔ نبوت کا جزو عین نبوت ہوتا ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ سوائے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی کا خواب سچا نہ ہو حالانکہ یہ خلاف واقع ہے۔ ۲۔ نبوت ایک وصف ہے اسکے جزو ہونے اور حصے بخرے ہونیکے کیا معنے؟ جو صفات اور کیفیات انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیمات میں پائے جاتے ہیں وہ نبوت کے آثار اور نتائج ہیں انکو اجزائے نبوت نہیں کہہ سکتے ۳۔ نبوت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ چلی گئی لیکن رؤیائے صالحہ باقی ہے اسلئے اسکا جزو نبوت ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ ۴۔ کس بنا پر اسکو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے۔ پہلے اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ رؤیائے صالحہ انبیاء ہی کے حق میں جزو نبوت ہے۔ کیونکہ انبیاء کو خواب میں وحی آتی رہتی ہے لیکن اس جواب کو اسطرح باطل کیا جا سکتا ہے کہ ایک دوسری حدیث میں ہے:

رؤیا المؤمن جزء من ستۃ واربعین جزءاً من النبوۃ۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ دوسرے اور تیسرے اعتراض کا یہ جواب بیان کیا گیا ہے کہ رؤیائے صالحہ علوم نبوت کے اجزا میں سے ہے بلکہ طریقہ ہائے علوم نبوت کے اجزا سے ہے اور علوم نبوت ابھی باقی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے ذہبت النبوۃ و بقیت المبشرات وھی الرؤیا الصالحۃ (نبوت چلی گئی اور سچے خواب بشارت دینے والے باقی ہیں) بعض اسطرح توجیہ کرتے ہیں کہ خواب نبوت کی مانند ہے یہ نہیں کہ درحقیقت عین نبوت کی جزو ہے۔ علمار نے اس مقام پر یہ تحقیق کی ہے جو لکھدی گئی۔ لیکن ظاہراً اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جسطرح حضرت واہب العطایا جل جلالہٗ اپنے محض فضل و کرم سے کسیکو نبوت سے مخصوص فرماتا ہے اسیطرح بعض افراد انسانی کو القاء علوم بذریعۂ خواب کے مشرف فرماتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اس حدیث میں نبوت کے لغوی معنے مراد ہیں یعنی خبر دینا مطلب یہ ہوا کہ سچا خواب خبر صحیح حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے لیکن بعض حدیثوں میں صریحاً ایسے الفاظ وارد ہوئے ہیں جو اس توجیہ کو غلط قرار دینے پر مجبور کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں چھیالیس کے عدد سے بھی اسکی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ اسکے متعلق بھی علمار کی تحقیق تو یہ ہے لیکن ظاہراً اس موقعہ پر جزو سے وہ معنے مراد نہیں جو اہل معقول نے اپنی اصطلاح میں ٹھہرا رکھے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ رؤیائے صالحہ نبوت کے لواحق اور صفات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔ اور انبیار کی صفتیں ان کے انتقال کے بعد بھی باقی رہتی ہیں اور سوائے انبیار دوسرے لوگ بھی ان صفتوں سے موصوف ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث کا مقصود رؤیائے صالحہ کی نہایت مدح اور تعریف ہے۔ یعنی جس شخص کو رؤیائے صالحہ کا دیکھنا میسر ہو وہ شخص اگرچہ نبی نہیں ہوتا لیکن اُسکے مشابہ ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حسن خلق۔ حلم اور بردباری۔ سنجیدگی و وقار اور میانہ روی پیغمبری کا ایک جزو ہے بلکہ تمام صفات کمال کا اصل نبی ہوتا ہے اور یہ تخصیص زیادت امتیاز کے لئے ہے اور اسمیں شک نہیں کہ یہ صفتیں غیر انبیار میں بھی موجود ہیں۔ تمام صفات کمال صفات نبوت کا عکس اور پرتو ہے۔

عدد چھیالیس اسلئے مخصوص کیا گیا ہے کہ نبوت کا زمانہ تئیس سال ہے جسکی ابتدا رویائے صالحہ سے ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وحی کے آنے سے پہلے چھ ماہ تک سچے خواب دیکھتے رہے۔ اور ظاہر ہے کہ چھ ماہ کو تئیس سال سے ایک اور چھیالیس کی نسبت ہے۔ عام طور پر یہی تاویل مشہور ہے۔ لیکن تورپشتی کہتے ہیں اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ مدت وحی تئیس سال ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں تبلیغ اسلام کرتے رہے اور دس سال تک مدینہ منورہ میں اقامت فرمار ہے لیکن سچے خوابوں کی میعاد چھ مہینے ہونا ایک ایسی بات ہے جس کو اس قائل نے محض اپنی رائے سے معین کیا ہے۔ روایت صحیحہ اسکی تائید نہیں ہوتی"۔ اسکا ماحصل یہ ہے کہ یہ کہنا ایک بے اصل بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر چھ ماہ تک حالتِ خواب میں وحی نازل ہوتی رہی اور اسکے بعد بیداری میں آنے لگی۔ البتہ محدثین نے اسبات کو ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ابتدائے نبوت میں چھ ماہ تک اپنے نفس کی تہذیب سے مکلف اور مامور تھے۔ لوگوں کو تعلیم وہدایت کرنے کا ان کو حکم نہیں تھا اسکے بعد وہ رسول بنائے گئے اور تبلیغ امت کے لئے مامور ہوئے۔ محدثین کے نزدیک نبی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ تبلیغ احکام پر مامور ہو بلکہ خود اس کو اپنے نفس کی تہذیب کا وحی کے ذریعہ حکم دیا جائے تو اسکو بھی نبی کہیں گے۔ اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ اس مدت میں وحی کا نزول خواب میں ہوتا رہا۔ تو مذکورہ بالا توجیہ درست ہوسکتی ہے لیکن یہ بات ثبوت طلب ہے۔ شیخ محی الدین نووی نے بھی رؤیا کی مدت کو چھ ماہ قرار دینے پر اعتراض کیا ہے۔ چونکہ یہ توجیہ غلط ثابت ہوئی اسلئے بہتر یہ ہے کہ اسکو علم نبوت پر محمول کیا جائے۔ ان اسرار کا علم صرف نبی کو ہوسکتا ہے اور عقل اسکی حقیقت دریافت کرنے سے قاصر ہے۔ دوسرے اعداد کی بھی جو شرع میں وارد ہوئے ہیں یہی حالت ہے۔ مثلاً نماز کی رکعتوں کی تعداد وغیرہ۔ ایک روایت میں چھیالیس کی بجائے پینتالیس اور چالیس کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ پینتالیس کی توجیہ اسطرح کی گئی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال تئیسویں سال کے دوران میں ہوا اسلئے اسکو سالم شمار نہیں کیا گیا۔ اور چالیس کی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کو بعض لوگ ساٹھ سال بتاتے ہیں اور اس حساب سے

زمانہ نبوت بیس سال رہ جاتا ہے لیکن صحیح پہلی روایت ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ستر کا لفظ وارد ہوا ہے۔ ظاہراً اس سے مراد یہ ہے کہ رؤیائے صالحہ اگرچہ ایک جزو نبوت کا ضرور ہے لیکن اسکا اقل قلیل اور ادنےٰ ترین جزو ہے۔

**تنبیہ**۔ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ جو خواب دیکھتے تھے وہ نہایت سچے ہوتے تھے۔ اور روز روشن کیطرح انکی تعبیر وقوع میں آتی۔ بعض اوقات جبرئیل علیہ السلام آپ کے دل میں القا کر دیا کرتے لیکن دکھائی نہ دیتے۔ چنانچہ آپ کی حدیث مبارک ہے کہ روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ بات ڈالدی ہے کہ کوئی شخص اپنے رزق مقدر کو پورا کئے بغیر سکرات عالم بقا نہیں ہو گا۔ اسلئے تمہیں خدا سے ڈرنا چاہئے اور طلب رزق میں زیادہ جدّوجہد نہیں کرنا چاہئے۔ بعض اوقات جبرئیل علیہ السلام دحیہ کلبی یا کسی دوسرے شخص کی شکل میں ظہور فرما کر تبلیغ وحی کرتے۔ بعض اوقات آپ کو گھنٹی بجنے کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔ وحی کی یہ قسم آپ پر سب سے زیادہ شاق گذرتی تھی۔ اگر آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تو اونٹنی بیٹھ جاتی۔ ایک اور صورت وحی کی یہ تھی کہ آپ نے دو بار جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں چھ سو بازؤں سے پرواز کرتا ہوا دیکھا۔ ایک اور یہ ہے کہ آپ کو بالائے ہفت آسمان لیگئے اور وہاں نماز ہائے پنجگانہ کی فرضیت کا حق تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا۔ بعض اوقات حقتعالیٰ نے آپ سے بلا واسطہ کلام فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام کا توسط درمیان میں نہیں تھا۔ بعض علما نے ایک اور مرتبہ وحی کا بیان کیا ہے وہ یہ کہ حقتعالیٰ نے بے حجاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا۔ شیخ ولی الدین ابن عراقی کہتے ہیں یہ واقع شب معراج میں ہوا۔ جبکہ بقول بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار عالم کو بچشم سر دیکھا۔ بعضوں نے ایک قسم وحی کی یہ بھی بیان کی ہے کہ حقتعالیٰ خواب میں آپ سے ہمکلام ہوا۔ چنانچہ زہری کی حدیث شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے پروردگار کو خواب میں دیکھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمدؐ! انہیں معلوم ہے کہ ملاء اعلیٰ کے ملائکہ کس بات پر جھگڑ رہے ہیں الخ۔ یہ حدیث مشکوٰۃ کے باب المساجد میں ہے

لیکن چونکہ یہ خواب کا قصہ ہے اسلئے اسکو الگ قسم کیوں شمار کریں اسکو وحی کی پہلی قسم میں داخل سمجھنا چاہئے۔ بعض علما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو بھی جو خطا اور غلطی سے مبرّا ہے وحی کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ اجتہاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسئلہ کے حکم کے متعلق رائے قائم کریں اور القا یہ ہے کہ خود بخود دل میں بات آجائے اسلئے اجتہاد کو القا کی قسم میں داخل نہیں سمجھنا چاہئے۔ بعض علمائے نے وحی کی چھیالیس قسمیں بیان کی ہیں۔ فتح الباری میں لکھا ہے کہ ان انواع و اقسام کی کثرت صاحب وحی کے تعدد صفات پر منحصر ہے۔ واللہ اعلم۔

عن ابی هریرة ان رسول الله صلے الله علیه وسلم قال من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھکو خواب میں دیکھا اس نے سچ مچ مجھی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نمودار نہیں ہو سکتا۔ وہ اسبات پر قادر نہیں کہ خواب میں کسی شخص کو یہ دھوکا دے کہ میں رسول خدا ہوں (صلے اللہ علیہ وسلم) ارباب تحقیق کا قول ہے کہ شیطان کے لئے یہ ممکن ہے کہ خواب میں متمثل ہو کر خواب بینوں کے خیال میں یہ نقش کر دے کہ جو صورت تمنے دیکھی ہے یہ حقتعالیٰ کی صورت ہے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شکل میں نمودار ہونا اور صاحب خواب کو دھوکا دینا ممکن نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سرچشمہ ہدایت ہیں اور شیطان ضلالت کا مبدأ ہے اور ظاہر ہے کہ ضلالت اور ہدایت میں تضاد اور منافات ہے۔ برخلاف اسکے حق تعالیٰ ان دونوں صفتوں کا جامع ہے۔ نیز اگر کوئی مخلوق اُلوہیت کا دعوے کرے تو وہ بداہتہً باطل سمجھا جا سکتا ہے اور کسیکے حق میں محل اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن دعوائے نبوت کرنا دھوکے کا باعث ہو سکتا ہے۔ اسلئے عادت اللہ اسپر جاری ہے کہ اگر کوئی (نعوذ باللہ منہا) خدائی کا دعوے کرے تو اس سے خارق عادت کا ظہور میں آنا ممکن ہے لیکن اگر کوئی جھوٹے طور پر نبوت کا دعوے کرے تو وہ معجزہ ہرگز نہیں ظاہر کر سکیگا۔ متفق علیہ

عن ابی قتادة قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم من رانی فقد رای الحق

ابی قتادہؓ سے جو ایک مشہور صحابی ہیں روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھکو خواب میں دیکھ لے تو اس نے یقیناً سچ مچ مجھکو دیکھا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے یعنے صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ یہ حدیث مختلف اسنادوں سے روایت کی گئی ہے اور سب کا ماحصل یہ ہے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اسکا یہ دیکھنا حق اور صحیح ہے کذب اور باطل کا یہاں دخل نہیں شیطان کے کارنامے اگرچہ بڑے بڑے ہیں اور وہ مختلف طریقوں سے انسان کو دھوکا دے کر چاہِ ضلالت میں گراتا ہے۔ لیکن اسکو یہ قدرت ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک میں ظہور کر سکے یا کسی شخص کو جھوٹے طور پر یہ دھوکا دے کہ جو کچھ تُنے دیکھا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی۔ سنت اللہ (قانونِ قدرت) یہی ہے اور علماء نے اس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیتوں میں شمار کیا ہے۔ بعض علماء اس حدیث میں یہ قید لگاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا وہی حق اور تصرف شیطان سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کو اسی صورت و شکل مخصوص میں دیکھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بوقت حیات دنیاوی تھی۔ پھر ان میں بعض نے تو کسیقدر فراخی سے کام لیا ہے وہ کہتے ہیں خواہ کسی صورت پر دیکھے۔ مثلاً جو صورت مبارک آپ کی جوانی میں تھی۔ پھر کہولت میں۔ پھر قبل از انتقال۔ الغرض آپ کو کسی صورت میں بھی دیکھ لے تو کہا جائیگا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا لیکن بعض علمائے نے اور زیادہ تشدد کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شرط ہے کہ آپ کو اسی شکل و صورت میں دیکھے جو انتقال سے پہلے آپ کی تھی۔ جوانی یا کہولت کے وقت آپکا جو حلیہ اور خط و خال تھا وہ معتبر نہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے اس حد تک قید لگائی ہے کہ بال بھی اتنے ہی سفید ہوں جو قبل از انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو گئے تھے اور پھر انکا عدد بتایا ہے۔

حماد بن زید سے منقول ہے کہ جب کوئی شخص محمد بن سیرین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تو وہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص حلیہ مبارک پوچھتے اور اگر وہ نہ بتا سکتا تو اسکو کہدیتے کہ جاؤ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ مستدرک حاکم میں عاصم بن کلیب نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں نے

حضرت ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ ابن عباس نے فرمایا۔ آپکا حلیہ بیان کرو۔ میں نے کہا کہ موجودہ زندہ لوگوں میں امام حسنؓ ایک ایسے شخص ہیں جو اس صورت کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں جو میں نے خواب میں دیکھی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا فی الواقع تمنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اگرچہ ابوہریرہؓ کی روایت سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی شخص مجھکو خواب میں دیکھے اسکا خواب سچا ہے خواہ وہ مجھے کیسی ہی شکل وصورت میں کیوں نہ دیکھے۔ لیکن یہ حدیث سند صحیح سے ثابت نہیں ہوئی۔

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی شکل وصورت میں اور حلیہ مخصوص میں دیکھا جو درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ ہے تو اس نے بعینہ ذاتِ مقدسہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ لیکن جس نے اس حلیۂ مخصوص کے خلاف کسی صورت میں آپکا جمالِ مبارک دیکھا تو وہ اس ذاتِ مقدسہ کی صورتِ مثالیہ ہو گی اور دونوں صورتوں میں خواب سچا ہے۔ شیطان کو کسی طرح پر اس میں دخل اور تصرف نہیں ہو سکتا فرق صرف اسقدر ہے کہ پہلی صورت میں حق تحقیقی ہے اور دوسری صورت میں حق تمثیلی ہے۔ اول الذکر میں تعبیر اور تاویل کی ضرورت نہیں اور مؤخر الذکر تعبیر کی محتاج ہے۔ چنانچہ رؤیا کی تحقیق لکھتے وقت ہمنے اسبات کی توضیح کر دی ہے۔ فقد رائی الحق جو حدیث میں واقع ہوا ہے اسکے یہ معنے ہیں کہ یہ دیکھنا بہر کیف حق اور صحیح ہے۔ باطل نہیں اور شیطان کے تصرف سے محفوظ ہے۔ امام محی الدین نووی کہتے ہیں کہ یہ قول بھی ضعیف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں اس نے حقیقۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ آپ خواہ کسی لباس یا صفت میں جلوہ فرما ہوں۔ آپ کی ذات گرامی دونوں حالتوں میں ایک ہے۔ تغیر صفات یا تغیر صورت سے تغیر ذات لازم نہیں آتا۔

امام غزالیؒ نے اس [illegible] یک عجیب تحقیق لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ انسان کی حقیقت اسکی روح مجردہ اور نفس ناطقہ ہے۔ بدن یا جسم محض ایک آلہ یا ذریعہ ہے جس سے اس حقیقت کا ادراک کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ جس شخص نے

خواب میں مجھکو دیکھا اس نے درحقیقت مجھکو دیکھا" یہ مراد نہیں کہ اس نے میرے جسم کو دیکھا بلکہ اسکا یہ مطلب ہے کہ اس نے وہ چیز دیکھی جو میری حقیقت کو ادراک کرنے کا آلہ یا ذریعہ ہے۔ چنانچہ کسی شخص کے جسم کا دیکھنا اُسکی حقیقت کو ادراک کرنے کا آلہ یا ذریعہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بعض دفعہ یہ ذریعہ حقیقی ہوتا ہے اور بعض اوقات خیالی اور مثالی۔ پس جو کچھ بینندۂ خواب نے خواب میں دیکھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدسہ کی جو محل نزول وحی ہے ایک مثال ہے۔ اس نے نہ تو روح کو دیکھا ہے نہ جسم کو۔

ذات باریتعالیٰ کو خواب میں دیکھنا بھی اسیطرح پر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات تو درحقیقت شکل و صورت سے منزہ ہے۔ لیکن جن صفات سے بندے اسکو پہچانتے ہیں انکی ایک صورت مثالیہ نور وغیرہ جمیل اشکال و صور کے رنگ میں جلوہ گر ہو سکتی ہے اور اسکو ہم جمال حقیقت ذات کا جو معنوی جمال ہے آئینہ یا آلۂ ادراک یا صورت مثالیہ کہہ سکتے ہیں۔ اور بینندۂ خواب کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ میں نے حق تعالیٰ کو دیکھا۔ اسکے یہ معنے ہرگز نہیں ہونگے کہ میں نے ذات حقتعالیٰ کو دیکھا۔ کیونکہ اسکا دیکھنا تو خواب اور بیداری میں ناممکن ہے۔

اسی طرح پیغمبر کا دیکھنا بھی اس پر قیاس کرو۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ درحقیقت روح مجرد ہے جو شکل و صورت سے منزہ ہے لیکن بوقت حیات ظاہری آپ کا جسم مبارک اس روح پاک کا حامل تھا جسکے ذریعہ اس روح مقدس کا ادراک ہوتا۔ جب آپکا انتقال ہوا اور وہ جسم اطہر ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا تو اب خواب میں دوسری مثالی صورتیں ذریعۂ ادراک ہونے لگیں۔ اب اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے تو اس نے یقیناً نہ تو روح کو دیکھا ہے اور نہ اس جسم مطہر کو جو روضۂ مقدسہ میں زیر خاک پنہاں ہے۔ اسکی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی وقت میں سینکڑوں اور ہزاروں آدمی دیکھتے ہیں۔ لیکن ایک ہی شخص کا ایک ہی وقت میں متعدد جگہوں میں حاضر ہونا بداہتہً باطل ہے۔ تو سوائے اسکے کوئی چارہ نہیں کہ ہم اس رؤیت کو رؤیت مثالی پر محمول کریں۔

امام غزالیؒ کی تقریر کا یہ خلاصہ ہے۔ اس سے اختلاف رفع ہو جاتا ہے اور ثابت

ہوتا ہے کہ ہر حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اور ذات گرامی کا ادراک ہوتا ہے۔ لیکن بذریعہ صورت مثالیہ اُن مثالی صورتوں کے مختلف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ذات گرامی ایک ہے لیکن دیکھنے والوں کے آئینہ ہائے دل مختلف ہیں۔ انہی کے مطابق مختلف صورتوں میں آپکا جمال باکمال جلوہ گر ہوتا ہے۔ چنانچہ ظاہر میں بھی آئینوں کے مختلف ہونے سے ایک ہی شخص کی صورت مختلف طور پر نظر آتی ہے۔ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ حسن وجمال کے ساتھ جلوہ آرا دیکھا تو یہ اسکے کمال ایمان وایقان کی علامت ہے لیکن جسکو اس سے کم جمال وحسن کے ساتھ نظر آئے اسیقدر اُسکے دین وایمان میں نقص اور خلل ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جوان دیکھتے ہیں بعض بوڑھا۔ بعض خوش اور بعض غضبناک۔ بعض مسکرانے کی حالت میں اور بعض اسکے خلاف چیں بجبیں دیکھتے ہیں۔ یہ سب اختلافات خود دیکھنے والوں کے اختلاف حال کا نتیجہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صورت خاص میں مشاہدہ کرنا دیکھنے والے کے احوال باطن کا معیار ہے۔ یہ سالکوں کے لئے ایک نہایت صحیح ضابطہ ہے جس سے وہ اپنے حال کی تشخیص کر کے اسکے علاج میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور انہیں معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کس مقام یا رتبہ میں ہیں۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ایک صیقل شدہ آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنی جمیل یا قبیح صورت مشاہدہ کرسکتا ہے۔ اسی بنا پر کسی عارف کا قول ہے کہ مینے ستر مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ بالآخر مجھے معلوم ہوا کہ میں نے ہر ایک مرتبہ اپنے آپ کو دیکھا تھا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ محض خیال اور اپنے حالات اور اوصاف کا عکس ہوتا ہے بلکہ ہر ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مقدسہ دیکھنے میں آتی ہے لیکن وہ اسی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے جو بینندۂ خواب کے حالات واوصاف کے مطابق ہوتی ہے اسلئے ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت سالک کے لئے اپنا حال معلوم کرنے کا معیار یا آئینہ ہے۔

اسی قیاس پر ارباب تمکین کا قول ہے کہ اگر خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی

ارشاد فرمائیں تو اسکو احادیث صحیحہ کے معیار پر پیش کرنا چاہیئے۔ اگر وہ انکے موافق ہے تو حق ہے۔ لیکن اگر موافق نہیں تو یہ خود اسکی قوت سامعہ کا خلل ہے۔ الغرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا دیکھنا اور آپکا کلام سُننا بالکل حق اور مطابق حقیقت ہے اگر اس میں کوئی خلل یا اختلاف ہے تو وہ خود تمہاری طرف سے ہے۔

میں نے شیخ اجل عبدالوہاب متقی سے سنا ہے کہ ملک مغرب کے فقرا میں سے ایک بزرگ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپنے اسکو شراب پینے کا حکم فرمایا اس اشکال کو حل کرنیکے لئے مشائخ وقت سے استفسار کیا۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ مدینہ منورہ میں ایک بزرگ تھے جنکا نام شیخ محمد بن عراق تھا اور مشاہیر وقت سے تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا تو اُنہوں نے فرمایا یہ خود خواب دیکھنے والے کے سامعہ کی غلطی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتشرب الخمر (شراب نہ پیو) اس نے سمجھا فرماتے ہیں اشرب الخمر (شراب پیا کرو)۔

باقی رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں دیکھنا۔ بعض محدثین تو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد از انتقال بحالت بیداری دیکھنا کسی صحابی یا تابعی سے بسندِ صحیح ثابت نہیں ہوا۔ بی بی فاطمہ زہرا رض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پُرملال سے سخت اندوہ وقلق دامنگیر ہوا۔ چھ ماہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کو مشاہدہ کرنا ان سے منقول نہیں۔ البتہ بزرگانِ دین سے بکثرت منقول ہے کہ انکو بحالت بیداری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار میسر ہوا۔ جو شخص ان حکایات کو جو صالحین سے منقول ہیں تسلیم نہیں کرتا وہ دو حال سے خالی نہیں۔ اگر کرامات کا منکر ہے تو بحث ہی ختم ہوئی۔ کیونکہ اس نے ایک ایسی بات کا انکار کیا جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ یعنی آیت وحدیث سے ثابت ہے اور اگر کرامات کا قائل ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس خاص کرامت کا انکار کرے۔ حضرت امام غزالی رح المنقذ من الضلال میں لکھتے ہیں کہ ارباب قلوب کو حالت بیداری میں ملائک اور ارواح انبیاء کا دیکھنا نصیب ہوتا ہے اور وہ ان کا کلام سنکر اس سے مستفید ہوتے ہیں

مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ ابوالعباس قسطلانی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اخذ اللہ بیدک یا احمد (احمد! خدا تمہاری مدد کرے)۔ قطب زمان ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا یا علی طہر ثیابک من الدنس (علی! اپنے کپڑوں کو میل کچیل سے صاف رکھو)۔ سید نور الدین الجی کا ذکر ہے کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر سلام کرتا تو اسکو قبر کے اندر سے آواز آتی کہ علیک السلام یا ولدی (میرے بیٹے! تجھ پر بھی سلام ہو)۔ شیخ ابوالعباس فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک لحہ بھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال باکمال مشاہدہ نہ کروں تو اسوقت میں اپنے آپ کو مسلمان نہ سمجھوں۔ محققین کا قول ہے کہ یہ حالت بیداری کا دیکھنا بھی مثالی ہوتا ہے۔ یہ دیکھنا سوائے دیکھنے والے کے دوسروں کے لئے حجت و دلیل نہیں ہو سکتا۔ بہجت الاسرار میں منقول ہے کہ ایک دن حضرت غوث الثقلین رح کرسی پر بیٹھے وعظ فرما رہے تھے۔ دس ہزار کے قریب لوگوں کا مجمع تھا۔ اور شیخ علی بن الہیتی رح کرسی کے پایوں کے نزدیک بیٹھے تھے۔ یکایک شیخ علی بن الہیتی کو نیند آگئی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے حاضرین سے فرمایا کہ چپ رہو۔ چنانچہ سب لوگ چپ ہو گئے اور سوائے سانس کی آمد و رفت کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ حضرت غوث رض کرسی سے نیچے اتر کر ادب سے شیخ مذکور کے سامنے کھڑے ہو گئے اور انکے منہ کو تاکتے رہے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو حضرت غوث نے فرمایا۔ تم نے خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک دیکھا۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا اسی لئے میں ادب کے ساتھ تمہارے سامنے کھڑا رہا۔ پھر فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمسے کس بات کی تاکید فرمائی۔ انہوں نے کہا آپ کی خدمت میں حاضر رہنے کا ارشاد فرمایا۔ اسکے بعد شیخ مذکور نے کہا جو کچھ مینے خواب میں دیکھا شیخ عبدالقادر رح نے بیداری میں دیکھ لیا۔ روایت ہے کہ اس دن سات سالکوں کا انتقال ہوا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

من رأنی فی المنام فسیرانی فی الیقظة ولا یتمثل الشیطان بی (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص نے مجھکو خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھکو بیداری میں بھی دیکھ لیگا۔ شیطان کسی حالت میں میری صورت میں نمودار نہیں ہوسکتا)۔ اس حدیث میں کئی تاویلیں کی گئی ہیں۔ پہلے یہ کہ جس نے مجھکو خواب میں دیکھا وہ اسکے آثار اور انوار کو بیداری میں اسی عالم میں مشاہدہ کرلیگا۔ دوسرے یہ کہ اسکو میرا دیدار عالمِ آخرت میں نصیب ہوگا۔ لیکن اسپر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آخرت میں تمام مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کو مشاہدہ کرینگے اس تحقیق کی کیا وجہ ہے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص قرب و منزلت حاصل ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکی بلندی درجات کے لئے خاص طور پر شفاعت فرمائیں دوسرے لوگ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کو اس عالم میں خواب میں نہیں دیکھا ان کو یہ تخصیص حاصل نہیں ہوگی۔ بعض علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے بعض گنہگاران امت کو آخرت میں یہ سزا دیجائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پُر انوار سے انکو محروم رکھا جائے۔ لیکن جن لوگوں کو اس عالم میں بحالتِ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار حاصل ہوا وہ آخرت میں اس عذاب سے مامون ہونگے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث کے یہ معنے لئے جائیں کہ جس شخص نے مجھکو خواب میں دیکھا تو گویا اس نے مجھکو بیداری میں دیکھا۔ مراد تاکید اثبات کی ہے کہ اسکا یہ خواب سچا ہے اور اسمیں کسیطرح شیطان کا تصرف نہیں ہوسکتا۔ لیکن ترکیب نحوی کے لحاظ سے اسکا یہ مفہوم ہرگز نہیں لیا جاسکتا۔ البتہ بعض روایتوں میں فکانما یرانی فی الیقظة وارد ہے جسکے معنے یہی ہیں کہ گویا اس نے مجھکو بیداری میں دیکھا۔

چوتھے یہ کہ اس بشارت کو اہل زمانۂ نبوت سے مخصوص سمجھا جائے اُنکے واسطے جو ایمان غائبانہ لاکر خواب میں دیدار سے مشرف ہوئے تھے۔ اس صورت میں حدیث کا یہ مطلب ہوگا کہ جس شخص نے میرے اہل زمان سے مجھکو خواب میں دیکھ لیا وہ مجھکو بیداری میں بھی ضرور دیکھ لیگا یعنی اسکو اپنے ملک سے ہجرت کرنا اور جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مشرف ہونا نصیب ہوگا۔ بعض علماء نے اسکی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ جس شخص نے بحالتِ خواب جمال باکمال نبوی کو مشاہدہ کیا اسکے لئے بشارت ہے کہ کدوراتِ نفسانیہ اور علائق جسمانیہ کے دور ہونے پر وہ اس مرتبہ تک پہونچنے میں کامیاب ہوگا کہ حالتِ بیداری میں اس سعادتِ عظمیٰ سے مشرف ہو۔ چنانچہ بعض خاص اولیاء اللہ کو مکاشفہ میں بحالت بیداری یہ سعادت حاصل ہوتی ہے اور بعضے اس بشارت میں عام سچے مومنوں اور مشتاقانِ جمالِ نبوی کو بھی شامل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انکو بھی آخر کار بیداری میں یہ نعمت کبرٰی حاصل ہوگی۔ اس تاویل کے لحاظ سے اس حدیث کو اسبات کے اثبات کے لئے بطور دلیل پیش کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال سے بحالتِ بیداری مشرف ہونا ممکن ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ نے ایک مرتبہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ جب بیدار ہوئے تو اس حدیث کی توجیہ کرنے میں متفکر ہوئے اور انکو امید تھی کہ میں دیدار فیض آثار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالتِ بیداری بھی مشرف ہوں گا اتنے میں وہ ایک بی بی کے گھر میں جو غالباً بی بی میمونہؓ ابن عباسؓ کی خالہ ہیں داخل ہوئے بی بی نے ایک آئینہ نکالکر ابن عباس کو اپنا چہرہ دیکھنے کے لئے دیا۔ یہ وہ آئینہ تھا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا کرتے تھے۔ ابن عباس نے اس آئینے کو اپنے منہ کے مقابل کیا تو اسکو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک نظر آئی اور اپنی صورت مطلقاً نظر نہ آئی۔ شیخ ابن ابی حمزہ نے مذکورہ بالا حدیث کی یہی توجیہ کی ہے کہ اسطرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بحالتِ بیداری مشاہدہ کرنا مراد ہے بشرطیکہ یہ ممکن ہو۔ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ سب سے نرالی اور بعید ترین توجیہ یہ ہے۔ درحقیقت ابن حجر کا قول بالکل درست ہے۔

عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم الرؤیا الصالحۃ من اللہ والحلم من الشیطان (ابی قتادہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک خواب اللہ تعالٰی کیطرف سے ہیں اور خوابہائے شوریدہ و پریشان شیطان کی جانب سے ہیں۔ اگرچہ دونوں طرح کے خوابوں کا خالق حق تعالٰی ہے۔ لیکن پھر بھی جو

خواب شیطان کی خواہش اور تمنا کے مطابق ہوں انکو شیطان سے منسوب کیا جاتا ہے ماحصل اس حدیث کا یہ ہے کہ رویائے صالحہ پروردگار کیطرف سے ایک بشارت ہوتی ہے جو بندہ کے لئے اسکے حسن ظن کثرت شکر پروردگار اور مزید شوق وطلب کا باعث ہوتا ہے۔ برخلاف اسکے جھوٹے خوابوں میں شیطان کا تصرف ہوتا ہے جسکا مطلب ایک مرد مسلمان کو غم واندوہ میں مبتلا کرنا ہوتا ہے تاکہ طریق حق میں بدگمان اور کاہل ہوجائے۔

بشارت آمیز خواب دیکھکر کیا کرنا چاہئے۔ اور اگر ناگوار خواب دیکھے تو اسکے نتائج بد اور شر شیطان سے محفوظ رہنے کا کیا علاج ہے۔ اسکا بیان خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث کے دوسرے حصہ میں بیان فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو اسکا ذکر سوائے کسی اپنے مخلص دوست کے دوسروں سے نہ کرے۔ اور اگر کوئی ایسا خواب دیکھے جسکی تعبیر وہ اچھی نہ خیال کرتا ہو یا جسکے انجام سے وہ ڈرتا ہو تو اسکو چاہئے کہ اس خواب کے ضرر اور شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے حقتعالی کی پناہ طلب کرے۔ شیطان کو بھگانے کے لئے تین بار تھوک دے۔ اور کسی سے اس خواب کا ذکر نہ کرے۔ اس صورت میں اس خواب سے اسکو کچھ بھی ضرر نہ پہونچیگا۔

ایک دوسری روایت جابرؓ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جس کو وہ مکروہ اور ناپسندیدہ خیال کرتا ہے تو تین مرتبہ بائیں طرف تھوک دے اور تین مرتبہ بارگاہ ایزدی تعالی شانہٗ میں شر شیطان سے پناہ طلب کرے۔ حدیث کے لفظ مختلف ہیں۔ کسی روایت میں بصق ہے جسکے معنے تھوکنے کے ہیں۔ کسی روایت میں نفث ہو جسکے معنے مطلق پھونک مارنے کے ہیں۔ پھر یہ بھی اختلاف ہے۔ بعض میں مطلق تھوکنے کا ذکر ہے۔ بعض میں یہ قید زیادہ ہے کہ بائیں طرف تھوک دے۔ بائیں کی تخصیص اسلئے ہے کہ یہ طرف خسیس اور ذلیل کاموں کے لئے مخصوص ہے اور شیطان سے اسکو زیادہ مناسبت ہے۔ نیز جابرؓ کی حدیث میں ایک فقرہ یہ بھی زیادہ کیا گیا ہے کہ ایسا خواب دیکھنے کی صورت میں کروٹ بدل لے۔" اس سے طبعًا حالت متغیر ہوجاتی ہے اور وہ ناگوار خیال زائل ہوجاتا ہے۔ اسکو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
اذا اقترب الزمان لم یکد رؤیا المؤمن تکذب (ابی ہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کی ہے کہ زمانہ کے نزدیک ہو جانے کے وقت مؤمن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا۔
اس حدیث کی توضیح میں اختلاف ہے پہلے یہ کہ اس سے قربِ قیامت مراد ہے۔
چنانچہ ایک حدیث میں تصریح کی گئی ہے کہ جب قیامت قریب ہوگی تو مومن کا خواب
جھوٹا نہیں ہوگا۔ میں نے اپنے بعض مشائخ سے سنا ہے کہ اس سے قربِ موت کا وقت
مراد ہے۔ دوسرے یہ کہ زمانہ کے نزدیک ہونے سے مراد رات دن کا برابر ہونا ہے کیونکہ
جب رات دن برابر ہوتے ہیں تو اس موسم میں آدمی کی طبیعت غایت اعتدال پر ہوتی
ہے اور اسلئے اسکا خواب جھوٹا نہیں نکلتا۔ تیسرے یہ کہ زمانہ کے نزدیک ہونیسے
یہ مراد ہے کہ جب سال ایک مہینے کے برابر معلوم ہوگا اور مہینہ ہفتے کے برابر اور ہفتہ
ایک دن کے برابر۔ اور دن ایک گھڑی کیطرح گذر جائیگا۔ کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت
مہدی موعود کے ظہور میں آنے کے وقت ہوگی۔ کیونکہ ان کے زمانے میں عدل وانصاف
کا دور دورہ ہوگا اور لوگوں کو ہر طرح سے خوشی و مسرّت نصیب ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ
خوشی کا طویل زمانہ بھی مختصر معلوم ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے ع سَنَۃُ الْوِصَالِ
سِنَۃٌ وَسِنَۃُ الْفِرَاقِ سَنَۃٌ۔ (وصال کا سال بھر ایک گھڑی معلوم ہوتا ہے
برخلاف اسکے فراق کی ایک ایک گھڑی سال دکھائی دیتی ہے)۔ چونکہ مہدی کا زمانہ صدق
اور امانت کا زمانہ ہوگا اسلئے اسوقت جو خواب مرد مومن دیکھے گا وہ سچا ہوگا۔ بعض کہتے
ہیں زمانہ کے نزدیک ہونے سے یہ مراد ہے کہ عمر میں بے برکتی آجائے یا جس زمانہ کے
اہل شر و فساد میں ایک دوسرے کے مشابہ اور قریب قریب ہوں۔ یا یہ کہ سلطنتوں کے
زوال کا وقت قریب ہو۔ لیکن یہ تاویل قرینِ قیاس اور مناسب سیاقِ حدیث نہیں۔
کیونکہ حدیث شریف میں مومن کے خواب کی مدح و تعریف کی گئی ہے اور اسکو نبوت
کا چھیالیسواں حصہ فرمایا ہے۔ نیز ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رؤیائے صالحہ نبوت
کا جزو ہے اور جو چیز نبوت کا جزو ہو وہ جھوٹی اور خلاف واقع نہیں ہو سکتی۔ الغرض

چاہیئے کہ اُٹھ کھڑا ہو اور دو چار رکعت نماز پڑھ لے تاکہ نماز کی برکت اور نورانیت سے اسکی شر سے محفوظ رہے اور جو کدورت اور وحشت خواب دیکھنے سے پیدا ہوئی ہے وہ زائل ہو۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گردن میں طوق پڑا ہوا دیکھنے کو ناپسند فرماتے تھے یعنی اس قسم کے خواب کو اچھا نہیں سمجھتے تھے کیونکہ یہ حالت اہل دوزخ کی ہے چنانچہ آیت کریمہ میں اسکا ذکر ہے کہ دوزخیوں کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے۔ اس حدیث کے لفظ کچھ ایسے مبہم واقع ہوئے ہیں کہ ضمیر کا حال اچھی طرح نہیں کھلتا۔ بعض اس ضمیر کا مرجع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتے ہیں۔ بعض ابو ہریرہؓ اور بعض ابن سیرینؒ کو اسکا مرجع مانتے ہیں۔ اسی اختلاف کی بنا پر حدیث کے معنے مختلف ہو جاتے ہیں پہلی صورت میں تو وہی معنے ہیں جو لکھدئے گئے ہیں۔ دوسری صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اس قسم کے خواب کو ناپسند کرتے تھے۔ اور تیسری توجیہ کے موافق یہ کہ ابن سیرین ناپسند کرتے تھے۔ پھر آگے حدیث چلتی ہے ویعجبھم القید یعنی اس خواب دیکھنے کو پسند فرماتے تھے کہ کوئی شخص پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی دیکھے۔ اس ضمیر میں بھی اسیطرح اختلاف ہے۔ لیکن یہاں جمع کی ضمیر استعمال ہوئی ہے اسلئے اسکے معنے علی حسب اختلاف الاقوال یہ ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابۂ کرام یا ابو ہریرہؓ اور اُنکے اتباع یا ابن سیرین اور اسکے معاصرین ایسے خواب کو پسند کرتے تھے۔ وجہ پسند کرنے کی یہ ہے کہ اسکی تعبیر معاصی سے بچنا اور دین پر ثابت قدم رہنا ہے۔ چنانچہ سلف کا قول مشہور ہے القید ثبات فی الدین لیکن یہ تعبیر اہل تقوے اور دین کے لئے ہے۔

اگر کوئی بیمار یا محبوس زندان یا غمگین شخص اس قسم کا خواب دیکھے تو اسکے یہ معنے ہونگے کہ جس حالت میں ہے اس سے مخلصی نہیں ہوگی۔ شارح طیبی نے اسیطرح لکھا ہے۔ کیونکہ دیکھنے والے کی اختلاف حالت کے موافق تعبیر بھی بدل جایا کرتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی تاجر خواب میں دیکھے کہ وہ کشتی میں بیٹھا ہے اور ہوا موافق چل رہی ہے تو یہ اسکی سوداگری کے کامیاب ہونے کی علامت ہوگی۔ اور اگر بعینہٖ یہی خواب کوئی سالک دیکھے تو اسکی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ سالک سہولت سے مقام حقیقت تک واصل ہوگا۔ مذکورہ بالا حدیث جسکے اصلی راوی

ان حدیثوں سے صاف واضح ہوتا ہے کہ خواب کا سچا ہونا قوت ایمان اور کمال ایمان کی علامت ہے، اسلئے شر و فساد سے اسکو متعلق کرنا عکس مقصود ہے۔ البتہ ممکن ہے کہ اس وقت میں خوابوں کا سچا ہونا کسی ایسی حکمت غامضہ پر مبنی ہو جسکا علم سوائے نبی کے دوسرے کو نہیں ہو سکتا۔

حدیث شریف سے خواب کی صحت اور اسکی مدح تو معلوم ہو گئی ہے۔ اب ہم محمد بن سیرین سے جو معبّروں کے امام ہیں خواب کے اقسام نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک قسم کا خواب تعبیر کے قابل نہیں ہوتا۔ تعبیر کے قابل صرف وہی خواب ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے بشارت اور اعلام کے طور پر دکھایا گیا ہو۔ محمدؒ بن سیرین فرماتے ہیں خواب کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) حدیث النفس۔ یعنی قوتِ متخیلہ کی جولانیاں۔ مثلاً ایک شخص کسی خاص پیشے یا شغل میں لگا رہتا ہے تو خواب میں بھی اسکے وہی خیالات پیش نظر رہتے ہیں اور قوت متخیلہ اس میں تحلیل و ترکیب کا تصرف کر کے مختلف کیفیتوں میں نمودار کرتی ہے (۲) تخویف شیطان۔ یعنی وہ خواب جو شیطان کے تصرف کا نتیجہ ہوتا ہے جس سے اسکا مطلب انسان کو خواہ مخواہ تشویش میں ڈالنے کا ہوتا ہے۔ وہ ملعون آدمی کا تمسخر اڑاتا ہے اور اسکو تکلیف اور رنج دینے کا باعث ہوتا ہے۔ خواب میں ناپاک ہونا بھی اسی قسم میں داخل ہے۔ جس سے بعض اوقات نماز قضا ہو جاتی ہے اور کبھی اس میں تاخیر ہو جایا کرتی ہے۔ اِن دونوں قسم کے خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوا کرتی (۳) بشارت اور اعلام الٰہی جسکو دیکھکر انسان کے دل میں ایک جذبہ حق کیطرف پیدا ہوتا ہے۔ اور اپنے مولیٰ سے حسن ظن اور امیدواری کے بڑھنے کا باعث ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جسکو وہ ناخوش سمجھتا ہے تو اسکا کسی دوسرے سے ہرگز ذکر نہ کرے۔ کیونکہ جب اسکی کوئی تعبیر ہی نہیں جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے تو اس کا بیان کرنا فضول ہے۔ نیز جب وہ کسی دوسرے سے ذکر کرے گا تو ممکن ہے کہ وہ دوسرا شخص ڈھکوسلے کے طور پر اسکی فرضی تعبیر کر دے جس سے خواب دیکھنے والے کو خواہ مخواہ توہّم اور بد فالی سے تردّد پیدا ہو گا۔ اور تعبیر بتا دینے میں وقوع کی خاصیت بھی ہے چنانچہ اسکا بیان اپنے مقام پر کیا گیا ہے۔ الغرض کسی ایسے خواب دیکھنے کی صورت میں خواب بینندہ کو

ابن سیرینؒ ہیں اسکو بخاری اور مسلم دونوں اپنی اپنی کتابوں میں لائے ہیں اسلئے یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں متفق علیہ کہلاتی ہے۔ بخاری نے یہ حدیث بیان کرکے اسکے اسناد کے راویوں کی تحقیق لکھی ہے اور بیان کیا ہے کہ اسکا راوی قتادہ تابعین بصرہ کے طبقہ ثالث میں سے ہے۔ اور کہ یونس بن عبیدہؒ جس نے ابن سیرینؒ سے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ جہانتک میرا خیال ہے ابن سیرینؒ نے ابوہریرہؓ کے توسط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے وہ فقرہ نقل کیا ہے جسمیں بیڑیوں کے خواب میں دیکھنے کو اچھا لکھا ہے بخاری کے اس قول کا ماحصل یہ ہے کہ اگرچہ اسکا پہلا حصہ جو طوق کے متعلق ہے صرف ابوہریرہؓ یا ابن سیرینؒ کا خیال ہو سکتا ہے لیکن دوسرا حصہ اسکا ابوہریرہؓ یا ابن سیرینؒ کا اپنا قول یا خیال نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی منقول ہے اسلئے اسکو حدیث مرفوع کہیں گے۔ مسلم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا راوی یہ بھی کہتا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ حدیث کا یہ حصہ جو طوق اور بیڑیوں کے متعلق ہے۔ ابن سیرینؒ اپنی طرف سے کہتے ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ ایک دوسرے موقعہ پر مسلم لکھتے ہیں کہ یہ حصہ حدیث میں ادراج کیا گیا ہے۔ یعنی ابن سیرینؒ یا ابوہریرہؓ نے اپنی طرف سے حدیث میں درج کر دیا ہے۔ بخاری اور مسلم کی اس تقریر سے ضمیر کے مرجع کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

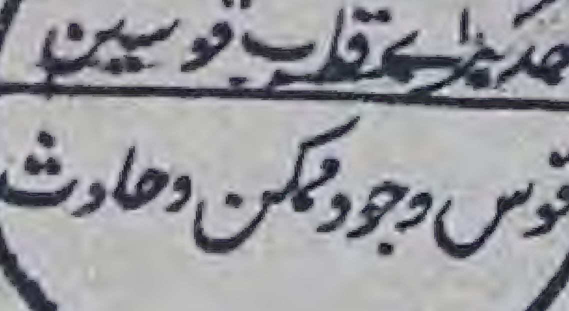
حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرا سر کٹا ہوا ہے۔ جابر کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر تبسم فرمایا اور اس سے ارشاد کیا کہ اذا لعب الشیطان باحدکم فی منامہ فلا یحدث بہ الناس اگر شیطان خواب میں تمہارا تمسخر اوڑائے تو اسکا ذکر کسی دوسرے سے نہ کرو مطلب یہ ہے کہ تمہارا یہ خواب ایک بیہودہ خواب ہے جسکی کوئی تعبیر نہیں اور یہ شیطان کے تصرف کا نتیجہ ہے جس سے وہ تمہیں غم اور رنج میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اس قسم کے خوابوں کا کسی سے ذکر نہیں کرنا چاہیے شارح طیبی کہتے ہیں۔ غالباً وحی یا دلالت حال کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کر لیا ہوگا کہ یہ خواب اس شخص کا خوابہائے پریشان کی قسم سے ہے۔ ورنہ اور معبرین

اس خواب کی مختلف تعبیریں لکھی ہیں۔ مثلاً نعمت کا زائل ہونا۔ قوم سے مفارقت کرنا۔ حال کا متغیر ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہانتک شیخ عبدالحق کی شرح مشکوٰۃ سے عبارت نقل کی گئی ہے۔ حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کا جمال باکمال دیکھنے کے متعلق اگرچہ مختلف اقوال ہیں جنکا ذکر مفصل کردیا گیا ہے۔ لیکن امام غزالیؒ نے جو تحقیق لکھی ہے اسکا ماحصل بعینہٖ یہی ہے جو مؤلف نے بسا اوقات حضرت مرشد کی زبان سے سنا۔ نیز اس سے بیداری میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار مبارک کا میسر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کلام کے نقل کرنے سے ہمارا یہ مدعا بخوبی ثابت ہوگیا کہ حالت خواب اور بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کے مشاہدہ سے مشرف ہو سکتے ہیں۔

چونکہ اس دولت عظمےٰ کے حصول کی وجہ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ کے خاتمے میں لکھی ہے اسلئے عام مسلمانوں کو مستفید کرنے کے لئے اسکا بھی اقتباس درج کیا جاتا ہے۔ "جناب محمدی سے معنوی تعلق پیدا کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلے یہ کہ اگر تمنے کسی وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کو خواب میں دیکھا ہے تو اسی صورت مبارک کا ہمیشہ استحضار کیا کرو اور اسکو ہر وقت پیش نظر رکھو۔ لیکن اگر یہ نعمت عظمیٰ تمہیں حاصل نہیں ہوئی اور اسلئے تم آپکے جمال باکمال کا صحیح تصور باندھنے سے قاصر ہو تو پھر آپ کا ذکر شریف کرکے آپ پر کثرت سے درود بھیجو اور اس حالت میں یہ خیال کرو گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حالت حیات میں تمہارے سامنے حاضر ہیں۔ اور تم آپ کی ذات عظیم الصفات کو عیاناً دیکھتے ہو اسلئے تمہیں چاہیئے کہ اس حالت میں نہایت ادب اور تعظیم کا طریقہ سلوک رکھو۔ یہ یقین کرو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمہیں دیکھتے اور تمہارے کلام کو سنتے ہیں۔ کیونکہ آپ صفات الٰہی سے موصوف ہیں اور حقتعالی کی ایک یہ صفت بھی ہے کہ انا جلیس من ذکرنی جو شخص میرا ذکر کرے میں اسکے ساتھ رہتا ہوں۔ اور اس صفت کا حصہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت کثرت سے ملا ہوا ہے کیونکہ عارف انکے معروف کا وصف ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے ساتھ لوگوں کو پہچانتے ہیں۔ اگر بالفرض تمہیں اس کیفیت سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

حضور میں رہنا میسر نہیں ہو سکتا تو اگر تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور روضۂ مطہرہ کی زیارت کی ہے تو اپنے ذہن میں اسکو ملحوظ کرو اور آپکا ذکر کرکے آپ پر درود بھیجو اور اس خیال کو دل میں منقوش کر دو۔ گویا تم اس حالت میں آپ کے روضۂ مطہرہ اور قبر شریف کے روبرو حاضر کھڑے ہو۔ اجلال اور تعظیم کے شرائط بھی اسی طرح بجالاؤ اور امیدوار ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا مشاہدہ تمہیں حاصل ہو۔ اگر تمہیں آپ کی قبر شریف کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوئی تو یہ بھی کافی ہے کہ ہمیشہ ہر ایک وقت میں درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجتے رہو اور یہ خیال دلنشین کردو کہ آپ تمہارے درود کو سنتے اور اس سے آگاہ ہیں۔ درود بھیجنے کی حالت میں با ادب اور حاضر القلب رہنا چاہئے حضور قلب اور یکدلی کو بہت بڑا اثر ہے۔ اس سے تمہیں شرم آنی چاہئے کہ ایک ایسی حالت میں آپ پر درود بھیجو جبکہ تمہارا دل کسی دوسرے معاملہ کی اُدھیڑ بن میں لگا ہوا ہو اس طرح درود بھیجنا جسم بے روح کا حکم رکھتا ہے۔ انسان کا ہر ایک عمل اُسوقت تک مقبول اور با اثر نہیں ہو سکتا جب تک اس میں حضور قلب نہ ہو۔ اگر حضور قلب سے کوئی عمل کیا جائے تو وہ زندہ ہے نہیں تو وہ عمل بمنزلہ قالب بے جان کے ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انما الاعمال بالنیات (عملوں کی قبولیت نیت پر منحصر ہے) کا ارشاد فرما کر عمل کو نیت اور ارادے سے مربوط کر دیا۔ شیخ اسمٰعیل جبرتی قدس سرہٗ کو ایک دن میں نے یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جب کوئی شخص ایک عمل شروع کرے لیکن ابتدا میں نیت صالح اسکے دل میں نہ آئی ہو۔ اور اسکا ارادہ یہ ہو کہ مجھے اس عمل سے خالص حق تعالٰی کی خوشنودی حاصل ہو جائے تو اسکو چاہئے کہ عمل کے وسط میں اپنی نیت کو درست کر دے۔ یہ نیت اس عمل کے حق میں نفخ روح کا کام دے گی اور وہ عمل کو زندہ کر دے گی۔ اور اگر شروع ہی سے نیت حسنہ ملحوظ رہے تو پھر اس عمل کے تو کیا کہنے ہیں۔ درحقیقت شیخ مذکور نے بالکل درست فرمایا ہے۔ الغرض جن طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کسی ایک طریقہ کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور ارتباط معنوی پیدا کرلو۔

دوسری صورت تعلق معنوی پیدا کرنے کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کاملہ کا استحضار کرو جو تمام صفات کمال سے موصوف اور اوصاف جلال وجمال کی جامع ہے حق تعالیٰ کی صفات سے آراستہ اور تمام کمالات وفضائل سے بہرہ ور ہے۔ تمام حقیقی اور معنوی ظاہری اور باطنی خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن اس حقیقت کاملہ کا تم اسوقت تک استحضار نہیں کر سکتے ہو جبتک یہ نہ سمجھہ لو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام حقائق وجود قدیم وحادث کے درمیان برزخ واقع ہوئے ہیں۔ اسکو دونوں حقیقتوں (قدیم وحادث) سے بہرۂ وافی حاصل ہے کیونکہ وہ اس ذات مستجمع الصفات کے نور سے مخلوق ہے جو تمام اسماؤ صفات اور آثار وافعال کا مبدء حقیقی ہے۔ اسی بنا پر آپ کے حق میں حقتعالیٰ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے کہ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ میں تمکو اس آیت کریمہ کے حقیقی معنے ایک مثال کے ذریعے سمجھائے دیتا ہوں۔ وجود اپنے وسیع معنوں کے لحاظ سے بمثل ایک دائرے کے ہے جو بذریعۂ ایک خط کے دو نصف پر منقسم ہے۔ اسطرح ⊖ نصف اعلیٰ کو وجود قدیم سے مسمّٰی کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ کہنا لازم ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالےٰ تقسیم اور انقسام سے منزّہ اور برتر ہے۔ اور نصف اسفل کو وجود حادث سے مسمّٰی کیا گیا ہے۔ ہر ایک نصف دائرہ کو قوس کہتے ہیں اور درمیانی خط جس نے دائرہ کو دو ٹکڑے کر کے دو قوس بنا دئے ہیں وتر قوس کہلاتا ہے۔ اسی خط کو قاب قوسین کہتے ہیں۔ مقام محمدی ایک حقیقت جامع ہے جسمیں کمالات الٰہیہ اور کمالات خلقیہ صورتًا اور معنًا مندرج ہیں۔ ذیل میں اس صورت مثالیہ کو ایک دائرہ کے ذریعے دکھایا گیا ہے جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حقیقت حق تعالیٰ وتقدس اور حقائق کونیہ کے درمیان برزخ واقع ہوئے ہیں




یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو حقیقۃ الحقائق کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ معراج کی رات آنحضرت کا مقام عرش قرار پایا جو مخلوقات کی انتہائی حد ہے۔ اس سے آگے ممکن اور حادث کا وجود نہیں۔ الغرض تمام مخلوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نیچے واقع ہوئے ہیں اور ذات حقتعالیٰ وتقدس

اسکے اوپر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق اور خلق کے درمیان برزخ ہیں۔ آپ کا وجود حق سے ہے اور خلق کا وجود آپ سے اور آپ دونوں کی صفتوں سے متصف ہیں۔ اس تشریح و توضیح سے تمکو کمال محمدی کے استحضار میں بڑی آسانی ہوگی۔

تنبیہ۔ حقیقت محمدیہ کا ظہور ہر ایک عالم اور ہر ایک مقام میں اسی کے موافق ہوتا ہے عالم اجسام میں اسکا ظہور اَور طرح پر ہے اور عالم ارواح میں اَور طرح پر۔ کیونکہ عالم اجسام میں عالم ارواح کی مانند وسعت نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اسکا ظہور عالم معنے میں عالم ارواح کے ظہور سے بھی زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اسیطرح یمین عرش میں اسکا ظہور جداگانہ ہے اور بالائے عرش جداگانہ۔ کیونکہ مؤخر الذکر میں بیچونی وبیچگونگی کی شان پائی جاتی ہے جسقدر مقام اعلیٰ اور اجل ہو حقیقت محمدیہ کا ظہور اتم اور اکمل ہوگا۔ ہر ایک ظہور کی ہیبت اور جلال اسکے رتبہ کے موافق ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک ایسا مقام بھی ہے کہ جسمیں حقیقت محمدیہ کے متجلی ہونے کی کوئی نبی یا ولی تاب نہیں لاسکتا۔ اسی مرتبہ کی جانب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ مَلَکٌ مقرب ولانبی مرسل (حقتعالیٰ سے ایک وقت میں مجھکو ایسا قرب حاصل ہوتا ہے کہ اسوقت کوئی ملک مقرب یا پیغمبر مرسل بھی وہاں باریاب نہیں ہوسکتا)۔ پیارے بھائی! اپنی ہمت کو بلند رکھو تاکہ آپ کو مظاہر علیا میں دیکھ سکو۔ اور مَیں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ آپ کے جمال صورت اور حقیقت معنویہ کو ملحوظ اور مستحضر رکھنے کی کوشش کرو۔ خواہ ابتدا میں تکلف اور تصنع ہی سے کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اگر ابتدا میں بہ تکلف استحضار کروگے تو وہ دن بعید نہیں جبکہ تمہاری روح آپ کے تصور مبارک سے مانوس ہوجائے گی۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ عیاناً تمہیں حاصل ہوگا۔ تم ان سے باتیں کروگے اور ان کے کلام مبارک کو سنوگے۔ وہ تمہاری عرض معروض کا جواب ارشاد فرمائیں گے۔ اور تمہیں وہ درجہ حاصل ہوگا جو صحابہ کرام کو حاصل تھا۔" (مدارج النبوۃ کی عبارت ختم ہوگئی)۔

ایک اور خارق عادت حضرت مرشدی کی یہ تھی کہ ایک دن مؤلف آپ کے کشف کا حال معلوم کرنے کی نیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتنے میں ایک شخص آم کی لوکری بھر کر لایا اور نیاز پیش کی۔ چونکہ وہ میوہ پہلے پہل پہونچا تھا اسلیئے میرا جی للچایا اور میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آپ اس میوہ سے مجھکو بھی کچھہ عنایت فرماتے۔ آپنے فوراً فرمایا تمہارے دل میں فلاں خیال پیدا ہوا ہے۔ گھبراؤ نہیں میں تمہیں دیتا ہوں اسکے بعد آپ نے فرمایا کشف اور کیا ہوتا ہے۔ اس سے دونوں خطرونکا جواب دیا گیا۔ پھر آپ نے وہ میوہ یتیموں میں تقسیم فرمایا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں خدمت شریف میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تمہارے کتنے لڑکے ہیں؟ میں نے عرض کیا دو لڑکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تینے یہ مسئلہ بھی دیکھا ہے کہ جس شخص کے خورد سال لڑکے مرجائیں وہ اسکے لئے قیامت کے دن شفاعت کرینگے میں نے عرض کیا جی ہاں دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا دیکھنا آسان ہے لیکن اگر ایسا واقع ہو تو پھر اسکا برداشت کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ میں یہ سُنکر متردد ہوا اور کچھ عرصہ تک اس تردد میں رہا۔ تین چار ماہ کے بعد میرے ایک لڑکے عظیم الدین کو جو مجھے نسبتہً زیادہ پیارا تھا پیچش کا عارضہ ہوا۔ اسوقت مجھکو آپ کے فرمانے کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ اور ہرچند میری بیوی نے طبیب بلانے اور علاج کرانے کے لئے تاکید کی لیکن میں نے کچھ خیال اسباب کا نہ کیا اور آخر کار چالیس یا پچاس دن کے بعد وہ بچہ مرگیا۔

ایک دن مجھ سے بمقتضائے بشریت آپ کے حق میں قصور سرزد ہوا جس سے آپ کو کسیقدر رنجش پیدا ہوئی۔ جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فوراً یہ شعر پڑھا ے

باران دو صد سالہ بباید کہ نشاند      ایں گرد وغبارے کہ تو انگیختۂ

(جو گرد وغبار تینے بپا کیا ہے اِسے بٹھانے کے لئے دوسو سال متواتر بارش کی ضرورت ہے) یہ سُنکر مجھپر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی جسکا بیان تحریر میں نہیں ہوسکتا۔ میں عرقِ خجالت میں غرق ہوگیا اور آپ سے معافی کی التجا کی۔

ان دنوں میں جبکہ مجھکو حصول معاش کی فکر دامنگیر تھی۔ بعض لوگوں کے بہکانے سے

بیں نے عاقل خان صوبہ دار دہلی کو ایک عرضی لکھی اور اپنے احتیاج و تنگدستی کا اظہار کیا۔ باوجودیکہ لوگوں نے اس صاحب دولت کے اوضاع و اطوار سے مطلع کر دیا تھا۔ لیکن جب ملاقات ہوئی تو میں نے چند ایک ایسی حرکتیں کیں جو اسکو سخت ناگوار گذریں اہل مجلس میں سے ایک شخص نے جو خان موصوف کا مقرب تھا یہ ظاہر کیا کہ یہ شخص اہل دولت کے آداب مجلس سے واقف نہیں۔ مجھے خود بھی اپنی حرکات سے تعجب ہوا کیونکہ اگر استغنار اور بے نیازی کرنا مطلوب تھا تو پھر اسقدر دور دراز مسافت طے کر کے اسکے پاس حاضر ہونے کا کیا مطلب؟ بہرکیف اسکا مزاج بگڑ گیا اور کچھ کام نہ بنا۔ اسکے بعد جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ میری طرف تیز و تند نگاہوں سے دیکھنے لگے اور یہ اشعار زبان مبارک پر لائے ؎

بیزارم ازاں چشم کہ ہر سو نگراں | بیزارم ازاں یکدل و پنجاہ زباں
بیزارم ازاں مجلس یاران جہاں | گہ با من وگہ با تو وگہ با دگراں

(میں اس آنکھ سے بیزار ہوں جو ہر ایک طرف نگراں رہتی ہے۔ میں اس شخص سے بیزار ہوں جسکا ایک دل اور پچاس زبانیں ہوں۔ میں اُن دوستوں کے ساتھ ہمنشیں ہونا نہیں چاہتا جو کبھی میرے ساتھ کبھی تیرے ساتھ اور کبھی دوسروں کے ساتھ ہوں۔

ایک دن بمقتضائے بشریت میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ علوم ظاہری کے لحاظ سے مجھکو آپ پر تفوق حاصل ہے کیونکہ آپ کی توجہ ایک مدت دراز ہوئی ان علوم کیطرف نہیں رہی۔ اسی اثنار میں آپ نے فرمایا تیمم کی نیت پڑھو۔ میں نے نیت پڑھی نویت ان اتیمم لرفع الحدث والاستباحۃ الصلوٰۃ۔ آپ نے فرمایا اِستِبَاحَۃ کیا صیغہ ہے باوجودیکہ مجھے علم صرف میں مہارت حاصل تھی لیکن اس موقعہ پر میری زبان سے یہ نکل گیا کہ باب افتعال کا مصدر ہے آپ خاموش رہے۔ جب میں اس مجلس سے اُٹھکر ایک دوست کے گھر میں گیا جو میرا ہمدرس تھا اور اس صیغہ کا ذکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نے غلط بتایا تھا۔ درحقیقت باب استفعال کا مصدر ہے۔ دوسرے دن آپ نے فرمایا معلوم ہو گیا؟ اس سے میں متنبہ ہو گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ آپ کا یہ سوال مجھپر میرا عجز ظاہر کرنے کی غرض سے تھا اور اسکا باعث

میرا وہ ناپسندیدہ خطرہ تھا جو میرے دل میں گذرا تھا۔
ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھکو فرزند نرینہ عطا کیا۔ بمقتضائے بشریت میرے دل میں خیال آیا کہ اچھا ہوا لڑکی نہیں ہوئی۔ اسکے بعد میں آپ کی خدمت میں نیاز پیش کرنیکو لئے حاضر ہوا۔ چونکہ آپ نے بیماری سے ابھی صحت پائی تھی اسلئے حرم خانہ میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے وہاں جاکر نیاز پیش کی تو آپ فرمانے لگے۔ عجب لوگ ہیں۔ اپنے گھر میں دوسروں کی لڑکیاں لے آنا اور ان سے عقدِ مناکحت کرنا تو پسند کرتے ہیں لیکن اگر خود ان کے گھر میں لڑکی پیدا ہو تو وہ ناخوش ہوتے ہیں۔ وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پہلے لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اور اس میں بڑے فوائد اور حکمتیں ہوتی ہیں۔ اس سے میں اپنی غلطی پر متنبہ ہو گیا اور استغفار کیا۔
ایک دن خدمت شریف میں اس نیت سے حاضر ہوا کہ رقت دل حاصل ہو جس سے گریہ وسوز کی حالت پیدا ہو۔ یکایک ایک قوال آگیا جو علم موسیقی میں اچھا کمال رکھتا تھا اس نے گانا شروع کیا اور آپ کے چہرہ پر شوق کے آثار دکھائی دینے لگے۔ دیوار کی جانب منہ پھیر کر آپ نے ایسی حرکتیں کرنا شروع کیں جیسی عورتیں کسی پیارے مطلوب کی ملاقات کے وقت کیا کرتی ہیں۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب اور پیارے عزیز کے سر گرد اپنا ہاتھ گھماتی ہیں اور پھر اسکو اپنے سر کی طرف لیجاتی ہیں۔ اس سے انکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے میرے عزیز! میں تم پر قربان ہو جاؤں۔ اس حالت کو دیکھکر میرے دل میں ایک غیر معمولی اثر پیدا ہوا میرے جسم میں حرارت دوڑ گئی اور میں بے اختیار چیخ کر رونے لگا۔ میں ایک گوشے میں بیٹھا تھا۔ ایک دوسرے شخص نے جاکر آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص پر آج گریہ وسوز غالب آگیا ہے جسکو وہ ضبط نہیں کر سکتا۔ آپ نے میری طرف گوشۂ چشم سے ایک نگاہ فرمائی اور پھر دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔
آپ کا ایک عجیب تصرف یہ تھا کہ میں تیرہ چودہ سال تک آپ کی خدمت بابرکت میں رہا۔ آپ ہی کی پند و تلقین سے علوم عربیہ کی تحصیل میں مشغول ہوا۔ جب میں خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کی زبان مبارک سے محبت الٰہی کے نکات و دقائق اور شوق افزا کلمات

سنتا تو میرے دل میں طلب حق تعالیٰ و تقدس کی آتش اشتیاق شعلہ زن ہوتی اور جب میں بیتاب ہو کر آپ سے حصول مقصود کے لئے متمنی ہوتا اور اپنا شوق ظاہر کرتا تو آپ میری جانب ایک نظر فرما کر پھر تغافل فرما لیا کرتے۔ انہی دنوں میں آپ کے فیض صحبت سے میں سچے خواب دیکھا کرتا جنکی تفصیل اس موقعہ پر نہیں ہو سکتی اور اس سے میرا شوق اور بڑھ جاتا تھا۔ لیکن چونکہ ہر ایک بات کے وقوع میں آنے کے لئے ایک وقت مقرر ہے اشتغال اور موانع سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ جب میں علوم ضروریہ کی تحصیل سے فارغ ہوا تو ایک دن خدمت میں عرض کیا کہ دوستوں کی ایک بڑی جماعت سرہند کو جانا چاہتی ہے اگر حکم ہو تو میں بھی ساتھ جاؤں ممکن ہے کہ جمعیت خاطر حاصل ہو۔ اور تدریس کا شغل میسر ہو آپ نے فرمایا کچھ دن صبر کرو۔ آپ کو تو اصلی دن جو میری کشائش کار کے لئے مقدر تھا معلوم تھا۔ اسلئے آپ ہر ایک مرتبہ یہی فرماتے کہ ابھی صبر کرو۔ جب میں خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ فرماتے کیا ارادہ ہے ؟ میں عرض کرتا حضور کی اجازت پر سب کچھ موقوف ہے۔ پھر آپ خاموش ہو جاتے۔ اسیطرح ایک مدت دراز گذر گئی۔ میں حیران ہوا کہ نہ تو آپ جانے کی اجازت فرماتے ہیں اور نہ رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ نہ معلوم آپکا کیا خیال ہے۔ ایک دن جو جمعرات کا روز تھا میں حسب معمول خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ایسے شوق انگیز کلمات فرمائے جس سے دل میں قلق اور اضطراب کی حالت پیدا ہوئی۔ پھر آپ نے نہایت اصرار کے ساتھ ترک تعلقات اور تجرید از عوائق کی دیر تک تلقین فرمائی۔ میرے نفس نے اسطرح گریز کرنا شروع کیا گویا لومڑی پر شیر نیستاں حملہ آور ہے اور وہ بھاگ رہی ہے۔ خدائے عالم الغیب شاہد حال ہے کہ آپ کے مؤثر کلمات سنکر میں عرق خجالت میں غرق ہو گیا اور بدن پر لرزہ پڑ گیا۔ جب آپ اٹھکر تشریف لیگئے تو حاضرین مجلس سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے ابتک آپ سے ایسے مؤکد اور پر زور الفاظ کسی شخص کے حق میں نہیں سنے معلوم نہیں تمہارے حق میں آپ کو کس بات کا انکشاف ہوا ہے کہ اسقدر تاکید فرمائی ہے۔ شاید تمہاری موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ میرے دل میں خوف و اضطراب اس حد تک بیٹھ گیا کہ یہ تو ہم کر کے کہ معلوم نہیں تمہاری عمر کسقدر باقی رہگئی ہے ایک گھڑی آپ سے جدا ہونیکو جی نہیں

چاہتا تھا۔ اور نہ آپ کے حکم سے سرمُو انحراف کرتا اور ہمیشہ یہی تصور بندھا رہتا کہ چونکہ تمہاری عمر بہت تھوڑی رہ گئی ہے اور آپ کے دل مبارک میں تمہاری نسبت یہ القا ہوا ہے کہ ان چند دنوں کو طلب حق میں گذار دو۔ اسلئے تمپر لازم ہے کہ استغفار اور توبہ میں مشغول رہکر غیر حق سے منہ پھیر لو۔ انہی دنوں میں مَیں اپنے ایک رفیق عبد الرسول نام کے ساتھ چند قدم چلا تھا کہ بازار با دشاہ قلعے میں ایک مجذوب ایک تنور پر بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک شخص نے مجھ سے دو ایک باتیں دریافت کیں۔ اس مجذوب نے میری جانب اور میرے رفیق کیطرف کچھ اشارہ کیا کہ یہ شخص اس عالم سے دوسرے عالم میں جانے والا ہے اس سے مجھکو اَور بھی خوف پیدا ہوا۔ اسی اثنار میں ایک دن میں اپنے ایک ہم سبق میاں محمد عابد نام کے گھر گیا۔ یکایک میری حالت سکر کے درجہ تک پہونچگئی اور میں نے اپنے کپڑے اُتار کر غریبوں مسکینوں کو دیدئے اور صرف ایک پورا ناتہ بند باندھ کر ایک چادر کہنہ اوڑھ لی اسی دن شام کے وقت خدمت شریف میں حاضر ہوا۔ میری حالت دیکھکر شیخ محمد فیاض سے ارشاد فرمایا کہ وہ حدیث پڑھو کہ قلب المؤمن بین الاصبعین شیخ مذکور نے اسکو اسطرح پورا پڑھا کہ قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمن یقلبھا کیف یشاء (مومن کا دل خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہے جسطرح چاہتا ہے اسمیں تصرف کرتا ہے)۔ آپ تین مرتبہ سبحان اللہ زبان مبارک پر لائے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آخر تمنے کپڑے پھینک کر فقر کا راستہ اختیار کیا۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ دل میں ایسا ہی القا ہوا۔

ایک دن ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص مثنوی مولانا روم کی شرح تصنیف کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اسکے لئے ایک مرد درویش صاحب کمال چاہئے۔ وہ تو زن مرید ہے۔ اسکو مثنوی سے کیا نسبت۔ میرے دل میں گذرا کہ ایسا قبیح لفظ غائبانہ کسی شخص کے حق میں کہنا آپ کے شایانِ شان نہیں۔ آپ کو میرے خطرۂ دل پر اطلاع ہوئی اور آپ نے شیخ محمد فیاض کو طلب کر کے فرمایا کہ بتاؤ آج تمنے خواب میں کیا واقعہ دیکھا ہے؟ اُس نے اپنا وہ خواب ذکر کیا جو اسی فائحہ کی ابتدا میں مفصل لکھا گیا

جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی تجلی مشاہدہ کی اور حقتعالیٰ کا یہ کلام سنا کہ اگر فلاں سے یعنی حضرت مرشد سے کوئی گناہ سرزد ہو تو ہمنے اُسکو معاف کر دیا ہے جب شیخ نے اپنے خواب کا قصہ تمام کیا تو آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا جو ہزاروں گناہ بخشتا ہے کیا وہ ایک گناہ نہیں بخشیگا؟ مجھے اپنے خطرہ پر ندامت ہوئی اور میں اس سے تائب ہوا

**مسئلہ غیبت کی تحقیق**۔ مؤلف کہتا ہے۔ چونکہ آپکا یہ قول جس سے مجھکو یہ خطرہ پیدا ہوا تھا نظر بظاہر غیبت معلوم ہوتا تھا جو شریعت میں منع ہے اسلئے کتب فقہ سے اسکی تحقیق لکھی جاتی ہے۔

غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص اہانت اور استہزا کی غرض سے کسی دوسرے شخص کے عیب کو کسی ایسے آدمی کے سامنے بیان کرے جو اس سے آگاہ نہیں۔ اگر استہزا کی نیت سے نہیں بلکہ اظہار افسوس کے طور پر کہے یا اس شخص کے سامنے بیان کرے جو پہلے اس سے واقف ہے تو یہ غیبت نہیں۔ بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ جب فرشتوں کو معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے خلافت کا رتبہ تجویز ہوا ہے تو انہوں نے زبانِ شکایت کھولی کہ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا (اے خداوندِ عالم! کیا تو ایک ایسی مخلوق کو خلیفہ بناتا ہے جو فساد اور خونریزی کی مرتکب ہوگی۔) یہ قول بظاہر غیبت معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے حضرت آدم علیہ السلام اور اسکی اولاد کی تحقیر کی گئی ہے لیکن چونکہ یہ الفاظ انہوں نے حقتعالیٰ کے سامنے عرض کئے تھے جو تمام عیوب اور غیوب سے واقف ہے اسلئے اسکو غیبت نہیں شمار کیا گیا اور اسلئے اس سے عصمتِ ملائکہ میں فرق نہیں آتا۔ فتاوے کبرے میں لکھا ہے کہ غیبت کے معنے ہیں کسی شخص کے پسِ پشت اسکے عیوب کا ذکر کرنا جس سے اسکی غمخواری مقصود نہ ہو۔ لیکن اگر وہ اظہار افسوس کے طور پر کہتا ہے کہ اے کاش میرا مسلمان بھائی اس آفت میں مبتلا نہ ہوتا تو اس کو غیبت نہیں کہتے۔ شرح تیسیر الاحکام میں لکھا ہے کہ اگر کسیکا عیب بیان کرنا اسکو گراں نہ گزرے تو اسکو غیبت میں داخل نہیں سمجھا جائیگا اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ

من القی جلباب حیائه فلا غیبة له (جس نے حیا کو دور کردیا ہو اسکی عیب گوئی غیبت میں داخل نہیں۔ شلاً ایک شخص ہے جسکو حرام زادہ وغیرہ الفاظ سے پکارا جائے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی غیبت نہیں۔ ایک شرط غیبت کی یہ بھی ہے کہ کہنے والے کا مقصود اس شخص کی اہانت ہو۔ لیکن اگر اظہار افسوس کے طور پر ہو تو یہ غیبت نہیں۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اولیاء اور عارفین سے جو اس قسم کی باتیں سرزد ہوتی ہیں یہ اظہار افسوس کے طور پر ہوتی ہیں۔ اور اسکے سامعین کو پند و نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر بمقتضائے بشریت حقیقۃً غیبت ان سے سرزد ہو تو ہو۔ کیونکہ وہ معصوم تو نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کو بہت جلد توبۂ خالصہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ اور ان کے رتبۂ عالیہ میں اس سے کچھ فرق نہیں آتا۔ بعض لوگ اس حدیث کی کہ اذا احب اللہ عبداً لم یضرہ ذنبٌ (جب خدا تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اسکو کوئی گناہ ضرر نہیں پہونچاتا۔) یہی تاویل کرتے ہیں کہ اگرچہ خدا تعالیٰ کے پیارے بندے سے گناہ کا سرزد ہونا کچھ بعید نہیں کیونکہ وہ بشر ہیں جیساکہ محقق کے کلام سے ظاہر ہے اگرچہ اس نے بلفظ او تردید کیا ہے۔ او معناہ انہ وفقہ للتوبۃ الخالصۃ یعنی یا یہ کہ توفیق دیتا ہے اسکو توبہ خالص کی اور بہت جلد اسکو بے ریا خالص توبہ نصیب ہوتی ہے جس سے اس گناہ کا اثر دور ہو جاتا ہے۔ والتائب من الذنب کمن لاذنب لہ (جو شخص گناہ سے تائب ہو وہ ایسا پاک ہو جاتا ہے گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں) معدن المعانی میں اس حدیث کا یہ مطلب لکھا ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اسکو گناہ کے وقت توبہ کی توفیق عنایت کرتا ہے جسکی وجہ سے وہ گناہ کے نتائج بد سے محفوظ رہتا ہے۔ اس حدیث کو۔ ان اللہ لیحب العبد حتی یبلغ من محبتہ ان یقول لہ افعل ما شئت فقد غفرت لک (خدا تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اسکی دوستی بعض اوقات اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ جو تمہارا جی چاہے کرو میں نے تمہیں بخشدیا ہے) بھی مذکورہ بالا تاویل پر حمل کرنا چاہئے۔

مؤلف کہتا ہے عصمتِ انبیا اور حفظ اولیاء کے مفہوم میں اگرچہ از روئے لغت

کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن اصطلاح علماء میں عصمت اور حفظ کے درمیان یہ فرق ہے کہ اول الذکر بالذات ہے اور موخر الذکر بالعرض۔ مثلاً شجاعت اور جود ایک صفت ذاتیہ ہے جو کسی حالت میں ذات موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی۔ اسیطرح عصمت بھی نبی کی ذاتی صفت ہے۔ برخلاف اسکے ولی اللہ بالذات معصوم نہیں البتہ گناہ سے عملاً محفوظ رہتا ہے۔ گو اسکی ذات کے لحاظ سے یہ ممکن ہے کہ اس سے گناہ سرزد ہو۔

ایک مرتبہ میرا ایک لڑکا امیر الدین نام سخت بیمار رہا۔ ہر چند علاج معالجہ کیا گیا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایک دن نفخ شکم اور حبس بول کی شکایت ہو گئی اور غشی تک نوبت پہونچی۔ میں نے متعلقین کی جزع فزع دیکھکر ان سے کہا کہ میرے دل میں اسکے علاج کی بابت القا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اسکو حضرت مرشد کی خدمت میں لے چلیں۔ چنانچہ میں پیشتر چلا گیا اور لڑکا میرے بعد خدمت شریف میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ کسکا لڑکا ہے۔ حاضرین مجلس سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ فلاں شخص کا لڑکا ہے اور شفا یابی کی دعا چاہتے ہیں۔ آپنے فرمایا اسکو کیا شکایت ہے۔ عرض کیا گیا کہ پیٹ میں نفخ ہے جسکی شدت سے بیہوش ہو گیا ہے۔ آپنے اس لڑکے پر ہاتھ رکھکر فرمایا اسکو حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی زیارت گاہ کو لیجاؤ (جو دہلی میں ہے) اور وہاں کی خاک پاک اسکے پیٹ پر ملکر روضۂ مبارک کا پانی پلاؤ۔ تعمیل کیگئی۔ اور باوجود مایوسی کی حالت نمودار ہو جانے کے اسکو اسی دن صحت حاصل ہوئی۔

ایک دن میں خدمت شریف میں حاضر ہوا۔ خادمان درگاہ نے التماس کیا کہ خمیر گوندھنے کے برتنوں کو ڈھانکنے کے لئے چند ایک لکڑی کے تختے مطلوب ہیں۔ ہر ایک شخص نے اپنے خیال سے انکے بہم پہونچانے کے لئے تدبیر عرض کی۔ ایک شخص نے حاضرین مجلس سے دریافت کرنا شروع کیا۔ میں نے اپنی ایک عمارت کے کواڑوں کے لئے چند تختے محفوظ رکھے تھے اور چونکہ مجھے انکی ضرورت تھی اسلئے میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آپ کو تو بفضل خدا کسی چیز کی احتیاج نہیں کسی دوسری

جگہ سے بلجائینگے میں خواہ مخواہ نہ بولوں۔ یہ گفتگو دیر تک ہوتی رہی اور میں خاموش رہا۔ اس اثنا میں آپ بار بار میری طرف دیکھتے تھے لیکن میں تغافل کر جاتا تھا۔ آخر آپ نے ایک ایسی نگاہ کی کہ میں بے اختیار بول اُٹھا اور عرض کیا کہ میرے پاس چند تختے موجود ہیں جو میں نے کواڑ بنوانے کے لئے محفوظ رکھے تھے اب جو آپکا حکم ہو بجا لاؤں۔ آپ نے فرمایا لے آؤ۔ الغرض آپ کی نگاہ کا ایسا زبردست اثر ہوا کہ ہر چند میں نے خاموش ہونا چاہا لیکن میں اپنے آپ کو ضبط نہ کر سکا۔ اس حرکت سے میں اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوا۔ اور یہ خیال کیا کہ جب یہ ہونا تھا تو پہلے اپنے اختیار سے وہ تختے کیوں پیش نہ کئے۔ آپ بار بار میری جانب دیکھکر تبسم فرماتے اور مجھے اور زیادہ خجالت ہوتی لیکن کسی دوسرے کو اس حالت پر اطلاع نہ ہوئی۔

ایک دن میں آپ کی ملاقات کے لئے جا رہا تھا۔ ایک آشنا راستہ میں ملگیا۔ اور وہ بھی میرے ساتھ ہو لیا۔ جب خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس شخص سے اسکا نام وغیرہ دریافت فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد آپ کبھی میری طرف نگاہ فرماتے اور کبھی میرے اُس رفیق کی جانب دیکھتے۔ لیکن آپ کی نگاہ سے غتاب مترشح ہوتا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آپ کیوں ناراض ہوئے۔ آپنے فرمایا بعض لوگ ہمارے پاس آتے ہیں تو دوسروں کو بھی ساتھ لے آتے ہیں۔ اپنے آنے کو غنیمت نہیں سمجھتے چونکہ خدمت شریف میں بہت سے لوگ حاضر تھے اسلیئے میں اس کنایہ کو بھی نہ سمجھ سکا آخر آپنے تصریح فرمائی اور میری طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ شخص خود تو آتا ہے لیکن دوسرونکو بھی لے آتا ہے حالانکہ ہم ہر ایک شخص کا آنا پسند نہیں کرتے۔ کوئی کسی مذاق کا ہوتا ہے اور کوئی کسی کا۔ بعض نفس کی شرارت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ بعض شیطان کے دام میں پھنسے ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کو غنیمت نہیں خیال کرتا کہ خدا نے اسکو راہ راست پر چلنے کی توفیق دی۔ اگر منع کر دوں تو کیا حال ہو۔ اس سے مجھپر بے اختیار گریہ کی حالت طاری ہو گئی۔ عبدالواحد ایک فقیر سے جو آپکا مرید تھا عرض کیا کہ فلاں رو رہا ہے آپ نے کچھ التفات نہ فرمایا۔ بلکہ جب کھانا آگیا تو آپ نے دوسرے تمام لوگوں میں تقسیم

فرمایا لیکن مجھکو محروم رکھا۔ میں نے خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ظاہر حال پر نظر
کی اور یہ خیال کیا کہ جب کوئی شخص آپ کی زیارت کا اشتیاق ظاہر کرے تو کیوں اسکو
اس نیک ارادے سے باز رکھا جائے۔ اب میں نے توبہ کی آئندہ ایسا نہیں ہوگا
الغرض چند یوم تک میں معتوب رہا اور میرے سلام کا جواب بھی آپ نہیں دیتے تھے
مجھے مدت دراز تک اسکی حکمت معلوم نہ ہوسکی کہ آپ کیوں اس شخص کو ساتھ لانے سے
اسقدر ناخوش ہو گئے۔ آخر چھ سات ماہ کے بعد اس شخص نے ایک دہو کے بازسے
دوستی گانٹھ کر جھوٹی سند بنالی اور اپنے آپ کو بادشاہِ وقت کا عہدے دار ظاہر کیا۔
لوگوں سے بہت سا روپیہ بٹور لیا اور ایک شخص کو اسکی جاگیر سے برطرف کرکے اسپر
قابض ہو گیا۔ مجھے اسکے تنوّل کا حال سُنکر تعجب ہوا کہ اتنی دولت کہاں سے ہاتھ آئی
ممکن ہے کہ اس نے کوئی دام فریب پھیلایا ہو۔ لیکن لوگ میری بات کو باور نہیں کرتے
تھے۔ آخر نوبت یہانتک پہونچی کہ دفتر سلطانی میں اطلاع دی گئی۔ کہ ایک امیر کی جاگیر
پر جو تین چار سال سے فوت ہوا ہے اسکا ایک وارث قابض تھا حکام شاہی نے اسکی
جاگیر ضبط کرلی ہے اسکی فریاد رسی فرمائی جائے۔ اس درخواست پر غور کی گئی۔
اور اس زمانہ کی پولیس نے موقعہ پر جاکر اسکو گرفتار کرلیا اور دوسرا شخص جس نے
اسکو جعلی سند بنا کر دی تھی چمپت ہو گیا۔ پولیس نے اسکا تمام گھر لوٹ لیا اور اسکو
قاضی کی عدالت میں لیگئے۔ جن لوگوں سے اس نے روپیہ بٹورا تھا وہ بھی یہ سُنکر عدالت
میں حاضر ہوئے اور دعوے دائر کیا۔ قاضی کے سامنے اس نے ظاہر کیا کہ جس شخص نے
جعلی سند بنائی تھی وہ بھاگ گیا ہے اور مجھکو اس مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ جب
یہ حال اسکا میں نے سنا تو مجھکو سخت خوف و اندیشہ اسبات کا پیدا ہوا کہ چونکہ میرے
ساتھ بھی اسکی نشست و برخاست تھی کہیں یہ نہ کہدے کہ میں نے فلاں کو
اسقدر روپیہ دیا ہے اور فرضخواہ مجھپر دعوے دائر نہ کردیں۔ اسوقت مجھے یہ بھی معلوم
ہوا کہ آپ اسکے ساتھ لیجانے سے کیوں اسقدر ناراض ہوئے تھے اور میں نے اپنے
قصور کا مکرر اعتراف کرکے یقین کیا کہ آپ نے اس حدیث کے مطابق کہ اِتَّقُوْا

فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ عزوجل (مومن کی فراست اور قیافہ شناسی سے ڈرا کرو کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے) اسکی حقیقت باطن کو جسے دوسرے لفظوں میں خبث باطن کہہ سکتے ہیں معلوم کرلیا تھا۔ وہ شخص کچھ مدت تک قید میں رہا لیکن چونکہ مفلس قلاش تھا اور اس سے کچھ بھی وصول نہیں ہو سکتا تھا اسلئے اسکو بالآخر چھوڑ دیا گیا۔

ایک شخص افغان جو اوباش مزاج تھا طلب علم کے لئے آپ کے مدرسہ میں حاضر ہوتا تھا بظاہر اخلاص سے آپکی خدمت کیا کرتا تھا اور رات کو مسجد میں سویا کرتا تھا کھانا اس کو سرکار سے ملتا تھا۔ ایک اور افغان شاہ محمد نام سے سبق پڑھا کرتا تھا اور آپ وقتاً فوقتاً اس سے ظرافت اور خوش مزاجی سے پیش آتے۔ کچھ عرصہ کے بعد یکایک آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسکو یہاں نہ آنے دو اور شاہ محمد مذکور سے بھی فرمایا کہ اسکو سبق نہ پڑھایا کرو۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ کیا معاملہ ہے۔ تین چار مہینے کے بعد اس نے کوتوال سے مناقشہ کیا۔ کوتوال نے اسکو برا بھلا کہا اور اس نے دل میں کینہ کیا۔ ایک رات دوسرے اوباشوں کو بھی ساتھ لیکر کوتوال پر حملہ کر دیا۔ فریقین میں لڑائی ہوئی اور کوتوال مقتول ہوا۔ شاہی فوج نے اسکو پکڑ کر قید کر لیا اور مدتوں قید میں رہا۔ اس سے یہ راز کھلا کہ آپ نے اسکا آنا کیوں بند کر دیا تھا۔ اور آپ کا بعض غیب کی باتوں پر مطلع ہونا بھی ثابت ہوا۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ چونکہ ایک مدت تک یہ شخص یہاں پڑھتا رہا ہے اور یہ بھی یقیناً معلوم نہیں کہ وہ خود قتل کا مرتکب ہوا ہے یا کسی اور شخص کا فعل ہے اسلئے اگر آپ اسکی سفارش فرمائیں تو اسکی خلاصی ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یا تو اس نے درحقیقت قتل کا ارتکاب کیا ہے یا نہیں کیا۔ پہلی صورت میں اگر وہ قتل کیا جائے تو یہ عین صواب ہے کیونکہ قصاص شرع کا حکم ہے۔ دوسری صورت میں وہ شہید ہوگا اسلئے میں عبث سفارش نہیں کرتا۔ نیز اگر میں اسکی سفارش کردوں تو کل کو دوسرے لوگ بھی اس قسم کی حرکتوں پر گستاخ ہو جائیں گے۔ ایک دن آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ فلاں کی مخلصی ہو گئی ہے یا ابھی تک قید میں ہے؟ میں نے عرض کیا چونکہ آپ کی زبان مبارک

مخلصی کا لفظ جاری ہوا ہے اسلئے یقین ہے کہ وہ خلاص ہوگا۔ اسیطرح کئی مرتبہ آپ نے دریافت فرمایا۔ آخر جب مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش ہوا تو اسپر قتل کا جرم قانوناً ثابت نہ ہوسکا۔ چونکہ شہر کا کوتوال ہمجنسی کے باعث جانب کوتوال کی حمایت کرتا تھا اسلئے کچھ مدت تک اسکو قید اور حوالات میں رکھا۔ اتفاقاً فولاد خان کوتوال کا ایک حبشی سپاہی ایک دن آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ ایک طالب علم نے اس سے دریافت کیا کہ فلاں شخص جو قید میں تھا اسکو رہا کر دیا گیا ہے یا نہ۔ اس نے عرض کیا کہ کیا وہ شخص آپکے مدرسہ کا طالب علم تھا۔ اس طالب علم نے کہا کہ ہاں کچھ عرصہ یہاں پڑھتا رہا ہے اس حبشی نے فوراً اپنے آقا کے پاس پہونچکر اطلاع دی کہ یہ محبوس شخص آپ کے مدرسہ کا طالب علم ہے۔ اور چونکہ اسپر شرعاً قتل ثابت نہیں ہوا اسلئے بہتر ہوگا کہ اسکو رہا کر دیا جائے چنانچہ کوتوال مذکور نے اسکو رہا کر دیا۔ اسکے بعد اس نے پھر مدرسہ میں داخل ہوکر پڑھنا چاہا لیکن آپ نے منع فرمایا۔ اس واقعہ سے آپ کے دو کشف ثابت ہوتے ہیں۔

ایک شخص ولی بیگ نام المعروف کمبل پوش ایک مدت تک آپکے مریدوں کے زمرہ میں رہا۔ ایک مرتبہ آپ کو اسکی حرکتِ شنیعہ کا علم ہوا تو آپ نے اس سے ملاقات کرنا ترک کر دیا۔ ہر چند اس نے توبہ و استغفار کر کے التجائیں کیں لیکن آپ نے منظور نہ فرمایا اور اس نے جتنی بھی آپ سے ملنے کی کوشش کی لیکن آپ نے اسکو باریاب نہ فرمایا۔ ایک دن اس نے اپنے ایک دوست سے ذکر کیا کہ حضرت مرشد مجھ سے ناراض ہیں اور کسی طرح میرا قصور معاف نہیں فرماتے۔ میں چاہتا ہوں کہ نیاز خدمت میں پیش کروں لیکن میں یقین کرتا ہوں کہ آپ میری نیاز قبول نہیں فرمائیں گے۔ اسکے دوست نے کہا اگر میں وہ نیاز اپنے نام سے پیش کروں تو وہ یقیناً قبول کر لیں گے اس نے کہا میں آپ کو صاحبِ علمِ غیب جانتا ہوں اسلئے تمہارا یہ داؤ ہرگز کامیاب نہیں ہوگا۔ لیکن اس دوست نے مبالغہ کیا اور اس نے پچاس روپے اسکو نذرانہ کے لئے دئے۔ وہ شخص خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ چونکہ مجھے کچھ روپے ہاتھ آئے ہیں اسلئے میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے پچاس روپے آپ کی خدمت میں نذر کروں۔

آپ نے فرمایا لاؤ۔ جب اس نے حاضر کئے تو آپ ان روپوں کو لیکر گھر میں تشریف لیگئے۔ وہ شخص خوشی خوشی ولی بیگ کے پاس آیا اور اپنی کامیابی کا ذکر کیا۔ ولی بیگ کو تردد پیدا ہوا کہ کیونکر آپ نے یہ نیاز قبول کرلی۔ خیر تھوڑی دیر کے بعد آپ گھر سے باہر آئے اور دو معتمد طالب علموں کو طلب کر کے وہ روپے انکے حوالے کئے اور فرمایا کہ احتیاط سے یہ روپے فلاں شخص کو پہونچادو۔ الغرض ولی بیگ اور اس شخص کے درمیان ابھی وہی گفتگو جاری تھی کہ ان طالب علموں نے وہ روپے لاکر سامنے رکھدئے۔ وہ شخص آپ کے اسرار غیبیہ پر مطلع ہونے کا قائل اور اپنی حرکت پر نادم ہوا۔ جب وہ پھر خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے میرے دل میں آیا تھا کہ تمہاری نیاز قبول کرلوں لیکن حق تعالیٰ نے میرے خیال میں یہ بات القاکی کہ شاید ولی بیگ سے لائے ہو ورنہ تم خود تو اسقدر متمول معلوم نہیں ہوتے۔

ایک افغان گداگر بکثرت اوقات آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور نہایت الحاح وزاری سے سوال کیا کرتا تھا۔ لیکن آپ بڑی مشکل سے اسکو ایک پیسہ عنایت فرماتے۔ اکثر لوگ اس مرد گداگر کی ظاہری حالت پر نظر کر کے سخت تعجب کرتے تھے کہ آپ اسکو بااین ہمہ احتیاج ایک پیسے سے زیادہ عنایت نہیں فرماتے۔ ایک مدت تک اسکی حقیقت پوشیدہ رہی۔ آخر کار وہ شخص فوت ہوگیا۔ اور ہر کہ ومہ کو معلوم ہوگیا کہ اسکے پاس اشرفیوں کی ایک بھری ہوئی تھیلی تھی۔ تب لوگوں کو اپنا قصور اور آپکی وسعت نظر معلوم ہوئی۔

آپ کی ایک بہت بڑی کرامت اور مکاشفہ یہ ہے کہ میرا ایک بھائی محمد صالح نام تھا۔ میں نے اور اس نے اکھٹے رہکر تحصیل علم کیا تھا۔ علم میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا۔ اور نہایت پاکیزہ اخلاق تھا۔ آٹھ نو سال پہلے کا ذکر ہے کہ جب کبھی وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اس سے فرماتے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہارا مرتبہ اسقدر بلند ہے کہ میں تمہارا غلام ہوں۔ لوگ تعجب کرتے تھے اور بارہا میرے دل میں خیال آتا تھا کہ غالباً اس جوان کو تحصیل کمال فقر کی توفیق نصیب ہوگی جس سے اسکو وہ مرتبہ حاصل ہوگا

جس کو ولایت کاملہ کہتے ہیں۔ وہ پہلے عاقل خان صوبہ دار دہلی کا ملازم تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ نوکری چھوڑ کر اجمیر کے قریب ہیر ٹھ کے فوجدار کی سلکِ ملازمت میں داخل ہو گیا اتفاق ایسا ہوا کہ کفار اشرار کی ایک جماعت نے فوجدار کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کیا اور جانبین میں لڑائی واقع ہوئی۔ مسلمانوں کا ایک فریق فائز بشہادت ہوا۔ اور وہ جوان بھی شہید ہو گیا۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ اس مرتبہ سے جسکا آپ ذکر فرمایا کرتے تھے مراد شہادت سے فائز ہونا تھا۔

یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جس شخص کو کمالِ ولایت حاصل ہو وہ کسطرح "شہید" کا غلام کہلا سکتا ہے۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ شہادت سے ولایت کا درجہ بالاتر ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عرش عظیم کے اردگرد قیامت کے دن نور کے منبر نصب کیئے جائینگے جنپر وہ لوگ نورانی چہرہ والے بیٹھیں گے جو نور سے پیدا کیئے گئے ہیں اور جنکے کپڑے بھی نور کے ہوں گے۔ وہ انبیاء یا شہداء نہیں ہیں لیکن انبیاء اور شہدا انکی حالت دیکھکر ان پر رشک کرینگے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی علامت بیان فرمایئے۔ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو محض خدا کے لیئے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور خدا کے لئے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں"۔ عارف سبحانی فرماتے ہیں ؎

غازی ز پئے شہادت اندر تگ و پوست — غافل کہ شہید عشق فاضلتر ازو است

در روزِ قیامت ایں بداں کے ماند — ایں کشتۂ دشمن است واں کشتۂ دوست

(مرد غازی شہادت کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ شہید عشق اس سے افضل ہے۔ قیامت کے دن اِن دونوں کا مرتبہ یکساں نہیں ہو سکتا۔ شہید تو دشمن کے ہاتھ سے مارا گیا ہے لیکن شہیدِ عشق کشتۂ نازِ محبوب ہے)۔

نفحات اور شرح الصدور میں ایک بزرگ کا حال لکھا ہے کہ جب اسکی وفات کا وقت قریب ہوا تو اس نے ایک شخص سے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میری نعش کو فلاں پہاڑ کے نیچے لیجانا۔ اور پھر دیکھنا کہ حق تعالیٰ میرے حق میں کیا مقدر فرماتا ہے۔

جب اسکا انتقال ہوا تو اس شخص نے وصیت پر عمل کیا۔ جب نعش رکھدی گئی تو آسمان سے ایسے پرندوں کی ایک جماعت نازل ہوئی جو پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک شخص بھی ہمراہ تھا۔ اسی شخص نے جنازہ کی نماز پڑہائی۔ اور وصیت کا تعمیل کرنیوالا اور پرندوں کی جماعت اسکی مقتدی بنی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک پرندے نے شیخ مرحوم کی نعش کو نگل کر عالم بالا کا رُخ کیا۔ وصیت کے تعمیل کنندہ نے اس شخص سے جو پرندوں کے ساتھ اُترا تھا حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ میں اور یہ سب پرندے شہداء کی روحیں ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ شہداء فی سبیل اللہ کی روحوں کو مفارقت جسم کے بعد سبز پرندوں کے جوف میں ودیعت فرماتا ہے تاکہ وہ بہشت کی نعمتوں سے محظوظ ہوں۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی یہی مضمون وارد ہے لیکن وہ شہداء جو صفِ قتال میں غنیم کے ساتھ سے مقتول ہوتے ہیں اور وہ شہداء جنہوں نے محبت حقتعالیٰ میں جان دیدی ہے ان میں یہ فرق ہے کہ پہلی قسم کے شہداء کی روحیں تو پرندوں کے جوف میں ودیعت کردی جاتی ہیں اور ان کے جسم قبروں میں سلامت اور محفوظ رہتے ہیں۔ برخلاف اسکے دوسری قسم کے شہداء کی روح اور جسم دونوں پرندوں کے جوف میں ودیعت کردئے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ محبوب حقیقی کے وصال کے نشہ میں سرشار رہ کر نفس اور ہوا کی قیود سے مبرا ہوتے ہیں اور اسلئے انکا جسم بھی روح کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ تمنے دیکھا کہ اس پرندے نے شیخ مرحوم کی نعش کو سارے کا سارا نگل لیا"۔ یہ بیان کر کے غائب ہوگیا نفحات اور شرح الصدور کی اس عبارت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عشقِ الٰہی کی شہادت کا درجہ شہداء مجاہدین کے درجہ سے برتر اور اعلےٰ ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ شہداء مجاہدین کو ایک ایسی خصوصیت سے ممتاز کیا گیا ہے جسپر انبیاء علیہم السلام بھی رشک کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے الشھدآء یغبطھم الانبیاء (درجۂ شہداء کی انبیاء بھی خواہش کرتے ہیں)۔ رشک کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ جو کسی دوسرے کو حاصل ہے اسکے حصول کی آرزو کیجائے لیکن یہ ارادہ نہ ہو کہ اس دوسرے کا وہ مرتبہ زائل ہو جائے۔ برخلاف اسکے حسد کے معنے ہیں کسیکے حق میں زوال مرتبت کا خواہاں ہونا

یہی وجہ ہے کہ حسد تو مذموم ہے لیکن رشک محمود۔ نیز انبیاء کا رشک کرنا اس وجہ سے نہیں کہ شہداء کا درجۂ کمال انبیاء سے بڑھ کر ہے بلکہ یہ ایک جزئی خصوصیت یا شرف کی وجہ سے ہے جو شہداء کو حاصل ہے۔ یعنی ہر وقت قرب حق میں رہنا اور حق تعالیٰ کا انکو خلق کی نظر سے چھپانا۔ خارج میں اسکی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ مثلاً اپنے ایک مقرب کو کسی صوبہ کا حاکم فرمانروا مقرر کرتا ہے اور ایک دوسرے شخص کو خدمتگار کی حیثیت میں اپنے پاس رکھتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ خدمتگار کا درجہ کسی صورت میں اس مقرب سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن با ایں ہمہ اسکو یہ جزئی شرف حاصل ہے کہ ہر وقت بادشاہ کے حضور میں رہتا ہے۔ اسی بنا پر ممکن ہے کہ بادشاہ کا وہ مقرب جو مراتب عالیہ پر سرافراز ہے لیکن بادشاہ کی حضوری سے دور اور مہجور ہے۔ خدمتگار مذکور کی اس حالت کو رشک کی نگاہ سے دیکھے۔" یہ رشحات کی عبارت کا خلاصہ ہے۔ اس تاویل و توجیہ کی بھی اس وقت ضرورت پڑتی ہے جبکہ شہداء سے مجاہدین لئے جائیں لیکن اگر عارفین اور اولیاء اللہ مراد لئے جائیں تو پھر اسکی یہ تاویل نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اولیاء اور عارفین کو ایسا قرب اور شہود دائمی حاصل ہوتا ہے جسپر انبیاء بھی رشک کرتے ہیں۔

اعلیٰ درجہ کے مجاہد اور عارف سید رحمت اللہ سامانی فرماتے ہیں کہ ایک رات میں اطراف سامان ویرانے میں دعائے سیفی پڑھ رہا تھا کہ یکایک سیاہ بادل نمودار ہوا۔ چونکہ وہاں جنیات رہتے تھے اسلئے مجھے اسقدر خوف پیدا ہوا کہ وہاں سے زندہ اور سلامت واپس جانا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اسی اثناء میں میں نے حضرت مرشد کی طرف توجہ کی اور دیکھا تو آپ میری دائیں جانب پر تشریف فرما ہیں۔ آپ کے دیکھنے سے مجھکو تسلی ہو گئی اور اس ورطۂ بلا سے نجات پائی۔ یہ واقعہ حالت بیداری کا ہے۔

ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ سعید خان نام ایک افغان جو بادشاہ دکن کا ملازم تھا شرف اندوز خدمت ہوا۔ اس نے میرے سامنے حضور میں عرض کیا کہ ایک مرتبہ دکن میں غنیم کی فوج سے ہماری مڈبھیڑ ہو گئی۔ ہم صرف پچاس آدمی تھے لیکن دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی چنانچہ ہم اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اسی ناامیدی لور یاس

کی حالت میں یکایک آپ کی صورت مبارک نظر آئی اور ارشاد فرمایا کہ کچھ خوف و ہراس نہ کرو بالکل خیریت ہے۔ میں نے یہ بشارت سنکر اپنے ساتھیوں کو تسلی دی اور ان سے کہا کہ کچھ فکر نہ کرو۔ میرے مرشد ہمارے پہلو میں تشریف رکھتے ہیں اور ہمیں تسلی دیتے ہیں کہ کچھ خوف نہ کرو۔ الغرض۔ تھوڑی دیر کے بعد غنیم کی فوج خود بخود واپس چلی گئی اور ہم محفوظ و سلامت رہے۔

شیر طریقت و حقیقت یعنی غضنفر بیگ کا قول ہے کہ ابتدائے سلوک میں جب مجھے لاہور جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں بہت مدت تک میرا قیام رہا۔ اور ہر چند میں چاہتا تھا کہ چلا جاؤں لیکن کسی نہ کسی وجہ سے ارادہ ملتوی ہو جاتا تھا۔ ایک دن حالت بیداری میں خود میں نے اور میرے گھر کے چار آدمیوں نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب صحن میں تشریف رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں اس شہر سے کیوں نہیں چلے جاتے ہو جب میں آداب بجالانے کو آگے بڑھا تو آپ میری دونوں آستینوں کو پکڑ کر کشاں کشاں مجھکو گھر کے دروازے تک لیگئے اور اسکے بعد نظر سے غائب ہو گئے۔ یہی میرے آنے کا باعث ہوا۔

ایک دن شیخ عبدالقادر نام ایک شخص کے حق میں جو مدت مدید تک اخلاص کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوتا رہا تھا فرمایا۔ اسکو کہدو کہ چندروز مصلحتاً یہاں نہ آیا کرے۔ حاضرین مجلس کو اس سے تعجب ہوا۔ ڈیڑھ سال کے بعد وہ شخص ایک دوسرے شخص وارث خان نام کے قتل کی سازش میں واقعہ خان ہمشیرہ زادہ کے ساتھ شریک ہونیکے جرم میں گرفتار ہوا اور اس کے مال اور جائداد کو ضبط کر لیا گیا۔ اُسوقت آپنے فرمایا۔ اگر یہ شخص اسیطرح بدستور ہمارے ساتھ نشست و برخاست رکھتا تو ممکن ہے کہ ہمیں بھی اسکی وجہ سے گزند پہونچتا۔ حقتعالیٰ ہمارا حافظ و ناصر تھا اور ظہر کی نماز پڑھتے وقت میں نے دیکھا کہ ایک شخص ہوا میں کھڑا ہے۔ تین مرتبہ متواتر اس نے یہ آواز دی کہ عبدالقادر کو اپنے پاس آنے سے روکدو۔ اس واقعہ کے وقوع میں آنیکے بعد سب کو اس منع کی حکمت معلوم ہو گئی کہ فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ (حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا)

قصور میں ایک افغان شیخ بازید نام رہتا تھا جو بڑا صاحب ریاضت اور امر معروف کرنے اور بجالانے کے لئے نہایت مشہور تھا۔ چنانچہ ہمیشہ اسکے پاس ایک قینچی رہتی تھی اور جسکی مونچھیں اس کو خلاف طریقۂ سنت نظر آتیں جھٹ انکو کتر دیتا تھا۔ اسیطرح جسکا تہبند پنڈلی سے نیچے لٹکا ہوا ہوتا یا جسکی آستین معمول سے دراز ہوتی اسکو بھی قینچی سے درست کر دیتا تھا۔ یہانتک کہ اس نے بادشاہ کو بھی امر معروف کیا کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کردو۔ اور اس نے شیخ مذکور کے کہنے سے انکا بیاہ کر دیا۔ ایک دن شیخ موصوف آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسوقت شیخ احمد دہلوی کا پوتا اور شیخ ابراہیم کرنالی وغیرہ حاضر تھے۔ شیخ بازید مذکور نے آپ سے عرض کیا کہ مدت سے میں حضور میں شرف اندوز ہوتا رہتا ہوں لیکن کبھی میرے حق میں ایسی توجہ نہیں فرمائی جس سے مجھکو کوئی فائدہ پہونچے۔ آپ نے چپکے سے اسکے کان میں کچھ کہدیا جسکے سنتے ہی اس نے آہ سرد کھینچکر ایک چیخ ماری اور مجلس سے دوڑ کر چلا گیا۔ تہبند کو اُتار کر دور پھینکدیا اور باوجود اس تمام احتیاط کے جو اسکی عادت تھی اس نے اپنے بدن کے ننگے ہونے کی کچھ پروا نکی۔ اسیطرح ننگ دھڑنگ ہو ہو کرتا چلا جاتا تھا۔ اہل مجلس نے آپ سے التماس کیا کہ چونکہ یہ شہر کا ایک باعزت اور نامور آدمی ہے اسلئے امید ہے کہ آپ اسکو ہوش میں لانے کے لئے توجہ فرمائیں گے۔ آپ نے میاں علی خان سے ارشاد فرمایا کہ تہبند شیخ کا اسکو دیوار کے پیچھے سے دکھلاؤ اور اس سے کہدو کہ تہبند باندھلے۔ جب میاں علیخان صاحب تہبند لیکر اسکے قریب پہونچا اور اس سے کہا کہ میاجیو تہبند باندھنے کا حکم فرماتے ہیں تو اس نے فوراً اپنا ایک ہاتھ آگے اور ایک پیچھے رکھدیا اور میاں علیخان سے تہبند لیکر باندھ لیا۔

اوائل ایام میں ایک دن مرزا بیگ گکھڑ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسوقت ایک مطرب خوش الحان گا رہا تھا جس سے آپ پر شدت وجد اور شوق سے گریہ کا اثر ہو گیا۔ مرزا مذکور نے آپ کے اس فعل کو نقص کی علامت خیال کیا اور یہ مصرعہ زبان پر لایا ع

"گریہ زخامی کند بر سر آتش کباب"

(کباب کا آگ پر چر چر کرکے رونا اسکی خامی کی علامت ہے)۔ حضرت مرشد کو کشف سے یہ بات

معلوم ہو گئی اور فرمایا ابھی تمکو عشق نے نہیں دبایا۔ اس نے پھر گستاخی کرکے کہا کہ مجھے کمال حاصل ہے۔ آپ نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھکر چپکے سے اسکے کان میں کچھ کہدیا جس سے اسکے آنسو جاری ہو گئے اور روتے روتے اسقدر بیتاب ہو گیا کہ زمین پر لوٹنے لگا۔ یہ شخص اعیان شہر سے تھا اور اسلئے اسکا اسقدر بے اختیار ہو کر ایسی حرکات کرنا ناممکن خیال کیا جاتا تھا۔ الغرض اس نے کپڑوں کو چیر پھاڑ کر عمامے کو دور پھینکدیا۔ آپ نے اسکی دستار کو بغل میں دبا کر مذاق کے طور پر فرمایا۔ ہمارے لئے تو یہی کافی ہے کہ ایک عمامہ مفت میں ملگیا۔ جب شام کا وقت ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ اُٹھو اور وضو کرکے نماز پڑھو۔ اس نے وضو کیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ امامت کراؤ۔ جب وہ نماز کی نیت باندھنے لگا تو اس نے دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں اور نماز کی امامت فرماتے ہیں۔ نماز ہو چکی تو آپ نے (تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے) اس سے پوچھا کہ نماز میں کیونکر تم نے اعتدال اور توسط سے کام لیا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود تشریف لے آئے تھے اور حضور رسالتمآب ہی نے امامت فرمائی۔ میں تو مقتدی کی حیثیت میں تھا۔ سب حاضرین مجلس نے یہ سنکر تعجب کیا۔ یہ آپکا ایک بہت بڑا تصرف تھا۔ اور یہ اسی قسم کا واقعہ ہے جسکا ذکر شیخ عبد الحق نے اسی کتاب میں منقول ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی کی مجلس وعظ میں شیخ علی ہیتی کو حضرت رسالت پناہ صلی علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا۔

مؤلف کہتا ہے میں نے یہ قصہ خود مرزا بیگ کی زبان سے سنا ہے اور آپ سے بھی اسکا مجمل ذکر سنا گیا ہے۔ اس قسم کا تصرف یقیناً آپ کی ذات گرامی میں موجود تھا لیکن اگر کوئی مخالف اسکو تسلیم نہ کرے تو یہ اور بات ہے۔ ہر ایک زمانے میں اولیاء اللہ کے حق میں لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک فریق اقرار کرتا ہے دوسرا سکوت اور تیسرا انکار۔ مناسب ہے کہ منکرین کے اعتراضوں کو سنکر صبر کیا جائے۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (میرے پیارے نبی! جسطرح دوسرے اولو العزم پیغمبروں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔)۔ الغرض مؤلف کو اس کرامت کا عین الیقین حاصل ہے۔ والعاقل

تکفیہ الاشارۃ (دانا کیلئے اشارت کافی ہے)۔

ایک دن آپ خواجہ عنایت کے گھر تشریف رکھتے تھے۔ سید رحمت اللہ سامانی جو آپکا قدیمی معتقد اور ارادتمند تھا اور جس نے آپ کے حضور میں رہ کر بڑی بڑی ریاضتیں کی ہیں۔ اسوقت بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ یکایک آپ نے چوبی سیڑھی جو وہاں پڑی تھی طلب فرمائی اور حکم دیا کہ اسکو خواجہ کے مکان کے سامنے لگادیں جب سیڑہی لگادیگئی تو آپ فوراً اسپر چڑھ کر بالاخانہ پر تشریف لیگئے۔ پھر فرمایا کہ اس زینے کو دور کردو۔ لوگوں کو اس سے تعجب ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد اعتقاد خان المعروف بھمن یار آپ کی زیارت حاصل کرنیکے لئے جسکا وہ ایک مدت سے مشتاق تھا آپہونچا۔ سب لوگ آداب بجالائے۔ حویلی میں اس نے اِدہر اُدہر چکر لگایا لیکن آپ سے ملاقی نہ ہوا۔ جاسوس سے حال پوچھا تو اس نے کہا کہ آپ اس حویلی سے باہر تو تشریف نہیں لیگئے چونکہ نردبان کو وہاں سے اٹھادیا گیا تھا اسلئے کسیکا ذہن اسطرف منتقل نہ ہوا کہ آپ بالاخانہ پر ہوں گے۔ چنانچہ وہ مایوس ہوکر چلا گیا۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر حکم فرمائیں تو نردبان حاضر کریں۔ آپ نے فرمایا ابھی نہیں ممکن ہے کہ وہ پھر آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر وہاں آپہونچا اور جب آپکی ملاقات سے اسکی اُمید قطع ہوئی تو مجبوراً واپس چلا گیا۔ اولیاء اللہ کی ملاقات بھی ایک نعمتِ عظمیٰ ہے جو ہر ایک شخص کو میسّر نہیں آسکتی۔ وذالك فضل الله یؤتیه من یشاء۔ دوسرے دن آپ پھر اسی گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ خان مذکور کو خبر ملگئی اور وہ چلا آیا۔ آپ اسوقت سماع میں مشغول اور شہود میں مستغرق تھے۔ خواجہ عنایت نے دروازہ سے باہر کیطرف نظر کی تو خان مذکور کو آتا ہوا دیکھا۔ آپ کو اطلاع دی تو آپ جلدی سے اُٹھکر حجرہ کے اندر تشریف لیگئے اور کواڑ بند کردئے۔ جب خان وہاں پہونچا تو عبدالقادر نام ایک شخص باہر بیٹھا تھا اسکے پاؤں پر گر پڑا۔ جاسوس نے کہا یہ آپ نہیں ہیں بلکہ یہ ایک اور شخص ہے۔ اس نے نام دریافت کیا۔ جاسوس نے کہا اسکا نام عبدالقادر ہے۔ اس نے کہا اچھا ہوا۔ گویا میں نے عبدالقادر جیلانی کی قدمبوسی حاصل کی۔ جاسوس نے

حجرہ کی جانب اشارہ کیا۔ یہ دیکھکر سب حاضرین مجلس گھبرا گئے کہ اگر خان مذکور نے حجرہ کے اندر جانیکا قصد کیا تو کون اسکو منع کرسکتا ہے۔ لیکن جب وہ حجرہ میں جانیکے واسطے اُٹھا تو خودبخود اسکے اندامون پر لرزہ پڑ گیا۔ تین مرتبہ مکرر یہی حالت پیش آئی۔ آخر وہ مایوس ہوکر چلا گیا۔

ایک مرتبہ محمد جعفر کو جو حضرت مرشد کا نواسہ زادہ تھا تپ چڑھ گیا اور بیماری نے یہانتک طول کھینچا کہ امید حیات منقطع ہو گئی۔ لوگوں نے عبدالمالک نام ایک طبیب کو بلایا جو فنِ طب میں ماہر تھا۔ اس نے دیکھکر لاعلاج بتایا۔ اور کہا کہ اسکی زندگی ختم ہو گئی ہے۔ جب آپ نے یہ سُنا تو چونکہ آپ اس طبیب سے کسی وجہ سے ناخوش تھے آپنے فرمایا اسکو کہدو کہ چلا جائے اور پانی کا ایک پیالہ کلام اللہ کے اِردگرد پھرا کر فرمایا کہ یہ پانی مریض کو پلادو۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور اسیوقت وہ بالکل صحت یاب ہو گیا۔

ایک دن آپ تشریف لیجارہے تھے راستہ میں ایک جگہ پر دو شخص پہلوان آپسمیں کشتی لڑکر اس ہنر کے کرتب دکھا رہے تھے۔ ان میں سے ایک جوان اور دوسرا بوڑھا تھا۔ تھوڑی دیر تک تو دونوں ایک دوسرے کے مدّمقابل رہے۔ لیکن اسکے بعد بوڑھے کی طاقت کم ہونے لگی۔ اور بالآخر اس جوان نے اسپر غلبہ حاصل کیا اور شور پڑ گیا نشے میں آکر اس نے بیچارے بوڑھے کا تمسخر اُڑانا شروع کیا۔ جس سے وہ شرمندہ ہوا۔ حضرت شاہ صاحب کو اسکا یہ بے جا فخر ناگوار گذرا۔ اور اُسی شور میں آپ خود اُس بوڑھے کی بجائے جوان سے اُکھاڑے میں اُتر پڑے۔ جوان مذکور آپ کو بھی اسی قسم کا ایک بوڑھا سمجھکر اپنی قوت آزمائی کرنے لگا۔ ہرچند اس نے داؤ پیچ کیا لیکن کسیطرح آپ کو مغلوب نہ کرسکا۔ دیر تک لڑتے رہے اور جوان کو تعجب ہوا کہ کسطرح وہ ایک بوڑھے کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آپ نے ایک دوست سے فرمایا کہ سقّے کو کچھ دو یہاں پانی چھڑک دے۔ کیونکہ میں اس جوان سے آدھی رات تک برابر لڑنیکے لئے آمادہ ہوں۔ یہ سُنکر اس جوان کی رہی سہی قوت بھی سلب ہو گئی اور وہ پچھڑ گیا۔ لوگوں نے شور و غل کے نعرے بلند کیئے کہ ایک بوڑھے نے جوان پہلوان کو پچھاڑ دیا۔ آپنے

اس جوان نے فرمایا۔ ہرگز بوڑھوں کا تمسخر نہ اڑایا کر نہیں تو پچھتائیگا۔

بادشاہ قلی خان صوبہ دار لکھنؤ جس کا نام سلطان بیگ ہے۔ کسی زمانے میں تیس روپے ماہوار کا ملازم تھا۔ اس نے ایک دن آپ سے عرض کیا کہ میرے حق میں دولتمند ہونے کی دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کبھی تمنے خواب میں نجاست (غلاظت) کھائی ہے؟ وہ حیران ہوا کہ یہ کیسا خواب ہے جو سوال کے بالکل مطابق نہیں۔ آپ نے فرمایا جب تم خواب میں نجاست کا کھانا گوارا نہیں کرتے تو میں کسطرح تمہارے لئے دعا کروں کہ بار خدایا اس شخص کو کثرت سے نجاست کا کھانا نصیب فرما۔ کیونکہ دنیا کی دولت مانند نجاست کی ہے۔ حدیث میں ہے الدنیا جیفۃ (دنیا مردار ہے) وہ مایوس ہو کر چلا گیا لیکن چونکہ دولت اسکے طالع میں لکھی تھی ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ آپ محمد یار نام ایک شخص کے گھر میں جو شاہ بیگ خان کے ملازموں سے تھا تشریف لیگئے۔ اتنے میں سلطان بیگ مذکور بھی آگیا۔ مجلس کے برخاست ہونے پر وہ سوار ہو کر چلا جاتا تھا کہ آپ پیچھے سے آملے اور کچھ دور تک اسکی جلو میں رہے اور لوگوں کو دورباش اور پوش پوش کہتے جاتے تھے چلتے چلتے چند مرتبہ نواب سلامت کا لفظ بھی فرمایا۔ اس سے وہ سمجھ گیا کہ اب میرا طالع بیدار ہوا۔ اور یقیناً مجھکو دنیاوی اقبال نصیب ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تھوڑے عرصے میں پندرہ سو تک اسکو ترقی دیگئی۔ اور شاہ قلی خان کے نام سے مشہور ہو کر لکھنؤ کا فوجدار مقرر ہوا وہاں سے واپس ہو کر اس نے پانچہزار روپے بطور نیاز خدمت میں پیش کئے۔ لیکن آپ نے قبول نہ فرمائے۔ جب اس نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا اپنے دو سال کی آمدنی جاگیر اور سپاہ وغیرہ کی لاؤ۔ اسکا حساب کیا تو معلوم ہوا کہ کئی لاکھ روپے بنتے ہیں اسلئے وہ حیران ہوا۔ اس سے آپکا مطلب اسکی صحبت قطع کرنا اور نذر نہ لینے کے لئے ایک بہانہ تھا۔

سید غلام علی جونپوری جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی اولاد کرام سے تھے۔ نقل کرتے ہیں کہ میں نے شیخ معین الدین کی زبان سے سنا ہے جو دلاور خان فوجدار سرہند کے نائب تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھکو بادشاہ نے دلاور خان مذکور کی نیابت سے معزول کر دیا اور شاہجہان آباد میں حاضر ہونیکے لئے حکم دیا۔ ہر چند میں نے

کوشش کی لیکن مجھے اپنے عہدہ پر بحال نہ کیا گیا۔ اس مایوسی کے بعد ایک دن حضرت شاہ فقرا میرے گھر میں تشریف لائے۔ میں نے اپنی سرگذشت بیان کی اور اپنے عہدہ پر بحال نہ کئے جانے کی وجہ سے تردد اور اضطراب کا اظہار کیا۔ اور حصول مقصود کے لئے آپ سے التجا کی۔ آپ نے نذرانہ پیش کرنیکا ارشاد فرمایا چنانچہ میں نے حسب مقدرت نیاز حاضر کی۔ آپ نے نیاز کو قبول کر کے فرمایا ہم تمہیں بحال کرتے ہیں میں نے اسی وقت اپنے وطن کو قاصدروانہ کیا اور خبر لکھ بھیجی کہ حضرت شاہ حسن نے مجھکو امید دلائی ہے۔ علی الصباح اطلاع ملی کہ سرہند کے قریب قزاقوں کی ایک جماعت نے تاجروں کا قافلہ لوٹ لیا ہے۔ بادشاہ نے امانت خاں کو حکم دیا کہ شیخ معین الدین کو فوراً سرہند میں بلالو۔ ہمنے اسکو اپنے عہدے پر بحال کر دیا ہے۔ خان مذکور نے تعمیل کرنیکے لئے اپنے ملازموں کو متعین کیا۔ اتنے میں بادشاہ نے امانت خاں کو دوبارہ بلاکر اسکے کان میں کوئی پوشیدہ بات کہدی۔ جب خان مذکور بادشاہ کے دربار سے باہر نکلا تو نہایت عجلت سے اپنے آدمیوں کو میرے طلب کرنیکے لئے بھیجا اور ان سے تاکید کی کہ بہت جلد اسکو حاضر کرو۔ جب میں وہاں پہونچا تو امانت خان نے مجھہ سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں کسی فقیر سے بھی رابطۂ اخلاص اور ملاقات ہے یا کسی بزرگ خدارسیدہ سے اسبارہ میں تمنے کچھ التجا کی ہے۔ میں نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں تو ملا خواجہ کا مرید ہوں۔ جو میاں شاہ میر لاہوری کے خلفا سے ہے اور مدت ہوئی انکا انتقال ہو گیا ہے۔ تب خان مذکور نے کہا کہ بادشاہ نے مجھہ سے پوشیدہ طور پر کان میں یہ بات کہی کہ میں نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا جس نے مجھہ سے یہ ارشاد فرمایا کہ شیخ معین الدین کو اپنے عہدہ پر بحال کردو۔ اور جلدی اسکو روانہ سرہند کرو۔ میں نے کبھی اس بزرگ کو پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اسکی تحقیق کرو۔ امانت خان سے یہ سنکر میں نے اسکی تفصیل آپ کی خدمت میں لکھی۔ آپ نے فرمایا۔ دوست اور آشنا تو ایسا ہونا چاہیئے۔

جب آپ نارنول میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک رات آپ نے چارپائی پر استراحت فرمائی

خواب میں دیکھا کہ ایک چبوترے پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ آدمی وہاں موجود ہیں جو آپ کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں۔ اسی اثنا میں جب آپ نے تکبیر فرمائی تو اس چبوترہ سے اللہ اللہ اور یا حق یا حق کی آواز بلند ہوئی اور اس میں جنبش پیدا ہوئی یہانتک کہ آپ کو نیچے گر جانیکا خوف لاحق ہوا۔ اتنے میں آپ بیدار ہو گئے۔ چارپائی سے وہی آواز جو آپ نے چبوترہ سے سنی تھی نکل رہی تھی۔ آپ کی اہل خانہ بھی پاس تھیں۔ لیکن جب اس نے چارپائی سے ذکرِ حق کی آواز بلند ہوتی سنی تو ہیبت زدہ ہو کر ایک کونے میں جا گھسیں۔ رات تاریک تھی۔ جب روشنی کی تو سچ مچ وہ آواز چارپائی سے نکل رہی تھی۔

ایک دن آپ خواجہ عنایت کے گھر تشریف لے گئے جو نتاہی جواہر خانہ کا تحویلدار تھا۔ اس نے عرض کیا کہ میرے گھر میں چیونٹیاں ہیں۔ اور انہوں نے ہماری زندگی کو تلخ کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا میں ایسے امور میں دخل نہیں دیا کرتا۔ شام کے قریب ایک چیونٹی نے خدمت میں حاضر ہو کر انسان کیطرح بزبان فصیح عرض کیا کہ اگر آپ فرمائیں تو ہم یہاں رہیں نہیں تو چلی جائیں۔ آپ نے فرمایا میں کچھ نہیں کہتا خواہ تم رہو یا نہ رہو تمہارا اپنا اختیار ہے۔ جب خواجہ مذکور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپنے اس سے چیونٹی کا آنا اور جو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا بیان کیا۔ دوسرے دن صبح کے وقت تمام چیونٹیاں اس گھر کے ایک کونے میں جمع ہو گئیں۔ خواجہ عنایت نے فریاد کی کہ یہ کیا ہو گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ سب دوسری جگہ چلی گئیں اور خواجہ مذکور کا گھر بالکل خالی کر دیا۔ اس واقعہ کی خبر خواجہ عبداللہ داماد میر نوراللہ کو پہونچی جو آپ کا عقیدتمند تھا اسکے گھر میں اناج کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور چیونٹیاں اسکو سخت نقصان پہونچاتی تھیں اور کوئی تدبیر ان کے دفعیہ کی کارگر نہیں ہوتی تھی۔ خواجہ عبداللہ نے آپکا نام لیکر چیونٹیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ فلاں بزرگ کا واسطہ تمہیں دیتا ہوں کہ یہاں سے چلی جاؤ۔ چنانچہ وہ چلی گئیں۔ اس نے یہ واقعہ آپ کی خدمت میں لکھا جب اسکا عریضہ خدمت میں پڑھا گیا تو آپ نے تبسم فرمایا۔

حاجی شاہ مزاری درویش جو ملا یعقوب کا شاگرد اور کمال علمی و عملی سے موصوف تھا مدت تک آپ کی ملاقات حاصل کرنیکا اشتاق رہا۔ لیکن آپ کے بعض حالات سنکر اسکا شوق کم ہو جاتا تھا۔ مثلاً بعض لوگوں کو آپکا اپنے گھر سے ذلت کے ساتھ نکال دینا اور بعض اوقات ظرافت آمیز باتیں کرنا وغیرہ وغیرہ۔ آخر طالع نے یاوری کی اور خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت چارپائی پر تشریف رکھتے تھے اور لوگ نیچے چٹائیوں پر بیٹھے تھے۔ درویش مذکور نے آپ کے چہرۂ مبارک پر نظر ڈالکر دل میں خیال کیا کہ ایک ہندو قیافہ دان نے مجھ سے کہا تھا کہ جس شخص کی پیشانی پر چند لکیریں ہوں اسکو ہماری زبان میں نرسول کہتے ہیں۔ اگر وہ ہندو مذہب کا ہے تو وہ ہماری قوم کا ایک بڑا پیشوا ہوتا ہے اور اگر مسلمانوں میں کوئی ایسا شخص ہو تو وہ تمہاری قوم کا مانا ہوا آدمی ہو گا اور دوسری علامتیں بھی اس قیافہ دان نے بیان کی تھیں۔ جو سب آپ میں موجود ہیں۔ حضرت مرشد اسکے دل کے خطرہ سے آگاہ ہوئے۔ اپنے سامنے سے تنبا کو لے کر اسکے پاس بھجوا دیا اور کہلا بھیجا کہ پنڈت صاحب یہ لے لو۔ یعنی جب تم ایک ہندو کے قول پر غور کر رہے ہو تو گویا تم پنڈت ہو۔ اسکو تعجب ہوا کہ میرے دل کا حال آپ کو کسطرح معلوم ہو گیا۔ پھر اسکے دل میں خیال آیا کہ گو یہ شخص صاحب کشف ہے لیکن دوسرے لوگوں سے برتر رہنا اور چارپائی پر بیٹھنا کیا معنے رکھتا ہے۔ اس سے بھی آپ آگاہ ہو گئے اور فرمایا مدتوں ہم ایسی حالت میں رہے کہ جوتوں کی جگہ پر بھی کوئی نہیں بیٹھنے دیتا تھا اب جب یہ حالت نصیب ہوئی ہے تو اسکے مطابق ایک بزرگ کا قول مجھے یاد آیا ہے جو بعینہ ایسے ہی موقعہ پر کہا گیا تھا۔

یری المناس دُھناًفی القواریر صافیاً　　ولم یدر ما یجری علے رأس سمسم

(یعنی لوگ دیکھتے ہیں کہ شیشوں میں پاکیزہ اور مصفا تیل بھرا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ جن تلوں سے تیل نکلا ہے انکے سر پر کیا ہو گذرا ہے) پھر آپ نے فرمایا۔ تعجب ہے درویشی کا دعوٰی کرنا اور سرمہ لگانے میں اسقدر اہتمام کرنا۔ یہ ماجرا خود درویش مذکور نے مجھ سے بیان کیا اور اسی واقعہ کے وقت سے وہ آپکا نہایت

عقیدتمند ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک کوئی شخص حسن کو (یہ آپ کا نام ہے) چشمِ حسن سے نہیں دیکھے گا اسے نہیں پہچان سکیگا۔ (چشمِ حسن سے یا تو یہ مراد ہو کہ جبتک حسن عقیدت کی نگاہ سے نظر نہیں کرے گا حقیقتِ حال سے آگاہ نہیں ہوگا سچ ہے ؎

نشانِ صورتِ یوسف دہد بناخوبی کسے بدیدۂ انکار گر نگاہ کند

یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص حسن کو حسن کی آنکھ نہیں دیکھے گا یعنی جس شخص کے حق میں آپ خود توجہ نہ فرمائیں اور اسپر نظرِ عنایت نہ کریں آپ کو نہیں پہچان سکتا (واللہ اعلم (مترجم)

ایک مرتبہ آپ عبداللہ خاں سے ناراض ہوگئے۔ عبداللہ خان مذکور حالت بیداری میں دیکھتا تھا کہ میرے منہ پر آپ کے ہاتھ سے جوتے پڑ رہے ہیں۔ آخر اس نے اپنی حرکت سے توبہ اور استغفار کی اور سفر کو چلا گیا۔ اور راستہ میں کسی شخص کی معرفت معافی طلب کی۔ آپ نے اسکو معاف فرمایا اور فوراً وہ حالت موقوف ہوگئی

دلاور خان سیالکوٹی خوانین بادشاہی سے تھا۔ اور ایک مدت دراز تک آپکے مخلصین کے زمرہ میں داخل رہا۔ اس نے ایک دن کہا تھا کہ میراں جیو کی درویشی کیا ہے اس نے کسی پیرِ طریقت سے اشغال و اذکار کی تعلیم تو پائی نہیں اسلیئے وہ ہر ایک شخص کو یہی تلقین دیتا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ذکر کرو۔ اسکا یہ قول آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ آپ نے فرمایا اسکو حقیقتِ حال کا پتہ ہی نہیں۔ تمام درویشی تو اسی کلمہ ہی میں ہے۔ آپ نے فرمایا کلمہ مذکور کو بار بار پڑھو۔ جب اس شخص نے چند بار کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ذکر کیا تو یکایک آسمان سے بکثرت چھوٹے چھوٹے پرزے برسنے لگے۔ جنپر یہی کلمہ لکھا ہوا تھا اور وہ پرزے اسکی آنکھوں کانوں اور ناک میں گھسنے لگے۔ اور جسپر نظر کرتا تھا یہی کلمہ لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ یہانتک کہ قضائے حاجت اور پیشاب کرنا اسکے لئے دشوار ہوگیا۔ زمین پر بھی پاؤں دھرنا محال ہوگیا۔ آخر کار اسکے اقربا نے آپ سے رجوع کیا۔ آپ نے توجہ فرمائی اور اسکی وہ حالت زائل ہوئی۔ مؤلف کہتا ہے میرے خیالِ ناقص میں چاروں جانب ہر ایک چیز پر کلمۂ توحید لکھا ہوا دکھائی دینا

تجلی اسمار کا پیش خیمہ ہے۔ جسکا مفہوم یہ ہے کہ ذکر کے الفاظ دل پر منقوش ہوں چنانچہ ذکر کی کیفیت
میں پہلے بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب ذکر غالب آجاتا ہے تو تمام کائنات سے ذکر حق کی آواز
سنائی دیتی ہے۔ اسکے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ذکر کرنیوالے سالک کے دل پر معانی کا نزول
ہوتا ہے۔ تیسرے درجہ پر خود مذکور کی ذات (تعالیٰ و تقدس) جلوہ فرما ہوتی ہے۔ ان
منازل و مراحل کے قطع کرنے کو "سیر الی اللہ" کہتے ہیں۔ اسکے بعد کی حالت میں ذاکر
اور کائنات کا وجود ہی معدوم ہو جاتا ہے۔ اسکو "سیر فی اللہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔
یہ مرتبہ عقل کے ادراک سے برتر ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک مرتبہ ضیاء اللہ پسر تربیت خان نے اپنے لڑکے اسد اللہ کو جو سخت بیمار تھا خدمت
میں حاضر کیا اور اسکے باپ نے آپ کی خدمت میں بہت کچھ عاجزی اور زاری کی۔ اور
عرض کیا کہ اگر اسکی عمر ختم ہو گئی ہے تو میں اپنی عمر سے اسکو ایک حصہ دینے کے لئے
آمادہ ہوں۔ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ صحت عطا کریگا۔ اسکو حضرت رسالت پناہؐ کے
قدم شریف کی زیارت پر لیجاؤ اور وہاں کی خاک پاک انپر ملو اور وہ متبرک پانی پلاؤ
اس نے تعمیل کی اور وہ لڑکا بہت جلد شفایاب ہو گیا۔ دوسری مرتبہ پھر وہ لڑکا بیمار
ہوا اور اسکا والد پھر اسکو آپ کے قدموں میں لے آیا۔ لیکن آپ نے التفات نہ فرمایا۔
تین چار روز تک وہ شخص متواتر خدمت میں حاضر ہوتا رہا لیکن آپ ہر ایک مرتبہ
منہ پھیر لیا کرتے اور زبان مبارک پر کچھ نہ لاتے۔ میں نے یہ قرائن دیکھکر معلوم کر لیا
کہ اس مرتبہ لڑکے کا بچنا محال ہے۔ اسی اثنا میں مینے ایک خواب دیکھا کہ وہ شخص
خاکستری رنگ لباس پہنے ہوئے آپ کی خدمت شریف میں حاضر ہوا اور کچھ روپے
نذر کئے لیکن آپ نے وہ روپئے واپس اسکو بخشدئے۔ اور فرمایا میں تمہیں رخصت
کرتا ہوں۔ اس نے نہایت عاجزی اور الحاح سے درخواست کی تو آپ نے آسمان کی
طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ تم ہمارے لئے دعا کرو اور ہم تمہارے لئے دعا کرینگے۔ مینے
اپنے خواب کا واقعہ میاں جمال خان کی خدمت میں عرض کیا جو آپ کے مدرسہ میں
طلبۂ علم کو درس دیا کرتے اور ساتھ ہی مینے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ بیداری میں آپکی

بے اتفاقی اور خواب میں آپ کے اس طرزِ عمل کو مشاہدہ کرکے میں نے تو یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑکا بچنے والا نہیں۔ ابھی ایک ہفتہ نہیں گذرا تھا کہ وہ لڑکا فوت ہو گیا۔

شیخ عبدالرسول مرید شاہ محمد درویش سے جو زیارت قدم گاہ شریف کا خادم تھا یہ حکایت نقل کی ہے کہ ایک درویش اسی درگاہ کی مسجد میں رہتا تھا اور بڑی بڑی ریاضتیں اس امید پر کاٹتا تھا کہ جمالِ جہاں آرائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو لیکن کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن حضرت شاہ فقرا زیارت کے لئے وہاں تشریف لیگئے اور نماز اس مسجد میں ادا فرمائی۔ نماز کے بعد اس درویش سے ملاقات فرمائی اور درویش مذکور نے اپنی ریاضتوں اور اپنی ناکامی کا قصہ آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا جو کچھ اوراد و اذکار تم پڑھنا چاہتے ہو پڑھو لیکن یہ نیت اسپر اضافہ کرو کہ میں اس وِرد کو حسن کی اجازت سے پڑھتا ہوں۔ جب اس نے اس نیت سے وِرد پڑھا تو اسی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا۔ مؤلف کہتا ہے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آپ سے محض اخلاص رکھنا اس دولتِ عظمیٰ اور نعمتِ کبریٰ (دیدار حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حصول کے لئے کافی تھا چہ جائیکہ کوئی وِرد بھی ساتھ پڑھا جائے۔

روح اللہ اپنے زمانے کا بڑا نامور اور ممتاز شخص تھا۔ بادشاہ نے ازراہِ عتاب اسکو کابل میں متعین کیا۔ اس نے خدمت میں حاضر ہو کر صعوبتِ سفر کا ذکر کیا۔ اور آپ سے التجا کی کہ آپ توجہ فرمائیں کہ اس بلا سے محفوظ رہوں۔ آپ نے دونوں ہاتھ کھولکر فرمایا اگر اسقدر روپے نیاز پیش کرو تو میں کیوں توجہ نہ کروں۔ اس نے عرض کیا کہ دس روپے نیاز کافی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے عرض کیا بیس آپ نے فرمایا نہیں۔ اسیطرح بڑھتے بڑھتے جب اس نے کہا کہ دس لاکھ تو آپنے فرمایا کہ ہاں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ عدم اجابت مقصود کی تمہید اور محض ایک عذر ہے۔ اسلئے وہ نہایت مایوس ہوا۔ بادشاہ نے پولیس کو حکم دیا کہ اسکو شہر سے نکال دیں۔ ایک شخص نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ پولیس کو اس کے نکالنے کا حکم دیا گیا ہے

آپ نے فرمایا وہ خود راضی ہوا ہے۔ آپ کے اس پیرایۂ کلام سے سامعین کو تردد پیدا ہوا کہ وہ کابل کو خواہ مخواہ پہونچا دیا جائے گا۔ یا ممکن ہے کہ اس عقوبت سے بچ جائے ایک دوسرے شخص نے اتنے میں آکر کہا کہ اسکو سرائے زبدہ تک پہونچا دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا زبدہ تک وہ خود گیا ہے۔ جب آپ نے دوبارہ اسی طرز پر کلام فرمایا تو لوگوں نے یہی رائے قائم کی کہ غالباً وہ کابل جانے سے بچگیا۔ چنانچہ یکایک بادشاہ نے اسکو واپس بلالیا۔ ایک مدت کے بعد آپ نے فرمایا کہ جس وقت میں نے اس دس لاکھ روپے کی نیاز طلب کی تھی اُسوقت مجھکو اسکے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ لیکن اسکے بعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ تشریف لائے ہیں۔ اور اپنا ہاتھ مبارک میرے ہاتھ پر مار کر فرماتے ہیں ہمنے روح اللہ کو محفوظ رکھا ہے یہی وجہ تھی کہ میں نے وہ طرزِ کلام اختیار کیا۔

جس زمانے میں آپ نارنول میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے اکثر مخلصوں کو جمال جہاں آرائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی تھی ملک بیگ نام ایک شخص تھا جسکو میں نے بھی دیکھا تھا وہ اسکا منکر تھا اور ان باتوں کو جھوٹ اور افترا سمجھتا تھا۔ ایک رات وہ خود بھی اس دولت عظمیٰ سے مشرف ہوا۔ اس نے آپ کی خدمت میں آدمی بھیجا کہ میں ایک امر ضروری عرض کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوتا ہوں آپ کہیں تشریف نہ لیجائیں۔ جب وہ خدمت شریف میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ تمنے جو واقعہ خواب میں دیکھا ہے اسکو تم خود اپنی زبان سے نہ کہو۔ میں اسکا بیان کرتا ہوں۔ آپ نے ایک طالب علم کو فرمایا کہ ایک کونے میں جاکر اسکا بیان لکھدو۔ اور خود ایک دوسرے طالب علم کو سامنے بٹھا کر اسکے واقعہ کا بیان کرنا شروع فرمایا۔ جب دونوں بیان لکھے گئے تو آپ نے ان کے مقابلہ کرنیکے لئے ارشاد فرمایا۔ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ دونوں بیان بالکل ایک ہیں اور سر مُو بھی فرق نہیں۔ یہ دیکھکر ملک بیگ مذکور اپنے فاسد خیال سے تائب ہوا اور معافی طلب کی۔

بختاور خان کی مسجد میں جو شاہجہان آباد میں واقعہ ہے کرنال کا ایک معزز آدمی

سید کبیر نام ایک بزرگ کی زیارت کے لئے جو اس مسجد کا مدرس تھا حاضر ہوا۔ مؤلف بھی اس موقعہ پر موجود تھا۔ باتوں باتوں میں وہاں کے فقرار کا ذکر شروع کیا اور کئی ایک فقرار کا نام لیکر آخر حضرت مرشد کی تعریف میں رطب اللسان ہوا۔ میں بھی اسکے سننے کے لئے متوجہ ہوا۔ اس نے اپنی ایک سرگذشت بیان کی کہ شہر کرنال کے قاضی نے ایک مقدمہ میں رشوت لیکر میرے خلاف فیصلہ کیا۔ میں نے قاضی کے ظلم اور بے انصافی و رشوت ستانی کے متعلق بادشاہ کی عدالت میں فریاد کی۔ چونکہ قاضی مذکور دربار شاہی میں رسوخ رکھتا تھا اور قاضی عبدالوہاب وغیرہ بڑے بڑے آدمی اسکے امین اور معتمد ہونے کی شہادت دیتے تھے اسلئے بادشاہ نے میرے استغاثہ پر کچھ توجہ نہ کی۔ میں بھی برابر دربار میں جاکر فریاد کرتا رہا۔ اس اثنار میں چار پانچ سال کا عرصہ گذر گیا اور میں نہایت پریشان ہوا۔ فقرار سے رجوع کرنا شروع کیا۔ لیکن کسی طرح کشائش نہیں ہوتی تھی۔ کسی شخص نے مجھ سے آپکا ذکر کیا اور میں فوراً آپ کی خدمت میں چلا گیا اسوقت آپ میرزا بیرم نواسہ علیمردان خان بہادر کے گھر میں جو امرائے شاہی میں سے تھا تشریف رکھتے تھے۔ میں نے اپنا حال من وعن عرض کیا اور آپ سے التجا کی کہ اگر میں سچا ہوں تو ازراہ عنایت فاتحۂ خیر میرے حق میں پڑھیں کہ وہ ظالم قاضی اپنے منصب سے معزول ہو۔ اور اگرچہ میں جھوٹا ہوں تو بادشاہ میری حالت پر توجہ نہ کرے آپ نے فرمایا جو شخص بارگاہ حق تعالیٰ میں مقرب ہے اسکو فاتحہ پڑھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ان الفاظ کو سنکر میری ڈھارس بندھ گئی اور میں رخصت ہوکر بہت جلد بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور جب میں حضور شاہی میں عرض معروض کرنے لگا تو حسب معمول اس قاضی کے حامیوں نے عرض کیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ اس نے ایک مدت دراز سے یہ شور برپا کر رکھا ہے اور قاضی کو متہم بناتا ہے اسکو دربار میں آنے سے منع کر دیا جائے بادشاہ نے حکم دیا کہ قاضی کو طلب کر کے اسکے مقدمہ کی تحقیق کرنی چاہئے۔ ان لوگوں نے عرض کیا کسی امین کو وہاں بھیجدیا جائے تاکہ وہ اس مقدمہ کی تحقیق کرے۔ بادشاہ نے معلوم کرلیا کہ یہ لوگ قاضی کی بیجا حمایت کرتے ہیں اور فرمایا کہ یہ شخص سچا معلوم ہوتا ہے

ہم اس قاضی کو معزول کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنی مرضی کے مطابق جسکو چاہے وہاں کا قاضی مقرر کرے۔ میں خوش ہو کر چلا آیا اور آپ کی زیارت کو جانے لگا تھا کہ راستے میں آپ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا تمہارا کام تو ہو گیا۔ مینے قدم بوسی کر کے تمام ماجرا بیان کیا۔

ایک دن آپ ایک شخص کے گھر میں تشریف لیگئے جو پورانی دہلی کے اطراف میں رہتا تھا۔ اُسوقت وہ شخص علم تکسیر کی مشق کر رہا تھا۔ اور مثلث و مربع نقوش پر کر رہا تھا۔ اس نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کو بھی اس علم میں کچھ دخل ہے۔ آپ نے اسکے ہاتھ سے قلم لیکر ایک مثلث یا مربع کا نقش پر کر دیا۔ وہاں ایک اور شخص بیٹھا ہوا تھا جو پچاس ساٹھ بیگہ قطعہ زمین کے لئے نہایت سرگرداں و پریشان تھا۔ چونکہ وہ شخص آپکے اوصاف و کمالات سے واقف تھا اس نے اپنے حصول مطلب کے لئے اس نقش کو لیلیا اور اپنے پاس رکھا۔ ابھی زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ حاکم صدر نے اسکو طلب کر کے حضور بادشاہ میں پیش کیا اور دو سو بیگہ کا قطعہ زمین اسکی معاش کے لئے بادشاہ سے منظور کرایا۔ اس نقش کی یہ حیرت انگیز تاثیر مشاہدہ کر کے وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تمام حال عرض کیا۔ آپ نے فرمایا میں نے جو نقش پر کیا تھا وہ کہاں ہے مجھکو دکھاؤ۔ جب اس نے خدمت میں حاضر کیا تو آپ نے اس سے لیکر پھاڑ ڈالا۔ وہ شخص پریشان خاطر ہوا۔ آپ نے فرمایا تمہارا کام تو ہو گیا اب تمہیں نقش کی کیا ضرورت ہے۔

ایک مرتبہ شیخ شیر محمد کمبو نے جو بہادر خان کی عمارات کا داروغہ تھا (بہادر خان ایک بڑا امیر کبیر تھا) آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ سرکار کے لئے حمام تیار کیا گیا ہے اور نہایت تکلف کے ساتھ وہاں آئینے سجائے گئے ہیں امید ہے کہ آپ معہ اپنے خدام کے وہاں تشریف لاکر غسل فرمائینگے۔ آپ نے فرمایا ایسی جگہ میں ہم جانا مناسب نہیں خیال کرتے ممکن ہے کسیکے ہاتھ سے آئینوں کو صدمہ پہونچے اور وہ لوٹ جائیں جسکی وجہ سے ہمیں نادم ہونا پڑے۔ اس سادہ لوح نے آپ کے کلام کا مطلب نہ سمجھا اور

بے وقوفی سے دوسرے لوگوں کو وہاں لیگیا۔ ان میں سے ایک شخص کا پاؤں پھسل گیا اور اسکے ہاتھ سے طاس آئینوں پر گر پڑا۔ بہت سے آئینے ٹوٹ گئے۔ اور اسکے تاوان میں اس بیچارے کو زر کثیر دینا پڑا۔ اور وہ اپنی نادانی و بیوقوفی پر پشیمان ہوا۔

محمد اکرم نام آپکا ایک مخلص تھا۔ اس نے خدمت میں آکر عرض کیا کہ میرا بڑا بھائی محمد خلیل اسلام آباد میں ہے۔ اور وہ سخت بیمار ہے اس نے ایک خط میں نہایت تاکید لکھی ہے کہ اگر آخری ملاقات کرنی چاہو تو فوراً اس تحریر کو دیکھتے ہی چلے آؤ۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں چلا جاؤں۔ آپ نے اسکی عرض پر کچھ توجہ نہ فرمائی۔ دو روز تک وہ بیچارہ بار بار عرض کرتا رہا۔ لیکن آپ اس سے منہ پھیر لیتے تھے۔ وہ شخص رمز کو نہ سمجھ سکا۔ آخر وہ مضطرب ہوا اور تیسرے دن اپنا اسباب سفر اونٹ پر بار کر کے روانہ کر دیا اور خود آپ کی خدمت میں رخصت حاصل کرنیکے لیئے حاضر ہوا۔ جب رخصت کے لیئے عرض کیا تو آپ نے پھر تغافل فرمایا یہانتک کہ دوپہر کا وقت ہو گیا۔ جب آپ اٹھنے لگے تو اس شخص نے پھر رخصت کے لیئے عرض کیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ شخص رمز کو نہیں سمجھتا ہے تو آپ نے کسیقدر تصریح کر کے فرمایا کہ اگر جاتے ہو تو اس سے میرا سلام کہدینا پھر بھی وہ نہ سمجھا اور چلا گیا۔ تھوڑی ہی مسافت طے کی تھی کہ اسکے بھائی کیطرف سے ایک خط بدیں مضمون پہونچا کہ مجھے کامل صحت ہو گئی ہے آپ تکلیف نہ کریں۔ تب اس شخص کو آپ کے تغافل اور لفظ اگر کی حقیقت معلوم ہوئی۔

محمد اکرم مذکور نے ایک دن آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے بھائی محمد خلیل کے گھر میں لڑکا تولد ہوا ہے۔ اور اس نے لکھا ہے کہ حضور سے اسکے نام کی بابت عرض کروں۔ جو نام ارشاد ہوگا اسی نام سے موسوم کیا جائیگا۔ پہلے تو آپ نے تغافل فرمایا۔ لیکن جب اس نے مکرر عرض کیا کہ وہ لڑکا ابھی تک بے نام ہے تو آپ نے فرمایا قرآن کریم سے فال کھولو۔ اگر عین کا حرف نکل آئے تو اسکا نام عنایت رکھدو۔ ایک شخص محمد اکرم کے ہمراہ تھا اس نے کہا کہ فقیر کا تصرف بھی دیکھ لو۔ ضرور عین کا حرف نکلیگا چنانچہ جب اس نے گھر جاکر فال کھولی تو سچ مچ عین کا حرف نکلا اور حسب ارشاد اس لڑکے کا

نام عنایت رکھا گیا۔

وادیٔ طریقت کے سیر غضنفر بیگ نے نقل کی ہے کہ ایک دن آپ قدم گاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے تشریف لیگئے۔ شیخ عبدالعزیز نے جو بعد میں دلاور خان کے خطاب سے سرفراز ہوا سعادت قدمبوسی حاصل کی اور چالیس روپے آپ کی خدمت میں نذر کئے۔ آپ نے اسکی نذر قبول نہ فرمائی۔ اور فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ سو روپیہ سے کم نیاز قبول نہ کروں۔ اس نے ساٹھ روپے اور منگوائے۔ اور پورے سو روپے پیش کئے۔ آپ نے قبول فرمائے اور فرمایا کہ کل تمہارا مقصد حاصل ہوگا۔ چنانچہ کل صبح کو بادشاہ شکار کے لئے روانہ ہوا۔ شیخ مذکور بھی اسکے ہمرکاب تھا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہمنے تمکو سرہند کی فوجداری کا عہدہ عنایت کیا ہے۔ شیخ آداب و کورنشات بجالایا۔ اور حسب الحکم سرہند کو روانہ ہوگیا۔ تھوڑے عرصے میں اسکو دلاور خان کا خطاب دیا گیا۔ دوسرے دن آپ نے ہم سے فرمایا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ سید محمد خان تمہارے پاس ہزار روپے لائیں گے وہ قبول کرو۔ اتنے میں ایک شخص سید فتح علی نام خدمت میں حاضر ہوا۔ جو بارہ کے سادات میں سے تھا اور کچھ روپے بطور نذر پیش کئے آپ نے اس سے یہی واقعہ بیان کیا۔ وہ شخص واپس چلا گیا اور ہزار روپے کی نیاز خدمت میں حاضر کی۔ آپ نے فرمایا تمہارا نام فتح علی ہے اور مجھے سید محمد خان کے نام سے بشارت دیگئی ہے۔ میں اس روپیہ کو تین دن تک امانت رکھتا ہوں۔ اور دیکھوں گا کہ کیا ہوتا ہے۔ اسکے بعد آپ نے اس نیاز کو قبول فرمایا اور وجہ بیان کی کہ میرے خیال میں سید محمد سے یہی شخص مراد ہے کیونکہ لغت کے رو سے محمد کے معنے ہیں تعریف کیا ہوا۔ اس اعتبار سے یہ شخص بھی محمد ہوسکتا ہے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا کہ میں نے اس مدت دراز میں سوائے اس شخص کے کسی سے ہزار روپے نذر نہیں لی۔ وہ شخص آپ کا نہایت عقیدت مند بنگیا اور آپ کے لئے ہزار روپے سالانہ نذر مقرر کی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ شخص پانسو کے عہدہ سے ترقی کرکے ڈیڑھ ہزار اور دو ہزار کے

رتبہ پھر فائز ہوا۔ لیکن خان کے لفظ کے متعلق ابھی تردد باقی تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ نے اسکو خان کے خطاب سے بھی ملقب کیا۔ اس سے وہ تردد رفع ہو گیا۔ ایک مدت کے بعد بادشاہ تسخیر ملک دکن کے لئے متوجہ ہوا اور سید موصوف بھی اسکے ہمرکاب رہا۔ وہاں سے اس نے حسب معمول نیاز خدمت میں بھیجی۔ آپ نے اسکے آدمی کو فرمایا کہ اس سے کہدو کہ اب تمہارا وہ عہدہ نہیں جو پہلے تھا اسلئے اب پانچہزار کی رقم پیش کرو تو قبول کروں چنانچہ اس نے پانسو اور بڑھا کر پانچہزار پانسو کی رقم خدمت میں ارسال کی۔ مؤلف بھی اسوقت حاضر تھا۔ آپ نے تھوڑی دیر تک مراقبہ کیا اور پھر فرمایا اس نذر کو واپس بھیجدو۔ اور جو کچھ پہلے مقرر تھا وہی بھیجا کرے۔ یعنی ایک ہزار سالانہ۔ پھر آپ نے فرمایا وہ خفا نہ ہو جائے۔ ایک سو روپیہ اور بھی لے لو۔ چنانچہ گیارہ سو روپے لیکر چار ہزار اور چار سو روپے اسکو واپس بھیجدئے گئے۔ لوگوں کو تردد پیدا ہوا کہ اس میں کیا حکمت ہو گی۔ تھوڑے دنوں کے بعد خبر آئی کہ وہ شخص جنگ میں مارا گیا۔ آپ نے فرمایا اچھا ہوا کہ ہمنے وہ روپے واپس بھیجدئے اب اسکے پسماندہ لڑکوں کے کام آئینگے۔

ایک دن آپ میر عبدالعزیز کے گھر تشریف لیگئے جو آپکا مخلص تھا۔ میر مذکور کا ایک داماد عبدالسمیع نام مشیخت کا دعوے رکھتا تھا۔ اور لوگوں کے ارشاد و تلقین کا بیڑا اُٹھا رکھا تھا۔ بعض لوگوں کو اسمار الٰہی کی تعلیم دیتا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اس قسم کی تعلیم چھوڑدو نہیں تو پچھتاؤ گے۔ کیونکہ سونٹھ اور سولف میں جسقدر اثر پایا جاتا ہے اتنا بھی ان اسمار اللہ کی دعوت سے اثر پیدا نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کسی شخص کو رجعت ہو جائے اور وہ خودکشی کرلے یا کسی دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جائے ابھی تھوڑے دن گذرے تھے کہ اسکے ایک مرید نے آکر اپنا حال اسطرح ظاہر کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میری عورت پان سپاری کو اپنی شرمگاہ میں رکھکر پھر مجھے کھلاتی ہے۔ آپ نے فرمایا تمنے فلاں سے کچھ سیکھا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ ہاں۔ اسمار اللہ کی دعوت کا ایک طریقہ اس نے مجھے بتایا تھا۔ آپ نے فرمایا اُسکو چھوڑدو کیونکہ رجعت کا خوف ہے۔ ممکن ہے کہ تم اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو۔ اس نے کہا میں نے

اس کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔ میں اسکو ترک نہیں کرونگا۔ تھوڑے دلوں کے بعد اس نے اپنے آپ کو اور بیوی بچوں کو قتل کر دیا۔ عبد السمیع مذکور کو پولیس نے گرفتار کر لیا اور کچھ عرصہ تک حوالات میں رہکر بمشکل خلاصی پائی۔ ایک دوسرا شخص جو اس سے یہی دعوتِ اسماء سیکھا کرتا تھا وہ بھی ایک مصیبت میں گرفتار ہوا۔ جسکی تفصیل اِسوقت مجھے یاد نہیں رہی۔

ایک دن آپ اپنے ایک مخلص کے گھر تشریف لیگئے۔ بعض لوگوں نے تصوف کی اصطلاحات اور مباحث کا ذکر چھیڑ دیا۔ چونکہ اس قسم کی کتابیں بہت کم آپ کی نظر سے گذری تھیں اسلئے آپ بعض مقامات کی تفصیل واضح طور پر ادا نہ فرما سکے۔ آپکا قول ہے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ آیا اس قسم کے مباحث صحابۂ کرام کی مجلسوں میں بھی مذکور ہوتے تھے یا نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس خیال کے آنے پر مینے غیب سے ایک آواز سُنی کہ تصوف کا خیمہ کھڑا کر دیا گیا ہے۔ جب مینے نظر اوپر اُٹھا کر دیکھا تو مجھے فی الواقع ایک شامیانہ نظر آیا۔ پھر مینے دیکھا کہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابۂ کرام موجود ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے انہی مباحث کے متعلق گفت وگو ہو رہی ہے۔ الغرض جو تحقیق ان مسائل تصوف کی تھی وہ مجھپر ظاہر ہو گئی۔ جب مجھے اس حالت سے افاقہ ہوا تو مینے اپنے بعض مخلصین سے اسکی کیفیت بیان کی۔ اتنے میں اور لوگ آنے لگے۔ میرزا صالح نام ایک شخص خدمت میں حاضر ہوا۔ جس سے مؤلف نے یہ حکایت سُنی ہے اور اس نے آپ سے عرض کیا۔ کہ عجیب حالت ہے۔ میں آج اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ لیکن اپنے آپ کو گھوڑے سے ممتاز اور جدا نہیں خیال کرتا تھا۔ بلکہ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ میں عین گھوڑا ہوں اور گھوڑے کی طرح سرنگوں ہو کر چل رہا ہوں۔ ایک اور شخص حاجی نام اپنے ہاتھ کو پکڑے ہوئے خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں چاندنی چوک میں آرہا تھا۔ کوتوالی کے چبوترہ میں ایک چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔ جبھر ایک سُکر کی سی حالت طاری تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ میرا ہاتھ کاٹا گیا ہے۔ میں اپنے ہاتھ کو پکڑ کر بھاگ آیا۔ ایک تیسرے شخص نے آکر ظاہر کیا کہ آج مجھے ایک عجیب حالت پیش آئی۔ ایک چڑیا میرے گھر میں اُتر آئی۔ میں سمجھا کہ یہ ذات حق تعالیٰ و تقدس ہے

ایک بقال حساب کرنے کے لئے آرہا تھا کہ یکایک زمین پر گر گیا۔ جب اس سے وجہ دریافت کی گئی تو اس نے کہا میں کچھ نہیں سمجھتا۔ بے اختیار یہ حالت پیش آئی۔ دوسرے اشخاص نے بھی اسیطرح عجیب و غریب حالات عرض کئے لیکن مؤلف کو اسوقت تفصیل یاد نہیں یہ بھی یاد نہیں کہ جو حالت آپ پر وارد ہوئی تھی وہ عالم رؤیا میں تھی یا مکاشفہ تھا لیکن بہر کیف دیکھنا یہ ہے کہ جب لوگوں پر اسکا اسقدر اثر ہوا تو خود آپ کی ذات منور پر اسکا کیا کچھ اثر ہوا ہوگا۔

ایک اور خارق عادت سنئے۔ جس زمانے میں آپکا سن مبارک سو سال سے متجاوز ہو گیا تھا۔ آپ نے مخالفت طبیعت کی وجہ سے ہر ایک قسم کی غذا ترک کر دی تھی صرف تھوڑا سا گائے کا دودھ پیکر گذارہ فرما لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یکایک آپ نے وہ دودھ پینا بھی چھوڑ دیا۔ چنانچہ سولہ دن اسی حالت میں گذر گئے مخلصوں اور طالب علموں کو سخت تردد پیدا ہوا۔ اور وہ سب اکھٹے ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگرچہ آپ کے یک لخت غذا ترک کر دینے سے آپ کے استقلال باطنی اور قوت روحانی میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ آپ بفضل خدا ویسے ہی قوی اور توانا ہیں لیکن ہم لوگ اسکی تاب نہیں لا سکتے۔ ہمارے استقلال میں خلل آگیا ہے آپ ازراہ عنایت اس عقدہ کو حل فرمائیں کہ یہ خیال آپ کا کس حکمت غامضہ پر مبنی ہے۔ آپ بہت دیر تک سوچتے رہے اور پھر فرمایا کہ اسکا باعث یہ ہے کہ دو تین پیسے روزمرہ دودھ پر خرچ ہوتے ہیں۔ مجھے افسوس پیدا ہوا کہ کیوں یہ رقم بھی مستحقین پر نہ خرچ کی جائے اسلئے میں نے دودھ پینا چھوڑ دیا کسی نے ایک عارف کے حق میں یہ شعر لکھا ہے جو بالکل آپ کی حالت پر صادق آتا ہے ؂

صرت کانی بالة نصبت      لتضیئ للناس وھی تحترق

(میرا وجود ایک موم بتی کی مانند ہے جو خود تو جلتی ہے لیکن دوسروں کو روشنی پہونچاتی ہے)

مخلصوں اور عقیدتمندوں نے عرض کیا کہ کھانا پینا ایک ایسی بات ہے جو اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کے خلاف نہیں اور ہم لوگوں کی بھی تسلی ہوتی رہیگی۔ اگر آپ حسب معمول دودھ کا

غذا تناول فرما لیا کریں۔ غدا کے لئے آپ اسکو ترک نفرمائیں۔ جب ان لوگوں کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا ایک پاؤ دودھ لے آؤ۔ اسکو پی کر پھر تیرہ روز تک ترک کئے رہے۔ دوسری مرتبہ پھر عقیدتمندوں نے مجبور کیا۔ لیکن اسقدر عرصہ دراز تک غذا کے بالکل ترک کر دینے سے آپ میں کسی قسم کا ضعف نہ آیا۔ اور سوائے اسکے کہ بولنے میں کسیقدر فرق آگیا تھا اور پہلے سے نسبتاً آہستہ بولتے تھے اور کوئی تغیر آپ کے حالات میں محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ایسی عمر میں جبکہ فرض روزہ کی تکلیف بھی انسان سے رفع ہو جایا کرتی ہے آپکا بے غذا بسر کرنا کرامت ہے۔ جوانی کی حالت میں جیسا کہ پہلے فاتحہ میں لکھا گیا ہے آپ بڑی سخت ریاضتیں کا ٹا کرتے تھے۔

ایک امیر کبیر جسکا رتبہ بادشاہ سے تھوڑا کم تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سعادت قدم بوسی حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن آپ اسکو باریاب نہیں فرماتے تھے۔ اس نے ہر چند کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا اور آخر کار مایوس ہو کر جسطرح کہ اہل دنیا کی عادت ہے بغض اور عناد دل میں لے کر آپ کی ہلاکت کے درپے ہو گیا۔ آپ کے بعض مخلص عقیدتمند مثلاً خواجہ عنایت ناظر اور غضنفر بیگ وغیرہ کو اسکے فاسد ارادوں کا پتہ لگ گیا اور وہ سخت گھبرائے لیکن ادب سے آپ کی خدمت میں کچھ نہیں عرض کر سکتے تھے۔ ایک دن آپ خواجہ مذکور کے گھر تشریف رکھتے تھے کہ یکایک خواب استراحت کے لئے میل فرمائی اور خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہوا میں کھڑا ہو کر باواز بلند کہتا ہے تمہیں فلاں شخص قتل کر دے گا۔ یہ آواز تین مرتبہ آئی۔ اتنے میں حق تعالیٰ نے تجلّی فرمائی اور فرمایا کہ ہم کہاں ہوں گے۔ جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو حاضرین سے اسکا ذکر فرمایا۔ ان سبنے عرض کیا کہ ہمیں تو پہلے سے اس خبیث کے ارادوں کی خبر تھی۔ لیکن ادب سے آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اس دن کا ایک پہر بھی نہیں گذرا تھا کہ وہ شخص ایک آفتِ عظیم میں مبتلا ہوا۔ مدت تک اس میں گرفتار رہنے کے بعد دوسری بلا میں پھنسا۔ ایک دن آپ نے اسکے حق میں فرمایا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ یہ شخص قدمگاہ جہاں پناہ کے موقعہ پر روسیاہ ہو کر حاضر ہوا۔ اور لوگ کہتے تھے کہ جب

اس متبرک جگہ پر بھی اسکی سیاہی چہرہ کی دور نہ ہوئی تو پھر قیامت تک بھی دور نہ ہوگی۔

خواجہ لطف اللہ ایک عقلمند اور فاضل نوجوان تھا۔ اسکو آپ سے اخلاص اور عقیدتمندی حاصل ہوئی۔ اور آپ کی صحبت میں آنے لگا۔ آخرش آپ کے فیض صحبت سے اس نے ایک خواب دیکھا جس سے اسپر اس عارف کامل کا علو رتبہ منکشف ہوگیا۔ یہ واقعہ اس نے مؤلف سے بیان کیا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک حویلی میں تشریف رکھتے ہیں اور اولیاء اللہ کی ایک جماعت حضور پر نور میں حاضر ہے۔ اسی اثناء میں یکایک حضرت سید العارفین تشریف لائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ سید حسن آتے ہیں انکا استقبال کرو۔ چنانچہ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے کھڑا ہوا۔ اور دروازے تک آیا لیکن ابھی دروازے سے نہیں نکلے تھے کہ میری آنکھ کھل گئی۔

جس زمانے میں آپ پورب میں تشریف رکھتے تھے آپ نے فرط شوق اور غایت محبت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے اپنے دندانہائے مبارک حجام کو دکھائے اور اسے تاکید کی کہ انکو اکھیڑ کر پھینک دو۔ فرماتے تھے کہ یکایک مینے سُنا کہ میرے ایک دانت نے اللہ اکبر کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرے دانت نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اور سب دانت خود بخود اُکھڑ کر میرے ہاتھ میں گر پڑے۔ میں نے انکے اللہ اکبر کہنے کی یہ توجیہ کی کہ وہ راہِ خدا میں قربان ہونا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ اکبر ذبح کے وقت کہا جاتا ہے اسلئے میں نے چاہا کہ انکو واقع اور خارج میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے شہید شدہ دندان مبارک پر نثار کروں اور سب دانتوں کو اُکھڑوا ڈالوں۔ لیکن غیب سے ایک شخص نے آواز دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت کا مقتضا یہ ہے کہ بعض دانت سلامت رہیں اسلئے میں نے پچھلے دانتوں کو سلامت رہنے دیا کیونکہ ان سے کھانے میں مدد ملتی ہے۔ اور باقی دانتوں کو اُکھڑوا دیا۔ لیکن باوجود اسکے جسطرح آپ کو کھانا چبانے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی اسیطرح کلام کرنے میں بھی کچھ حرج پیش نہیں آتا تھا۔ یہانتک کہ بعض لوگوں کو مطلق معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ کے دانت سب سلامت ہیں یا بعض

اُکھڑے ہوئے ہیں۔
مؤلف کہتا ہے آپکا دانتوں کے اللہ اکبر کہنے سے ذبح کا اشارہ مفہوم کرنا اور پھر انکو اُکھڑوا کر پھینکنے کو اسکی تعبیر سمجھنا آپ کے کمال معرفت کی دلیل ہے۔ مولٰنا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی کے دفتر ثالث میں اس مضمون کو اسطرح ادا کیا ہے ؎

چونکہ با تکبیر ہا مقروں شدند ہمچو قرباں از جہاں بیروں شدند
معنے تکبیر این است اے امیم کا ی خدا پیش تو ما قرباں شدیم
وقت ذبح اللہ اکبر میکنی ہمچنیں در ذبح نفس کشتنی

(ان اشعار کا ماحصل یہ ہے کہ تکبیر سے مقرون ہونا قربان ہونے کے مرادف ہے اور تکبیر کے یہ معنے ہیں کہ اے خدا! ہم تیرے سامنے قربان ہوگئے جسطرح تم ذبح کرنے کے وقت اللہ اکبر کہتے ہو اسیطرح سمجھو کہ تکبیر کا نماز میں کہنا نفس امارہ کے ذبح کرنے کا اشارہ ہے) الغرض آپ سے بکثرت خارق عادت ظاہر ہوتے تھے جس سے عقید تمندوں اور مریدوں کا اعتقاد اور زیادہ راسخ ہوجاتا تھا لیکن تطویل کے خوف سے اسیقدر پر اکتفا کیا گیا۔ علاوہ ازیں عارف کامل کی شان اس سے بلند تر ہے کہ کوئی شخص ان باتوں سے اسکی تعریف اور مدح سرائی کرے۔ لیکن بعض لوگوں کے افادہ کے لئے مختصراً لکھدیا گیا ہے۔

# چھٹا فاتحہ

## آپکے پند و نصائح کے بیان میں جنکے سُننے کا مؤلف کو اتفاق ہوا

اکثر اوقات آپ اس شعر کو بطور نصیحت پڑھا کرتے تھے ؎

در طلب کردن حقیقت کار از خدا شرم دار و شرم دار

اس شعر کے معنے اپنی زبان مبارک سے اسطرح سمجھاتے تھے۔ انسان کو چاہئے کہ ہر ایک

حالت میں حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھکر اس سے حیا کرے اور کوئی ایسی حرکت اس سے سرزد نہ ہو جس سے حقتعالیٰ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ لیکن لوگوں میں اپنا ننگ و ناموس قائم رکھنے کی ذرہ بھی پرواہ نہ کرے۔ ہر حالت میں شرع کا پاس رکھے تاکہ دارین کی خرابی سے محفوظ رہے۔ مؤلف کہتا ہے اسی بنا پر شروق الانوار کے مصنف نے لکھا ہے کہ ننگ و ناموس کی پرواکرنا دوزخ کا سب سے بڑا دروازہ ہے کیونکہ اکثر لوگ ننگ و ناموس کا پاس کرنے اور رسوم و عادات کے پابند ہونے سے ورطۂ بلا میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ سچ ہے من تقید بالخلق لم یصل الی الحق جس شخص نے لوگوں کا تقید کیا وہ حق تعالیٰ تک نہیں پہونچ سکتا۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ تمام شر و فساد اور خرابیوں کی بنیاد تین چیزیں ہیں (۱) طبیعت کی خواہشیں (۲) وساوس شیطانی (۳) پابندی رسم و عادات۔ شروق الانوار کی عبارت ختم ہوئی۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

"ننگ و ناموس بروں کن زسر و نام فروش"

آپ کی ایک دوسری نصیحت یہ تھی کہ آدمی کو اخلاص میں کوشش کرنی چاہئے کیونکہ اگر سالہا سال تک حرمین میں عبادت کرے لیکن اخلاص سے بہرہ ورنہ ہو تو اسکو سوائے ناکامی اور حرمان کے کچھ نصیب نہیں ہوگا۔ اسکے ساتھ ہی آپ یہ شعر پڑھا کرتے ؎

چوں نیست در وجودِ تو اخلاص را وجود  صد سال گر بمکہ مجاور شوی چہ سود

(چونکہ تمہارے وجود میں اخلاص کا وجود نہیں اسلئے اگر تم سو سال تک مکہ معظمہ کے مجاور بھی رہو تو کچھ مفید نہیں۔

فرماتے تھے محبت کے کئی مراتب ہیں۔ یہ ایک کم درجہ کی محبت ہے جو ماں کو اپنے پیارے لخت جگر سے ہوتی ہے کہ اسکے لئے تمام لذیذ کھانوں سے محترز رہتی ہے اور ہرچند اسکی ساتھی سہیلیاں اسکو ترغیب دیں وہ کوئی ایسا کھانا گو کیسا ہی لذیذ ہو نہیں کھاتی جس سے بچے کو ضرر ہو۔ پس اگر سالک میں اسقدر محبت بھی موجود نہ ہو جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتی ہے اور اسکو اپنی طبیعت پر اتنا قابو بھی نہ ہو کہ حقتعالیٰ کی خوشنودی

حاصل کرنے کے لئے لذتوں کو ترک کرکے جو کچھ اسکو میسر ہو راہِ خدا میں محتاجوں پر صرف کرے۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ابھی اسکا آئینہ طبیعت زنگِ حرص وہوا سے پاک و صاف نہیں ہوا کسی عارف کا قول ہے ؎

هر لحظه فزوں تر است در کسبِ معاش — حرص و طمع بے بصران اوباش
بس فاسق عیش غنیمت داند — ہمچو تا دم صبح جد و جہد خفاش

( جو لوگ دل کے اندھے ہیں اور انکی بصیرت ماری گئی ہے انکی حرص اور طمع دنیا کے حصول کے لئے روز افزوں ترقی پر ہوتی ہے )

ایک ارادتمند نے تعلیم طریقت کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا درویشی کا علم بھی دوسرے علوم کیطرح الف بے سے شروع ہوتا ہے۔ اسکا الف یہ ہے کہ لذت ہائے نفسانی کو ترک کردو۔ چھ ماہ تک اس سبق کو ضبط کرو۔ اور اسپر عمل کرو۔ اسکے بعد دوسرا سبق پڑھاؤں گا۔ چونکہ نفس کی مخالفت کرنا ایک سخت ترین جہاد ہے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادِ اکبر فرمایا ہے کہ رجعنا من جہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر ( چھوٹے جہاد سے فارغ ہو کر ہم بڑے جہاد کیطرف آگئے ) اسلئے وہ بیچارہ اسپر عمل نہ کرسکا۔ کبھی کبھی جب وہ خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ از راہِ ظرافت اس سے دریافت فرماتے کہ علم طریقت کا الف یاد کرلیا ہے کہ نہیں۔ وہ اپنا عجز اور قصور عرض کردیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں سے لڑنے کو جہادِ اصغر اور نفس کی مخالفت کو جہادِ اکبر فرمایا۔ اسکی توجیہ ذوارف شرح عوارف میں مفصل لکھی ہے جسکو ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفتِ نفس کو جہادِ اکبر فرمایا۔ اسکے کئی وجوہ ہیں (۱) جہادِ کفار سے کسی نہ کسی وقت فرصت ملجاتی ہے لیکن جہادِ نفس کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک وقت میں اسکو آمادہ پیکار بلکہ مصروف کارزار رہنا پڑتا ہے (۲) جہاد کفار میں جو جہادِ اصغر ہے ایک ایسے غنیم کا مقابلہ ہوتا ہے جو نظر کے سامنے ہے۔ لیکن جہادِ اکبر میں ایک ایسے دشمن کا مقابلہ ہے جسکو محسوس بھی نہیں کیا جاسکتا اسکے دخول اور خروج تک کا پتہ نہیں چلتا اسلئے اسکو مغلوب کرنا اور اسکے مکائد سے بچتے رہنا نہایت دشوار ہے۔

(۳) جہاد اصغر میں غیر سے لڑنا ہوتا ہے خواہ اسکا حریف طاقتور ہو یا کمزور۔ اور تمام جوارح واعضا اس جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تمامتر ہمت و توجّہ اسپر مبذول کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ ایک محدود زمانے تک جاری رکھا جاتا ہے اور پھر اسکا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ برخلاف اسکے جہاد اکبر میں اپنے نفس سے مقابلہ آرا ہونا پڑتا ہے جوارح واعضاء سے کوئی مدد نہیں ملتی بلکہ وہ اُلٹے نفس کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے آمادہ رہتے ہیں اور چونکہ اسکا سلسلہ غیر متناہی ہوتا ہے اسلئے اسپر تمامتر توجّہ اور ہمت مبذول نہیں کی جاسکتی۔ اسلئے ظاہر ہے کہ پہلے کی نسبت اسکا بجالانا دشوار ہے۔ اور ظاہر غنیم کی نسبت اس پوشیدہ دشمن کو مغلوب کرنا بہت زیادہ مشکل ہے۔ علاوہ ازیں ایک کھلی بات ہے کہ اپنے نفس کا اپنے ہاتھ سے مقابلہ کرنا اور اسکی خواہشوں پر غالب آنا نہایت دشوار ہے۔ انہی وجوہ کی بنا پر نفس کی مخالفت کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے جہانتک بھی تمسے ہو سکے اپنے مال وزر کو راہِ خدا میں خرچ کرو حصول مراد کا اس سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں۔ جو زاہد بخیل اور ممسک ہو اگر وہ سالہا سال بھی ریاضت کرے اسکو ذرہ بھی فائدہ نہیں ہوگا السخی حبیب اللہ ولوکان فاسقا والبخیل عدو اللہ ولوکان زاھدا (سخی خدا کا دوست ہے اگرچہ وہ فاسق ہو۔ لیکن بخیل خدا کا دشمن ہے اگرچہ وہ زاہد ہو۔) اسکا مطلب یہ ہے کہ جسکی عادت سخاوت کرنے کی ہے اس آیت کریمہ کے مطابق کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ (نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں) ممکن ہے کہ اسکی برائیاں نامۂ اعمال سے مٹا دیجائیں۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ اس زمانے میں سوائے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کسیکا مرید نہیں بننا چاہئیے۔ کیونکہ شیخ کامل کا دستیاب ہونا نہایت دشوار ہے۔ بہت سے لوگوں نے مکر و فریب کا جال پھیلا کر اہل کمال ہونے کا دعوےٰ کر لیا ہے۔ اور اکثر سادہ لوح انکے دامِ تزویر میں پھنس جاتے ہیں جو انکے لئے گمراہی کا باعث ہوتا ہے اگر مدت دراز کے گذر جانے پر بھی حصول مقصد میں کامیابی نہ ہو اور بیچارہ مرید ان سے فریاد کرنے لگے تو جناب پیر صاحب اسکی وجہ خود اسکی بے استعدادی بتاتے ہیں۔

جب پیرانِ زمانہ کا یہ حال ہے تو کیوں ایک ایسے جناب پاک کا وسیلہ نہ ڈھونڈیں جو عیب اور نقصان اور خطا کاری سے مبرا ہے اور اسکے سب سے رفیع المرتبت ہونے کا سب کو بدل و جان اقرار ہے جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے ؎

ولہٗ جلال لیس فوق جلالہ    الا جلال اللہ جل جلالہٗ

(اِسکا ترجمہ پہلے ہو چکا ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ خدائے برتر کے سوائے اور کوئی اس سے بزرگ تر نہیں)۔

مؤلف نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ چونکہ ذات نبوی نہایت قدس سے موصوف ہے اور ہم لوگ غایت میل کچیل سے معروف ہیں اسلئے یہ کیسے ممکن ہے کہ بغیر کسی وسیلہ کے ہم اس جناب پاک سے مناسبت پیدا کر سکیں۔ آپ نے فرمایا جب عشق اور شوقِ پیر کا غلبہ ہو جائے اپنی تمامتر توجہ کو جناب نبوی پر مبذول کرے۔ اور ہر ایک امر میں ذات فائض البرکات سے مدد طلب کرے تو بہت جلد حصول مقصد ہو سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض کسی شخص کو پیر کے ذریعہ بنانے کی ضرورت بھی ہوگی تو خود بخود غیب سے اسکا سامان مہیا ہو جائیگا۔ خواہ یہ وہاں پہنچ جائیگا خواہ وہ اسکے پاس آجائیگا۔ اسی مضمون کو شیخ فرید الدین عطار نے اِن اشعار میں ادا کیا ہے ؎

چوں دولتِ دردِ دیں ترا دست دہد    یا بادِ ارادت و طلب بالو وزد
یا سوئے کشاں ترا بر شیخ برد    یا او بدو اسپہ رخ بسوئے تو نہد

(جب تم میں درد اور شوق کی کیفیت پیدا ہوگی اور طلب اور ارادت کی ہوا تمہارے موافق چلے گی تو اُسوقت یا تو تمہیں غیب سے کشش ہوگی اور تم کسی ہادی طریقت کے پاس چلے جاؤ گے یا بصورت دیگر وہ خود دوڑ کر تمہارے پاس چلا آئیگا) شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بھی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ جو مستعد ہوتا ہے وہ ضرور کامیاب ہوتا ہے۔ شروق الانوار میں چند اشعار لکھے ہیں جنکا مفہوم آپ کے قول کی تائید میں ہے ؎

مشو مقلد ہر مدعی بظاہر حال    مگر ز قوتِ قدسی بیابی استصواب
کہ بس طبیعت وقادہ شد پیام نشور    بہ نفخ شعبدہ و مکر اہل استجلاب

فغاں زحیلۂ غولانِ آدمی پیکر　　بخونِ خلق برآغشتہ جنگل و ایاب

(ہر ایک شخص جو معرفت اور ولایت کے لمبے چوڑے دعوے کرے جب تک تمہیں قوتِ قدسی اجازت نہ دے اسکے ظاہر پر فریفتہ ہو کر اسکا پیرو نہیں بننا چاہیئے۔ بہت سے لوگ اپنی چالاکی سے شعبدہ بازی اور مکروفریب سے کام لے کر قیامت بپا کرتے ہیں۔ اِس شیطان صفت انسان نما جماعت کے دامِ تزویر سے بچتے رہو جنہوں نے لوگوں کا خون چوسنے کے لئے پنجے اور کچلیاں تیز کرلی ہیں۔ مولانا روم رح فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　پس بہر دستے نہ باید داد دست

(بہت سے پیر ہیں جو بظاہر انسان اور باطن میں شیطان ہیں۔ اسلئے ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے)۔ ایک شخص نے کیا خوب کہا ہے ؎

خلیلیّ قطّاع الفیافی الی الحمٰی　　کثیر وانّ الواصلین قلیل

(میرے پیارے دوستو! چراگاہ تک پہونچنے کی ہوس میں وشت نوردی کرنیوالے تو بہت ہیں لیکن منزل مقصود تک پہونچنے والے بہت تھوڑے ہیں۔)

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سلف میں جب لیاقت پیدا ہوتی تھی تب مسندارشاد پر بیٹھتے تو لیکن اب یہ حال ہے کہ جو لوگ ابھی مریدی کے منازل و مراحل طے نہیں کئے ہوتے۔ وہی لوگ مرید بنانے کی فکر میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ سلف کی عادت تھی کہ وہ اپنے آپ کو غلاظت کے کیڑے سے بھی کمتر سمجھتے تھے۔ چہ جائیکہ انسان پر اپنے آپ کو فوقیت دیں لیکن زمانۂ حال کے پیرانِ طریقت کی یہ حالت ہے کہ جب کسی مرید کو دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں غرور پیدا ہوتا ہے کہ مَیں اسکا پیر ہوں اور یہ میرا مرید ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اِن لوگوں نے ابھی پنجۂ نفس و شیطان سے نجات نہیں پائی۔ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص معرفت اور کمال کا مدعی ہو کر اپنے تئیں دوسرے سے افضل سمجھے اسکے سر پر خاک ہو۔ شیخ سعدیؒ نے بالکل درست فرمایا ہے ؎

دریں حضرت آناں گرفتند صدر　　کہ خود را فروتر نہادند قدر

(معرفت کے صدر نشین وہی لوگ ہیں جو اپنے آپ کو حقیر اور ناکارہ سمجھتے ہیں۔) شرح مقدمہ میں ایک حدیث اسی مضمون کی منقول ہے۔ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حقیقی متقی وہی ہے جو

جو اپنے آپ کو کسی سے بہتر خیال نہ کرے۔ اسی کے موافق ایک حکایت ہے جو خواجہ ضیاء نخشبیؒ نے سلک سلوک میں نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ تمہاری قوم میں جتنے صالحین ہیں اُنکو دوسروں سے جدا کر دو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے منادی کی تو بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ حکم نازل ہوا کہ جو زیادہ صالح ہیں انکو ان میں سے جدا کر لو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمی انتخاب کئے پھر ان سے سات آدمیوں کو منتخب کیا حکم ہوا کہ ان میں سے تین کو علیحدہ کر دو چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے تین آدمیوں کو جو سب سے زیادہ صالح اور متقی نظر آتے تھے ممتاز کر دئیے بارگاہِ ایزدی سے ندا آئی کہ یہ تین شخص میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ مبغوض ہیں۔ کیونکہ جب اُنہوں نے منادی سنی تو اپنے آپ کو صالحین میں شمار کیا۔ میرے پیارے! اگر کوئی شخص سرے سے عبادت نہ کرے تو یہ اُس سے بہتر ہے جو عبادت پر نازاں ہو۔ ظاہر شریعت کا حکم یہ ہے کہ مدعا علیہ کو قید کیا جاتا ہے لیکن عالم طریقت میں مدعی حبس اور زندان کا سزاوار ہے۔

شروق الانوار میں لکھا ہے کہ پیر طریقت کے لائق اقتدا ہونے کی چار علامتیں ہیں (۱) اس سے ایسے خارق عادات سرزد ہوں جو طاقتِ بشری سے خارج ہیں (۲) اسکی افعال اور اقوال مطابق یکدگر ہوں۔ اور اسکے اقوال اسکے کمال پر دلالت کریں (۳) اسکے دعویٰ کا ثبوت محتاج دلیل نہ ہو بلکہ بدیہی ہو (۴) غیب کی باتیں بتائے اور مستقبل کے واقعات نظر کشف سے مشاہدہ کرے۔ اگر کوئی شخص اِن چاروں صفتوں سے موصوف ہو تو وہ کامل اور مکمل کہلانے کے قابل ہے اور وہ قوائے عظیمہ کا مالک اور حلیۂ الٰہی سے متحلی ہوتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مرید نہیں بنانا چاہیئے۔

مؤلف کہتا ہے۔ مرید بنانا دو طرح ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ مرید کو حق تعالیٰ تک پہونچائیں۔ دوسرے یہ کہ اسکی شفاعت کے کفیل ہوں۔ دونوں صورتوں میں شیخ طریقت کا کامل مکمل ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جو خود کامل نہ ہو وہ دوسرے کو کسطرح مقصود حقیقی تک پہونچا سکتا ہے اور قبر اور قیامت کے شدائد سے کسطرح بچا سکتا ہے جسکے حق میں خدائے پاک عزوجل فرماتا ہے یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (یہ وہ دن ہے جسمیں لوگ

پروانوں کی طرح بکھرے ہوئے ہوں گے) لیکن مشائخ نما دھوکے بازوں کے دام فریب و تزویر سے بچنے کے لئے بھی بصیرت اور تفرّس کی ضرورت ہے۔ جنیدؒ۔ شبلیؒ۔ ابویزیدؒ بسطامی۔ امام غزالیؒ کی تصنیفات پڑھنے سے آدمی کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ ان بزرگواروں نے سچے اولیاء اللہ کی علامتوں کو ایسے واضح طور پر بیان کیا ہے۔ کہ اگر آدمی ان علامتوں کو پیش نظر رکھے تو تھوڑی سی توجہ سے محقق اور غیر محقق۔ محق اور مبطل میں فرق کر سکتا ہے۔ کیونکہ "از کوزہ ہموں تراود کہ در واست" (برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اسمیں ہوتا ہے) حدیث شریف میں ہے تخشع قلبه لخشیة جوارحه (اسکے دل میں بھی خشوع معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسکے جوارح و اعضا میں خشوع کا اثر ظاہر ہے) عرب کا مشہور قول ہے البعرة تدل علی البعیر و آثار المشی تدل علی المسیر (مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے اور نشان پائے انسان سے انسان کا گذرنا ثابت ہوتا ہے) اس لئے کسی شخص کے اوضاع و اطوار کو دیکھکر اسکے کمال کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ علوم میں سے علم تفسیر۔ حدیث۔ فقہ اور اصول پر تمام تر توجہ مبذول کرنی چاہیئے اور جاہلوں کی صحبت سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ بے باکانہ گفت و گو سننے سے بھی پرہیز واجب ہے۔ کیونکہ اس سے کئی قسم کے ضرر پیدا ہوتے ہیں بعض اولیاء اللہ سے اس قسم کے کلمات سرزد ہوئے ہیں لیکن وہ سکر کی حالت میں کہے گئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اگر کسی شخص کو کوئی مدہوش یا دیوانہ گالیاں دے یا اس سے کوئی بیہودہ حرکت سرزد ہو تو لوگ اسکو معذور سمجھیں گے۔ لیکن اگر وہی حرکت کسی صاحب عقل و ہوش سے وقوع میں آئے تو اسپر لعن طعن کی بوچھاڑ کی جائے گی۔ اسی مضمون کو صاحب رشحات نے نقل کیا ہے کہ تمام علوم مروّجہ کا لبّ لباب تفسیر اور حدیث اور فقہ ہے اور انکا خلاصہ یا زبدہ علم تصوّف ہے۔ جسکا موضوع بحث وجود کا مسئلہ ہے۔ اہل تصوف کا قول ہے کہ تمام مراتب الٰہیہ اور کونیہ میں وجود ہی کا مختلف صورتوں میں ظہور ہوا ہے۔ یہ بحث نہایت مشکل اور دقیق ہے۔ صرف عقل کو رہبر بنا کر اس میں دخل دینا موجب ضلالت و گمراہی ہے۔ کیونکہ اس عالم میں کتے اور سور کی مانند بہت سے خبیث

حیوانات اور دیگر نجاسات اور غلاظتیں موجود ہیں انپر وجود کا اطلاق کرنا نہایت ہی قبیح اور مذموم ہے اور اگر انکو مستثنے رکھا جائے تو پھر قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے اور ان بزرگوار ونکو اصول مسلمہ کا خلاف لازم آتا ہے اسلئے عقلمندوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے آئینہ حقیقت کو نفوس کو نیہ کے زنگ کدورت سے مصفا رکھیں یہانتک کہ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کی وجہ سے خود بخود انکے لطیفۂ مدرکہ پر نور وجود کا پرتو پڑکر حقیقت حال کھل جائے گی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ نماز پڑہو لیکن جہانتک ہو سکے امام نہ بنو۔ رشحات میں جہاں خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی وصیتیں نقل کی ہیں۔ ایک یہ بھی نصیحت نقل کی ہے کہ بیٹا! ہمیشہ نماز جماعت سے پڑھا کرو بشرطیکہ امام اور مؤذن کوئی اور ہو۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر ایک امر کے متعلق جب انسان کی شہرت ہو جاتی ہے تو اس سے خود بینی اور تکبر پیدا ہوتا ہے۔ مؤلف کہتا ہے مثلاً مرتبہ علم میں وہ علم تکبر کا باعث ہوتا ہے جسکے ساتھ معرفت نہ ہو۔ لیکن اگر انسان اس معرفت سے بہرہ ور ہو کہ یہ علم و فضل یا کمال جو کچھ بھی ہے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی صفات کا پرتو ہے تو وہ ہرگز تکبر نہیں کرے گا کیونکہ عاریتی لباس پر کوئی شخص نازاں نہیں ہو سکتا۔ امور دیگر پر یہی قیاس ہونا چاہیئے۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ (دانا را اشارتے بس است)۔

آپ فرمایا کرتے تھے کسی شخص کا ضامن نہیں ہونا چاہیئے۔ کسیکی شادی کے معاملہ میں نہیں آنا چاہیئے۔ بلکہ کسی بات میں بھی دخل نہیں دینا چاہیئے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ کھانا تھوڑا کھانا چاہیئے جو لذیذ نہ ہو۔ لذیذ کھانا یتیموں اور مسکینوں کو کھلا دینا چاہیئے۔ صاحب حدیقہ فرماتے ہیں ؎

آب چنداں مخور کہ ریگ نۂ — تا گلو پر مکن کہ دیگ نۂ
گر خوری بیش پیل گردی تو — کم خوری جبرئیل گردی تو
خود قبا پوش خز بیاراں دِہ — جَو بخور گندمے بدلیشاں دِہ

(اتنا پانی نہ پیو آخر ریت تو نہیں ہو۔ گلے تک پیٹ کو نہ بھرو۔ کیا تمنے اپنے تئیں دیگ سمجھ لیا ہے اگر زیادہ کھاؤ گے تو تمہاری مثال ہاتھی کی ہوگی۔ لیکن تھوڑا کھانے سے تم جبرئیل بن سکتے ہو

خود معمولی قبا پہنو اور ریشمی کپڑے ایثار کر کے اپنے دوستوں کو دے دو۔ خود جو کھاؤ اور اُن کو گیہوں کھلاؤ۔) شروق الانوار میں لکھا ہے کہ کھانا تھوڑا کھانا چاہیئے اور مناسب ہے کہ وہ لطافت میں گیہوں کی سی کیفیت رکھتا ہو اور اسکے خواص معتدل ہوں۔ اہل طب کا قول ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے عقل ماری جاتی ہے اور روح لطیف کو زیادہ کھانا کثیف بنا دیتا ہے۔ جب معدہ بھرا ہوتا ہے تو نفسانی خواہشوں کا غلبہ ہوتا ہے لیکن اگر پیٹ خالی رہیگا تو شہوت کا غلبہ کم ہوگا۔ اسی حکمت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سدوا مجاری الشیطان بالجوع (پیٹ کے بھوکا رکھنے سے شیطان کے داخل ہونے کے دروازے بند کر دو) کھانے سے یہ مدنظر رہنا چاہیئے کہ عبادت کرنے کے لئے طاقت حاصل ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کفی لابن آدم لقیمات یقمن صلبہ (انسان کے لئے چند لقمے کھانا کافی ہے جس سے وہ عبادت کیلئے قیام کرسکے) اگر بسیار خوری کی عادت ہے تو بتدریج اسکو گھٹا سکتے ہیں۔ جب روٹی حاضر ہو تو سالن کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ عن اکرام الخبز ان لا تنتظر الی الادام (یہ بھی ایک گونہ روٹی کی تعظیم ہے کہ تم سالن کا انتظار نہ کرو۔) دو کھانے ایک وقت میں نہیں کھانے چاہئیں اور ایک مرتبہ کھا چکا ہو تو دوسری مرتبہ کھانا فضول ہے۔ اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔ اور چونکہ بسیار خوری اور شکم پوری ہر ایک بیماری کی جڑ ہے۔ اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ کم خوری تمام بیماریوں کا علاج ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے۔ بہت کم سونا چاہیئے اور نفس کو سمجھانا چاہیئے کہ اگر سو جاؤ گے تو چشم زدن میں وقت ہاتھ سے چلا جائیگا۔ اور خدا کی یاد فوت ہو جائے گی جو ایک نعمت عظمےٰ اور دولت کبرےٰ ہے۔ کثرت خواب سے بچنا لازم ہے کیونکہ اس سے روح کی نورانیت کم ہو جاتی ہے اور اسلئے عالم انوار کے حقائق اسمیں منکشف نہیں ہوتے۔ سلک سلوک میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے ایک لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی تو اس نے لونڈی سے کہا کہ میرے لئے بستر خواب درست کر دو۔ لونڈی نے کہا میرے آقا! تمہارا بھی کوئی آقا ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں۔ لونڈی نے کہا تمہارا آقا سوتا بھی ہے؟

یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ لونڈی نے کہا تمہیں شرم کرنی چاہیئے کہ تمہارے آقا تو بیدار ہوں اور تم سوئے رہو۔ بزرجمہر سے کسی نے کہا کہ تمام جانوروں میں کونسا جانور زیادہ سرکش ہے اس نے کہا انسان سب سے زیادہ سرکش ہے۔ اسکے سامنے موت کا میدان ہے تنگدستی کی تکالیف دوزخ کا ڈر اور خدا کا خوف اسکے لئے تازیانے ہیں۔ پیغمبران خدا اور مقدس کتابیں اسکی رہبر اور قائد ہیں۔ لیکن بانیہمہ وہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا۔

کسی دانشمند کا یہ قول تمام نصیحتوں کا لب لباب ہے کہ کب تک تم جسم کو مخدوم اور روح کو خادم بنائے رکھو گے۔ تم ایک ایسی چیز میں اپنا نفع ڈھونڈ ہتے ہو جو سراسر تمہارے نقصان کا باعث ہے۔ اپنے نفس کیطرف متوجہ ہو کر اسکے فضائل کی تکمیل کرو۔ تمہارے انسان ہونے کا مدار تمہاری روح پر ہے نہ جسم پر۔

آپ فرمایا کرتے تھے نامحرم اور اجنبی عورتوں سے خلوت میں ہرگز نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ نفس اور شیطان ہمیشہ گھات لگائے رہتے ہیں مبادا کہیں چاہ ضلالت میں گرفتار ہو جائے۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک صحابی اپنی لڑکی سے خلوت میں بیٹھا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ کیا شیطان کو تم نے مردہ سمجھ لیا تھا وہ تو ابھی تک زندہ ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ دولتمندوں سے صحبت نہیں رکھنا چاہیئے۔ بلکہ ان سے مستغنی رہنا چاہیئے۔ برخلاف اسکے غربا اور عاجز لوگوں سے تواضع کا سلوک لازم ہے دولتمندوں سے استغنا کرنے کی وجہ اپنے دل میں یہ ٹھہرانا چاہیئے کہ چونکہ یہ لوگ غریبوں سے نفرت کرتے ہیں اور ایک ایسی چیز کی بنا پر جسکو بقا و ثبات نہیں (دولت دنیا) اتنے نازاں اور مغرور ہیں اسلئے فقرا کو ان سے بے نیازی کا اظہار کرنا چاہیئے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اہل اللہ انکی ظاہری وقعت اور جاہ و جلال کی پرواہ نہیں کرتے اور نہیں یہ بھی معلوم ہو کہ طائفہ فقرا کو جناب حقتعالیٰ سے ایک ایسی نعمت عظمیٰ حاصل ہوتی ہے جسکی وجہ سے دنیا کے تمام مراتب انکی آنکھ میں ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر ایک جلیل القدر عارف نے فرمایا ہے کہ اگر بادشاہوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم کس دولت عظمےٰ اسی

بہرہ ور ہوئے ہیں تو وہ حسد کے مارے مرجائیں ۔ رشحات میں اسکی تحقیق ہیں کہ التکبر صدقۃ (تکبر بھی بعض حالتوں میں صدقہ کا حکم رکھتا ہے ۔) لکھا ہے کہ تکبر دو قسم ہے ۔ ایک محمود اور دوسرا مذموم ۔ مذموم یہ ہے کہ مخلوقِ خدا کو حقارت کی نظر سے دیکھے ۔ اور اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھے ۔ محمود اور قابل تعریف تکبر یہ ہے کہ سوائے حقتعالیٰ کے ہر ایک چیز کو حقیر اور ناقابل التفات خیال کرے صرف اسوجہ سے کہ حق تعالیٰ کی عظمت اسکے دل میں سماگئی ہے ۔ یہ عدمِ التفات اسکو بہت جلد منزلِ مقصود تک پہونچادیگا ۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ زینت اور آرائیش کا خیال نہیں رکھنا چاہیئے ۔ بلکہ ایسے لباس پر اکتفا کرنا چاہیئے جو گرمی اور سردی کی شدت سے بچائیں ۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ کسی سے جھگڑا اور بحث جسکو مجادلہ کہتے ہیں بلکہ مناظرہ تک نہیں کرنا چاہیئے ۔ کیونکہ اس سے فریقین میں رنجش اور عداوت پیدا ہوتی ہے ۔ نفس اور شیطان کو دخل دینے کا موقعہ ملجاتا ہے ۔ اور اس سے باطن میں کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ اگر خواہ مخواہ کسی مسئلہ کا ظاہر کرنا مطلوب ہے جسکے نہ ظاہر کرنے سے دوسرے مومن کو نقصان پہونچتا ہے تو اس پیرایے میں کہنا چاہیئے کہ بھائی ! میں نے تو فلاں کتاب میں اسطرح دیکھا ہے ۔ اب معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے کونسی بات صحیح اور محقق ہے اسکی تائید اس واقعہ سے ہوسکتی ہے کہ جب حضرت امام حسینؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ وضو میں غلطی کررہا ہے تو آپ اسکے سامنے بیٹھکر وضو کرنے لگے اور جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسطرح وضو فرمایا کرتے تھے ۔ لیکن اُس شخص کو صریحاً مخاطب نہ کیا ۔ مبادا کہ رنجیدہ خاطر ہوجائے ۔ مؤلف کہتا ہے دوسرے کو اُسکی غلطی پر متنبہ کرنیکا یہ ایک نہایت عمدہ پیرایہ ہے ۔ اگر وہ شخص عقلمند ہے تو فوراً سمجھ جائیگا ۔ بصورت دیگر وہ سائل ہوکر حقیقت دریافت کریگا اور اُسوقت اگر اس سے حقیقت بیان کی جائے تو اسکو ہرگز ناگوار نہیں گذرے گا ۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مخلوقِ خدا کی نفع رسانی اور حاجت برآری کے لئے دست سوال

پھیلانا چاہئے۔ اور جو کچھ اسطرح میسّر ہو اسکو محتاجوں اور مستحقین پر صرف کرے اور نیک کام کا ثواب اور تکلیف کا ثواب سائل کو پہونچائے اور کوئی غرض اس میں نہ ہو۔ ان سب حالتوں میں خوشنودی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو ملحوظ اور مدنظر رکھے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مشائخ طریقت کی تواضع کرنا لازم ہے کیونکہ یا تو وہ درحقیقت بارگاہِ خداوندی میں قرب کا درجہ رکھتے ہوں گے یا نہیں۔ پہلی صورت میں تو ضرور اسکی تواضع کرنا واجب ہوگی۔ لیکن اگر اس نے مشیخت کی دوکان کھول رکھی ہے تب بھی تواضع کرنا قرین مصلحت ہے کیونکہ اس سے اسکی معاش ہوگی۔ عارف شیرازی سعدی علیہ الرحمۃ کا قول ہے ؎

هر که را جامه پارسا بینی — پارسا دان و نیک مرد انگار
ور نه دانی که در نهانش چیست — محتسب را درون خانه چه کار

(جس شخص کو بظاہر پرہیزگار دیکھو اُسکو پرہیزگاروں کے زمرہ میں شامل سمجھو اور مرد صالح خیال کرو۔ اگرچہ تمہیں اسکے اندر کا حال معلوم نہیں۔ لیکن اسکے معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ محتسب اور درہ دار گھر کے اندر تھوڑا جاتا ہے۔)

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا چاہئے اور خادموں کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دوسروں کا پس خوردہ کھانا چاہئے۔ لیکن اپنا پس خوردہ کسی کو نہیں دینا چاہئے۔ کیونکہ پہلی صورت میں نفس کو ذلت حاصل ہوتی ہے جو اسکے لئے مفید ہے اور دوسری صورت میں اسکی خودبینی بڑھتی ہے۔ اگر نفس کسی وقت سرکشی کرے اور شیخی جتانے لگے تو اسکو کتے اور بلی کا پسماندہ کھلانا چاہئے۔ چونکہ نفس تکبر اور نخوت کا مبدا ہوتا ہے لیکن کتے اور بلی میں یہ مذموم صفت ہرگز نہیں اسلئے انکو اس پر فضیلت ہے۔ مؤلف کہتا ہے کہ بعض لوگوں کو اسکے متعلق تردّد پیدا ہوگا۔ کہ شریعت میں کتے اور بلی کا پس خوردہ کھانا جائز نہیں۔ شرح مواہب الرحمٰن اور دوسری کتب فقہ میں لکھا ہے کہ علماء حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک کتے اور خنزیر کا پس خوردہ ناپاک ہے۔ امام مالکؒ اسکو پاک کہتے ہیں ان کے نزدیک ہر ایک زندہ چیز کا پس خوردہ کھانا پینا جائز ہے۔ اسکا جواب حنفیہ اور

شافعیہ یہ دیتے ہیں کہ خنزیر تو نص صریح کے مطابق حرام مطلق ہے جو اسکے ناپاک ہونیکی دلیل قاطع ہے ۔ کتے کے ناپاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اسکو سات بار دھونا چاہیئے ۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور مسلم نے نقل کیا ہے ۔ اسیطرح تمام درندوں کا پس خوردہ ناپاک ہے" ۔ اس تردد کو اسطرح رفع کیا جاسکتا ہے کہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق بلی کا پس خوردہ پاک ہے البتہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد اسکو مکروہ فرماتے ہیں" ۔ اسلیئے امام ابو یوسف کے مذہب کے مطابق تو اسکا پاک ہونا یقینی ہے ۔ باقی رہا یہ کہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد اسکو مکروہ کہتے ہیں اسکی یہ توجیہ ہے کہ مکروہ سے مراد تنزیہی کراہت ہے ۔ اور کسی فائدہ کے لیئے مکروہ تنزیہی کے ارتکاب کرنے میں کچھ حرج نہیں ۔ کتے کے پس خوردہ کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ امام مالک کے نزدیک وہ پاک ہے اسلیئے بوقت ضرورت اسکے قول پر عمل کرلیا جائے تو کیا مضائقہ ہے ۔ علاوہ ازیں یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ طبیب حاذق اگر مریض کیلیئے کسی ناپاک چیز کو مفید اور نافع خیال کرے تو اسکا کھانا جائز ہے ۔ اسکی بنا اس اصول پر ہے کہ اختیار شر قلیل لاجل خیر کثیر خیر کثیرۃ ( نفع کثیر کو مدنظر رکھکر تھوڑے سے ضرر کو اختیار کرلینا عین خیر و برکت ہے ) اور ظاہر ہے کہ اولیاء کرام روحانی طبیب ہیں اسلیئے وہ جس چیز کو مفید خیال کرتے ہیں اسی کی تلقین فرماتے ہیں ۔ اور یقیناً ان بزرگوں کے نزدیک ظاہر کی اصلاح سے باطن کی اصلاح بہت زیادہ اہم ہے ۔ اب خود انصاف کرو کہ آپکا یہ قول محل اعتراض ہو سکتا ہے یا نہیں اور سنت کے جھگڑوں میں نہ پڑو ۔

آپ فرماتے تھے کہ جب تک کسی شخص کے عمل کا یقین حاصل نہ ہو انکار اور تشنیع سے نہیں پیش آنا چاہیئے ۔ کیونکہ ہر ایک امر نیت سے وابستہ ہے انما الاعمال بالنیات کسی دانا کا قول ہے کہ ؎

ہرچہ در طبع تو نباید راست — تو ندانستہ مگو کہ خطا است

( جو چیز تمہاری طبیعت کے موافق نہ ہو اور تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو جھٹ یہ نہ کہدینا کہ یہ غلط ہے ) ۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اہل دنیا کی شادی وغمی کی تقریبوں میں شریک نہیں ہونا چاہیئے
مؤلف کہتا ہے اجابت دعوت اگرچہ مسنون ہے لیکن اس ایک سنت کی رعایت کے لئے بندی کو چند ایک فرائض کا تارک ہونا پڑتا ہے۔ البتہ جو بزرگوار تمکین کے درجہ سے بہرہ ور ہو اُسکو ایسی تقریبوں میں شامل ہونا کچھ مضر نہیں۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ گھوڑے اور ہاتھی اور پالکی پر سوار نہیں ہونا چاہیئے اور اگر بوقت ضرورت سوار ہونا پڑے تو کوئی ایسی سواری اختیار کرنا چاہیئے جو فخر و تکبر کا باعث نہ ہو

آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی عمارت نہیں بنانا چاہیئے یہانتک کہ خانقاہ اور مسجد بھی نہ بنائیں۔ گو انکا بنانا ثواب کی نیت سے درست ہے لیکن اس ثواب کے مقابلہ میں وہ اجر و ثواب بہت زیادہ ہے جو کسی ذی روح کو فائدہ پہونچانے سے حاصل ہوتا ہے اسلئے جب تک ایسا جلیل القدر ثواب حاصل کرنا ممکن ہو دوسری باتوں کو جانے دیں۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ مجالس خمسہ میں عبداللہ بن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے باپ کے ساتھ ایک عمارت کے بنانے میں مشغول تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں گذرنے کا اتفاق ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ اے عبداللہ! اپنے باپ سے کہدے کہ قیامت اس سے نزدیک تر ہے جو تمنے خیال کی ہے۔ وہ اتنی نزدیک ہے کہ عمارت کرنیکا موقعہ نہیں ملتا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ کسی چیز کو ایذا نہیں دینا چاہیئے۔ شرح الانوار میں ایک فقرہ نہایت خوب لکھا ہے کہ تمام فرقے تمام باتوں میں مختلف مذہب اور رائے رکھتے ہیں لیکن اسبات پر سب کا اتفاق ہے کہ جہانتک ہو سکے دوسروں کو آرام پہونچائے اور کسیکو تکلیف نہ دے۔ اس مضمون کو کسی نے عربی میں منظوم کیا ہے ؎

| | |
|---|---|
| عمابہ قد اجمع الناس کلھم | فلا العقل نافیة ولا الشرع رافع |
| محاشاة ما فیہ لنفس اذیة | مواتاة ما فیہ للخلق نافع |

(اسکا ترجمہ وہی اوپر کی عبارت ہے)

آپ فرمایا کرتے تھے کہ بھوکا سونا چاہیئے اور برہنہ رہنا چاہیئے اور صرف قدر ضرورت پر

اکتفا کریں۔ فصل الخطاب کے مصنف نے اسی مطلب کی تائید میں ایک حدیث نقل کی ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ اپنے پیٹ کو بھوکا رکھو۔ اپنے جگروں کو پانی سے سیراب نہ کرو اور اپنے جسم کو برہنہ رہنے دو۔ شاید کہ تم اپنی چشمِ بصیرت سے حق تعالیٰ و تقدس کو دیکھ سکو۔ شاید کا لفظ اسلئے استعمال فرمایا ہے کہ کوئی بات کسی نتیجہ کے لئے سبب قاطع نہیں خیال کی جاسکتی۔ باوجود ریاضت کے بھی فضل و کرم الٰہی تعالیٰ شانہ کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ دیکھنے کو چشم بصیرت سے متعلق فرمایا جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مشاہدہ ایک نور ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے اور آنکھوں کو اس بارہ میں کچھہ دخل نہیں گو اسپر قلب کے انوار منعکس ہوں۔ اسکو خوب سمجھ لینا چاہئے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ انتہا میں بھی ابتدا کی رعایت کرنی چاہئے۔ اسی کے مطابق کسی نے کہا ہے ؎

شاہ اگر لطف بے عدو راند　　　بندہ باید کہ قدرِ خود داند

(اگر بادشاہ عنایت اور مہربانی کرکے سو طرح کے الطاف سے پیش آئے تب بھی بندۂ ناچیز کو چاہئے کہ گھمنڈ میں آکر اپنی اصلیت کو نہ بھول جائے)

آپ فرمایا کرتے تھے کہ طریقت کا یہ مرحلہ نہایت مشکل ہے کہ اس شخص کے حق میں دعائے خیر کرے اور سچے دوست کیطرح سمجھے جو اسکا دشمن اور اسکے درپے ایذا ہے۔ دشمن کے ہاتھ سے ایذا برداشت کرنا نفس کی ذلت کا باعث ہوتا ہے جس سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اسکی دلیل یہ حدیث قدسی ہے کہ دع نفسك وتعال اپنے نفس کی خواہشیں پوری کرنا چھوڑدو اور پھر بے تکلف ہماری بارگاہ میں چلے آؤ۔ لیکن اس درجہ کے تحمل کے لئے ایک ایسے فرد کامل کی ضرورت ہے جو اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے موصوف ہو۔ تمنے سنا ہوگا کہ جب کفار اشرار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی ایذائیں دیں تو آپ نے فرمایا کہ اللهم اهد قومي فانهم لا يعلمون (بار خدایا میری قوم کو ہدایت نصیب فرما کیونکہ وہ جو کچھ کررہے ہیں جہالت اور نادانی سے کررہے ہیں۔ رشحات میں لکھا ہے کہ جب تک سالک اس مقام پر نہ پہونچے کہ اگر کوئی

اسکو گالیاں دے یا کوئی ذلّت سے پیش آئے تو وہ اسکو خوشی سے برداشت کرے
اسوقت تک اسکو مردانِ خدا کے زمرہ میں شامل نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ اہل تحقیق کے
نزدیک مسلّم ہے کہ لا فاعل فی الوجود الا اللہ (تمام کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اسکا
فاعل حق تعالیٰ ہے)۔ بنابریں جو کچھ بھی پیش آئے چونکہ اسکا فاعل محبوب حقیقی ہے
اسکا خوشی سے خیر مقدم کرنا چاہئے۔ نیز اسی کتاب میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے
کے نقائص اور اسکی مذمّت بیان کرتا ہے تو وہ فطرۃً اس سے متاثر ہوکر ناخوش
ہو جاتا ہے۔ اسلئے جوان مرد وہ ہے جو اس ناخوشی کو اپنے سے دور کردے۔ لیکن جبتک
حق تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع نہیں لائیگا اس دولتِ عظمےٰ کا حاصل ہونا محال ہے محض
ذکر اور مراقبہ سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ تعویذ نہیں لکھنا چاہئے۔ اور دعا بھی نہیں کرنی چاہئے
کیونکہ اگر تعویذ لکھدے یا کسیکے حق میں دعا کردے تو اگر مشیّت الٰہی کے مطابق اسکا
اثر ظاہر ہوا تو ممکن ہے کہ نفس اور شیطان اسکو خود بینی اور تکبر میں مبتلا کریں اسکے
دل میں یہ خیال جاگزیں ہوگا کہ واہ واہ میں کسقدر صاحب کمال ہوگیا ہوں میرے
تعویذ اور میری دعائیں اپنا اثر دکھا رہی ہیں۔ اس خطرہ کا دل میں پیدا ہونا سالک کے لئے سخت
مضر ہے۔ لیکن بحکم صاحب الغرض مجنون (صاحب غرض دیوانہ کیطرح ہوتا ہے) کوئی
حاجتمند مجبور کرے تو اس سے صرف اسقدر کہدینا چاہئے کہ قدمگاہِ مبارک آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی خاک پاک سے تبرّک حاصل کرو۔ اور وہاں کا پانی پیو۔ یا اُسے یہ
کہدیں کہ سات مرتبہ کلام اللہ شریف کے گرد پانی کو پھرا کر اسکو پی لو۔ اسطرح کہنے میں
بہت سی حکمتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو تاثیر قدمِ مبارک کے روضہ یا کلام اللہ شریف میں ہے
اسکا عشر عشیر بھی سالک میں نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر کچھ ہے تو وہ انہی کے
طفیل سے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس صورت میں اس مریض کو بشرطیکہ اُسکے مقدر میں مقرر ہے
شفا ہوئی یا حاجتمند کی آرزو پوری ہوئی تو جناب خداوندی اور حضرت نبوی سے اسکا اعتقاد
اور محبت اور بڑھ جائے گی۔ جو ایک نہایت اہم بات ہے۔ لیکن اگر بالفرض کچھ اثر ظہور میں نہ آیا

تو یقیناً اسکے دل میں عدم تاثیر کے متعلق کوئی ناجائز خطرہ پیدا نہیں ہوگا۔ بلکہ اپنے نصیب پر حوالہ کرے گا۔ بر خلاف اسکے اگر مرد خدا خود توجہ کرے تو بصورت مؤثر ہونیکے خود بینی کی بلائے بے درمان میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر مؤثر نہ ہو تو ہدف تیر ملامت وطعنہ زنی بننا پڑے گا۔ اسلئے بہتر ہوگا کہ اپنے تئیں ان دو مصیبتوں کے درمیان معرض خطر میں نہ ڈالے اور الگ تھلگ ہو کر سلامتی میں رہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ جنوں کے جلانیکا عمل کرتے ہیں وہ بہت بڑا کرتے ہیں۔ اور خون ناحق اپنے ذمے لیتے ہیں۔ مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کا قول اسی کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ تفسیر یعقوب چرخی میں لکھا ہے کہ جنوں اور پریوں کو اپنے پاس نہ بلاؤ۔ اور انکا خون نہ کرو۔ نہیں تو کافر ہو جاؤ گے۔ کوئی حیوان انکے نام پر ذبح نہ کرو ایسے حیوان کا ذبح کرنیوالا کافر اور اسکی بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے۔ کتاب حشویات اور طالع وز انچہ پر اعتقاد نہ کرو۔ جن اور پری کو جلانا اور انکا ضرر دفع کرنیکے لئے چراغ روشن کرنا ممنوع ہے۔

آپ فرماتے تھے اس زمانے میں جبکہ میں یورپ میں تھا ہمارے اُستاد کے متعلقین سے ایک شخص کو جن کا آسیب ہو گیا۔ اُستاد نے ایک شخص کو بلایا جو جنیات کے عمل میں مشاق تھا۔ اس نے جن کا اثر دور کرنے کے لئے دعوت پڑھنا شروع کیا اور طالب علموں کو بھی امداد کے لئے شریک کر لیا۔ استاد نے مجھکو بھی مجبور کیا کہ میں انکے ساتھ شریک ہوؤں۔ چنانچہ ابھی دعوت ختم نہیں ہوئی تھی کہ مجھے نیند آگئی۔ خواب کی حالت میں جمال جہاں آرائے نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خون ناحق کرے یا اس میں شریک ہو وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا اچانک میری آنکھ کھل گئی اور میں اس مجلس سے اُٹھکر چلا گیا۔ ایک بدیہی بات ہے کہ جبتک جن کسیکے قتل کا مرتکب نہ ہو اُسکو مارنا یا جلانا کس بنا پر جائز ہوگا۔ مؤلف کہتا ہے کہ اگر جن کا شر دفع کرنے کے لئے دعا پڑھی جائے تو ممکن ہے کہ یہ جائز ہو۔ چنانچہ بعض کتابوں میں لکھا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر غیب کی باتیں منکشف ہونے لگیں تو انکو پوشیدہ رکھنا

چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ اظہار کردے اور پھر اسکے مطابق وقوع میں آئے تو لوگ اسکیطرف جوق در جوق ہوکر رجوع لائینگے جسکی وجہ سے اسمیں تکبر اور رعونت کے خصائل پیدا ہوجائینگے لیکن اگر اسکے کہنے کے مطابق واقع نہ ہو تو خواہ مخواہ شرمندہ ہونا پڑے۔ واقع نہ ہونا اسلئے ممکن ہے کہ قوت وہم اور خیال کے تصرفات کو مکاشفات صحیحہ سے امتیاز کرنا نہایت مشکل ہے۔ شروق الانوار میں سنون محب قدس سرہٗ سے یہ اشعار نقل کئے ہیں ؎

وازعم انی قد بلغت من الھوی　　الی غایۃ مابعدھا لی مذھب

فلما تفرقنا تذا کرت مامضٰے　　وایقنت انی انما کنت العب

(میرا خیال تھا کہ میں عشق اور محبت کے انتہائی درجہ تک پہونچگیا ہوں۔ لیکن جب ہم آپسمیں جدا ہوگئے اور میں نے اپنا گذشتہ زمانہ یاد کیا تو میں نے یقین کرلیا کہ وہ ایک کھیل کود کا زمانہ تھا۔) شرمندہ ہونے کے علاوہ ممکن ہے کہ اسکے دل میں جناب خداوندی کے حق میں نارضامندی کا خیال پیدا ہو کہ ایسا امر مجھپر کیوں منکشف ہوا جسکا تحقق خارج میں ظہور پذیر نہ ہوا۔ ایک تیسری صورت اظہار امور غیبیہ کی یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ وقوع میں آچکے تو وہ کہدے کہ مجھکو پہلے سے اسکا وقوع معلوم تھا تو اسصورت میں لوگ سمجھیں گے کہ یہ اپنی شیخی بگھارنے کے لئے کہتا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ بغیر کسی قسم کی غرض اور مطلب کے حق تعالیٰ کا طالب ہونا چاہیئے کیونکہ وہ طلب جو خودغرضی پر مبنی ہو وہ ناخوشی اور عتاب کا باعث ہوتی ہے چنانچہ بیوی اور خاوند اور ملازم کی محبت میں ظاہر ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کے ردّ و قبول پر ہرگز نظر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ حقیقی عزت یا ذلت وہی ہے جو حق تعالیٰ کیطرف سے ہو۔ غیر کا اعزاز یا اذلال قابل اعتبار و التفات نہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

گر دو سہ ابلہ بہ تو منکر شوند　　تلخ کے گردی چو ہستی کانِ قند

(اگر دو تین بیوقوف تمہاری فضیلت سے انکار کریں تو کیا مضائقہ کی بات ہے اگر تم درحقیقت قند و نبات کیطرح میٹھے ہو تو انکے کہنے سے تم تلخ نہیں ہو سکتے)۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ بیمار ہو جانے کی حالت میں دوا نہیں کرنا چاہئیے بلکہ اس دوا پر جو قیمت صرف ہوتی ہو راہِ خدا میں صرف کرنی چاہئیے۔ ہر ایک چیز کی تاثیر حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس وقت چاہتا ہے صحت عطا فرماتا ہے۔ مؤلف کہتا ہے دوا کھانے سے جو آپ نے منع فرمایا ہے اس میں ایک دقیق نکتہ ہے جسکی حقیقت تک پہونچنے کے لئے نگاہِ باریک بین کی ضرورت ہے۔ انسان کی طبیعت اسباب سے متوسّل ہونے کی صورت میں انہی اسباب سے مانوس ہوکر انکو سبب حقیقی خیال کرنے لگتی ہے۔ اور مسبب الاسباب سے غافل ہو جاتی ہے۔ خصوصاً بیماری کی حالت میں نظر دوا اور طبیب پر رہتی ہے اسلئے دوا کھانا مسبب الاسباب سے غافل ہونے کا ایک باعث ہے۔ جو سالک کے حق میں سخت سفر ہے۔ انبیاء اور اولیاء سے جو دوا کا استعمال کرنا منقول ہے اسکی ایک خاص وجہ ہے۔ انبیاء اور اولیاء عین ایسی حالت میں جبکہ وہ اسباب کی پابندی کر رہے ہوں انکی نظر مسبب الاسباب پر رہتی ہے اور اسباب کا تعلق انکے حق میں حجاب اور مانع نہیں ہوسکتا۔ اسلئے انھوں نے ہمیشہ اسباب سے کام لیا تاکہ عالم اسباب کا نظام درہم برہم نہ ہو۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کو ہمیشہ حقیر اور بے وقعت سمجھنا چاہئیے اور یقین کر لینا چاہئیے کہ اسکا دور دورہ چند روزہ ہے آخر تمہیں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں جانا ہے۔ مؤلف کہتا ہے اسی کے موافق ہے حضرت علی رضہ کا یہ قول کہ لدنیاکم اھون عندی من اعراق خنزیر فی ید مجذوم (تمہاری دنیا جسکو تم محبوب سمجھتے ہو میرے نزدیک اس سے زیادہ حقیر ہے جسطرح خنزیر کی پر گوشت ہڈیاں کسی کوڑھی کے ہاتھ میں)۔ شیخ مصلح الدین نے مجالس خمسہ میں نہایت خوب لکھا ہے (دنیا سے دلبستگی نہ رکھو دنیا میں وفا نہیں۔ خدا سے تعلق پیدا کرو کہ آدمی کے لئے خدا سے بہتر دوسرا نہیں) تمسے پہلے کتنی پشتیں فنا ہو چکی ہیں لیکن کیا اب انکا کچھ بھی نام و نشاں باقی ہے؟ اے جوانمرد! دنیا کے تم جیسے بہتیرے عاشق ہیں لیکن اس نے ایک سے بھی وفا نہیں کی۔ تم بھی اس سے وفا کی امید نہ رکھو۔ میرے پیارے کسیکو اسقدر عمر دراز

نصیب نہیں جسقدر کہ لقمان کو جسکی عمر ایکہزار پانسو برس تھی۔ جب اسکی اجل پوری ہوئی اور موت کا فرشتہ حاضر ہوا تو اسوقت وہ ایک باغ میں بیٹھا ٹوکری بن رہا تھا۔ ملک الموت نے کہا۔ اے لقمان! تمنے ایکہزار پانسو برس کی عمر پائی لیکن اس مدت دراز میں جھونپڑی تک نہ بنائی۔ لقمانؑ نے جواب دیا۔ اے عزرائیل! جسکے پیچھے تیرے جیسا زبردست موکل لگا ہوا ہو وہ کیسے گھر بنا سکتا ہے ؎

انما الدنیا کظل زائل — او کضیف بات لیلا فارتحل
او کحلم قد راٰھا نائم — فاذا ما ذھب اللیل بطل

(دنیا کی مثال ایک سائے کی ہے جو بہت جلد زائل ہو۔ یا ایک مہمان جو رات بسر کر کے چل دیتا ہے۔ یا ایک خواب جیسے ایک شخص نیند میں دیکھتا ہے لیکن رات گئی اور خواب کی ہستی ساتھ ہی خاک میں ملگئی۔) حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایکہزار بائیس سال تھی۔ اس سے پوچھا گیا کہ اے سب سے بڑی عمر والے نبی! تمنے دنیا کو کسطرح پایا۔ اُنہوں نے فرمایا۔ دنیا ایک گھر کی طرح ہے جسکے دو دروازے ہوں۔ ایک سے داخل ہوا اور دوسرے سے باہر نکل کر چلا گیا۔ اسی کتاب میں ایک جگہ پر کیا خوب لکھا ہے اے بندۂ خدا! تمنے کائنات کے ہر ایک ذرّے کو معبود اور قبلۂ توجہ بنا رکھا ہے بت پرستونکو کیوں بُرا کہتا ہے اور زنار بندونکو کیوں کوستا ہے اگر وہ بندۂ صنم ہیں تو کیا ہوا تم بندۂ دینار و درہم ہو۔ پھر فرق کیا؟ (مجالس خمسہ کی عبارت ختم ہوئی)۔

# ساتواں فائحہ

## دقائق علمی اور فوائد غیبی جنکی تحقیق آپنے فرمائی

---

**فائدہ**۔ ایک دن ایک شخص نے سوال کیا کہ حدیث میں وارد ہے انا من نور اللہ والمؤمنون من نوری (میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں اور مومنوں کی پیدائش میرے

نور سے ہوئی) یہ حدیث بالفاظِ مختلف منقول ہے لیکن سب کا ماحصل یہی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مومنوں کی روحیں حضرت نبوی کے نور پاک سے پیدا ہوئیں۔ باایں ہمہ یہ مسلّم ہے کہ بعض گنہگار مسلمانوں کو دوزخ میں ڈالا جائیگا۔ لہذا سمجھ میں نہیں آتا کہ عذاب سے کون متأثر ہوگا۔ آپ نے فرمایا اگر ایک آتشی شیشے کو آفتاب کے مقابل رکھدیں تو اسمیں آگ کی خاصیت پیدا ہوگی جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر روئی کا ٹکڑا اسکے سامنے رکھا جائے تو وہ بھڑک اُٹھے گا اب ظاہر ہے کہ جو آگ تیسرے مرتبہ میں پیدا ہوئی وہی آگ ہے جو آفتاب میں موجود ہے لیکن پہلے دو مرتبوں پر وہ قابل زوال و تبدل نہیں تھی۔ برخلاف اسکے تیسرے مرتبہ میں وہ قابل زوال و تغیر ہے۔ اسی قیاس پر ذات تعالی و تقدس اور ذات نبوی کا نور قابل نقص و زوال اور مستحق عذاب و وبال نہیں۔ لیکن جو نور گنہگار مومنوں کی سرشت میں داخل ہے وہ مورد عذاب ہو سکتا ہے۔ جب اسطرح تغایرِ مراتب سمجھ میں آجائے تو پھر یہ اشکال قائم نہیں رہتا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ مومنوں کی روحیں خالص نور سے پیدا نہیں ہوئیں بلکہ اسکے ساتھ نفس اور شیطان کی ظلمت بھی ملی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس شعر میں اسکی توضیح کی گئی ہے ؎

آدمی زادہ طرفہ معجونے است ۔۔۔ از فرشتہ سرشتہ وز حیواں

(انسان ایک عجیب معجون مرکب ہے اس میں ملکیت بھی ہے اور حیوانیت بھی)۔ اس صورت میں عذاب کا مورد ہونا یہ مثال رکھتا ہے کہ ایک چراغ جس میں تیل اور پانی بھر دیا گیا ہو جلا دیا جائے تو ظاہر ہے کہ جبتک تیل باقی ہے وہ چراغ جلتا رہیگا اور آگ کے اثر کا مانع نہیں ہوگا لیکن تیل کے ختم ہو جانے پر فوراً بجھ جائیگا۔ اسی قیاس پر جبتک ایک مرد گنہگار میں عصیان اور ذنوب کی ظلمت باقی ہے وہ دوزخ کے عذاب سے معذب ہوگا لیکن اس ظلمت کے بالکل جلکر خالص نور کے باقی رہ جانے پر اسکو عذاب دوزخ سے نجات حاصل ہوگی۔ آپ کا کمال ملاحظہ ہو کہ کسطرح عقلی مسائل کو خارج کی محسوس مثالوں سے واضح فرما دیا۔ میرے نزدیک تو یہ مواہب لدنیّہ کا ایک کرشمہ ہے۔

**فائدہ۔** ایک دن مؤلف نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اولیاء اللہ کے کلام سے

مفہوم ہوتا ہے کہ فقر کا آخری مرتبہ یہ ہے کہ مرتبۂ بشریت سے عروج کر کے اُلوہیت کے مرتبہ تک پہونچ جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سالک ذات حق تعالیٰ و تقدس سے متحد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض بزرگواروں سے صریحاً اس قسم کے کلمات منقول ہیں۔ مثلاً انا الحق سبحانی ما اعظم شانی۔ اذا تم الفقر فھو اللہ۔ الصوفی غیر مخلوق وغیرہ وغیرہ اس قول کی حقیقت کیا ہے۔ باوجودیکہ اس قسم کی کتابیں آپ نے بہت کم مطالعہ فرمائی تھیں۔ لیکن آپ نے فی البدیہہ فرمایا کہ بندہ کسی حالت میں عین خدا نہیں ہو سکتا بعض اولیاء اللہ سے جو اس قسم کے کلمات منقول ہیں وہ حالتِ سکر میں اُن سے سرزد ہوئے ہیں جنکو شطحیات کہتے ہیں۔ اہل کمال کو جب اس حالت سکر سے افاقہ حاصل ہوتا ہے تو وہ اس سے تائب ہو کر بارگاہِ حق میں استغفار کرتے ہیں۔ اسکی مثال لوہے کے ایک ٹکڑے کی ہے جسکو آگ میں اس حد تک گرم کیا جائے کہ اسمیں آگ کی خاصیتیں پیدا ہو جائیں اب ایک کوتہ فہم یا ظاہر بین اسکو آگ کا ٹکڑہ خیال کر سکتا ہے لیکن ایک حقیقت آگاہ مرد یہ جانتا ہے کہ یہ آگ نہیں بلکہ آگ میں اور اسمیں بیّن فرق ہے۔ اکثر لوگ جو اس قسم کے سوال خدمت میں عرض کرتے تھے انکے جواب میں بارہا یہی مثال بیان فرماتے تھے۔ لیکن مؤلف نے چونکہ وحدت وجود کی کتابیں مطالعہ کی تھیں اسلئے مؤلف کے دل میں اسکے متعلق خلجان پیدا ہوتا تھا کہ چونکہ اہل عرفان کے نزدیک وحدت وجود ایک مسلّمہ اصول ہے اسلئے کسی عارف کا ترقی کر کے عین خدا بنجانا کس دلیل کی بنا پر محال اور ناممکن کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جب غیریت کا وہم رفع ہوا تو سوائے عینیت اور اتحاد کے اور کوئی بات تو سمجھ میں نہیں آتی۔ چونکہ یہ ایک غامض اور دقیق سوال تھا اسلئے اسکے پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اسی اثناء میں کتاب فصل الخطاب کے دیکھنے کا اتفاق ہوا جو خواجہ محمد پارسا کی ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اسکے مطالعہ کے بعد میرا شبہ بالکل زائل ہو گیا۔ اور خدا کے فضل سے اصل حقیقت کھل گئی۔ خواجہ موصوف کتاب مذکورہ میں اس مسئلہ کو اسطرح حل فرماتے ہیں:۔

"ابویزید بسطامی کا قول ہے۔ میں اپنے نفس سے اسطرح جدا ہو گیا جسطرح سانپ

کینچلی کو اُتار کر اس سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس کی خواہشوں اور شہوتوں کو خیرباد کہدیتا ہے تو سوائے حقتعالیٰ کے اور کوئی چیز اس کا قبلۂ توجہ نہیں ہوتی۔ الغرض وہ بالکلیہ ظاہراً و باطناً ذاتِ حق کی جانب متوجہ ہو کر اپنی تمام تر ہمت اسپر مبذول کرتا ہے تو اسکے آئینۂ دل میں جلال حق اور جمال الٰہی جلوہ گر ہو کر اسکے ظاہر و باطن کو گھیر لیتے ہیں اور وہ مستغرق بالحد ہو کر ایسا ہو جاتا ہے گویا وہ خدا ہے۔ لیکن وہ عین خدا نہیں ہوتا۔ (اس فرق کو عربی میں کانہٗ ھو اور ھو ھو سے تعبیر کرتے ہیں) کانہٗ ھو (گویا فلاں چیز فلاں چیز ہے) اور ھو ھو (فلاں چیز عین فلاں چیز ہے) میں بین فرق ہے اور اس فرق کو یاد رکھنا چاہئے۔ یہی لغزش کی جگہ ہے۔ کیونکہ جو شخص علوم عقلیہ جو تصحیح مکاشفات کا معیار ہے بخوبی ماہر نہ ہو وہ اکثر اس مغالطہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ان دونوں مرتبوں میں کچھ فرق نہیں سمجھتا۔ وہ اپنی ذات کا کمال مشاہدہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ حقتعالیٰ کی تجلیات کا وہ مورد بنا ہوا ہے اسلئے وہ اپنے آپ کو عین حق خیال کر لیتا ہے اسکی یہ غلطی بعینہٖ نصاریٰ کی غلطی کی طرح ہے۔ کہ اُنہوں نے حضرت عیسےٰ کو تجلیاتِ حق کا مظہر دیکھکر اسکو عین خدا سمجھ لیا اور اتحاد کے قائل ہو گئے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ انوار الٰہیہ حضرت عیسےٰ کی ذات میں جلوہ گر ہیں اس سے انکو مغالطہ ہوا اور اُنہوں نے اسکو عین ذات حقتعالیٰ و تقدس خیال کر لیا۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ایک شخص آئینے یا پانی میں ستارے یا آفتاب کو دیکھکر اپنی کوتاہ فہمی سے یہ سمجھ لے کہ آئینے یا پانی میں بعینہٖ ستارہ یا آفتاب موجود ہے اور اسکو پکڑنے کے لئے ہاتھ پھیلائے۔ یہ شخص اپنی نافہمی کے باعث معذور ہے۔ وہ حقیقت حال سے بے خبر محض ہے اسلئے اسکی یہ حرکت ایک حد تک حق بجانب ہے۔ اسکو ستارہ یا آفتاب کے اصل اور عکس میں فرق معلوم نہیں۔ دوسری مثال اسکی یہ ہے کہ ایک کمسن لڑکا آئینے میں کسی انسان کی صورت دیکھکر غلطی میں پڑ جاتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ آئینے میں کوئی دوسرا شخص موجود ہے۔ اسیطرح انسان کا دل ایک آئینہ ہے جس میں تمام معانی الٰہیہ اور اشکال و صور غیبیہ منعکس ہوتے ہیں بشرطیکہ اسکو کدورت اور زنگ سے صاف کر دیا جائے۔ اس بنا پر جب اس میں

انوار الٰہیہ کا عکس پڑتا ہے تو سالک اسکو دیکھکر عین خدا خیال کر لیتا ہے اور چونکہ اسکو یہ نور اپنے آپ میں نظر آتا ہے لہذا وہ اتحاد کا تصور کر لیتا ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ جسطرح ایک مصفا اور پاکیزہ گلاس میں شراب بھری ہو تو موٹی اور سرسری نگاہ میں وہ دونوں متحد معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس سے ایک زبردست مغالطہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ سراسر شراب ہی شراب ہے، اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ نہیں گلاس ہی تو ہے۔ اسی مقام پر خواجہ ممدوح نے حجۃ الاسلام امام غزالی کی یہ تحقیق نقل کی ہے کہ ایک چیز کا دوسری چیز سے متحد ہو جانا بالکل ناممکن ہے اور اسی لئے بندہ کا عین خدا ہو جانا سراسر غلط اور باطل ہے، اسکی دلیل یہ ہے کہ جب ہم زید اور عمرو کے مفہوم کو جدا جدا اپنے ذہن میں لیکر اسکے بعد کہیں کہ زید عمرو ہو گیا اور وہ دونوں آپسمیں متحد ہو گئے۔ تو یہ اتحاد چار صورتوں سے خالی نہیں (۱) دونوں موجود ہیں اور متحد ہو گئے ہیں۔ (۲) دونوں معدوم ہو گئے (۳) زید موجود ہے اور عمرو معدوم (۴) عمرو موجود ہے اور زید معدوم۔

اِن چار صورتوں کے سوا اور کوئی پانچویں صورت ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ حصر عقلی ہے جو نفی و اثبات کے درمیان دائر ہے اور اسلئے کوئی اَور قسم عقلاً باطل ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ یہ چاروں صورتیں ایسی ہیں جنسے اتحاد کا ناممکن ہونا ثابت ہوتا ہے پہلی صورت میں تو چونکہ دونوں کو موجود فرض کیا گیا ہے اسلئے اتحاد قطعاً باطل ہے کیونکہ جب ہر ایک کی ذات جداگانہ موجود ہے تو اتحاد کاہیکا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انکا مکان ایک ہو جسطرح ایک ہی جگہ پر پانی اور ریت دونوں موجود ہوتے ہیں لیکن اس سے اتحاد لازم نہیں آتا۔ مثلاً ایک ہی ذات میں علم ارادہ اور قدرت وغیرہ مختلف صفتیں موجود ہوتی ہیں اور اگرچہ انکا محل ایک ہے لیکن وہ آپسمیں بالکل مختلف ہیں علم کو عین قدرت یا قدرت کو عین ارادہ کہنا سفاہت ہے۔ اب ہم دوسری صورت کو لیتے ہیں۔ اگر دونوں معدوم ہو گئے ہیں تو پھر کسطرح اتحاد ممکن ہے۔ اگر یہ کہیں کہ دونو معدوم ہو کر ایک تیسری چیز پیدا ہو گئی ہے۔ تو یہ مسلّم ہے لیکن اس صورت میں اتحاد کا اطلاق کرنا مجازاً ہو گا نہ حقیقۃً۔ تیسری اور چوتھی صورت میں بھی اتحاد ناممکن ہے،

کیونکہ ان دونوں صورتوں میں ایک کو موجود اور دوسرے کو معدوم فرض کرلیا گیا ہے۔
اور ظاہر ہے کہ کوئی معدوم چیز موجود سے متحد نہیں ہوسکتی اسلئے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں
کہ دو چیزوں کا آپسمیں متحد ہوجانا کسی صورت میں بھی ممکن نہیں اور اسلئے دو چیزوں کا متحد
ہونا قطعاً محال ہے۔ یہ استدلال ان ذوات سے تعلق رکھتا ہے جو آپسمیں مشابہ اور متماثل
ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن ذوات میں مغایرت ہو انکا متحد ہونا بطریق اولیٰ محض ناممکن
ہوگا۔ مثلاً ایک سیاہی کا دوسری سیاہی سے متحد ہونا محال اور ناممکن ہے لیکن سیاہی کا
سپیدی سے متحد ہونا اس سے بھی بڑھ کر محال اور ناممکن ہے۔ الغرض یہ سمجھ لو کہ جہاں کہیں
بھی اتحاد کا اطلاق ہوتا ہے وہ علی سبیل المجاز ہے حقیقۃً "دو چیزوں کا متحد ہونا ممکن ہی نہیں"
شیخ عارف عبد القدوس گنگوہی جو مشاہیر مشائخ ہند سے ہیں۔ مکتوب ۹۷ میں لکھتے ہیں۔
جب کوئی عاشق صادق اپنے معشوق کی ملاقات سے بہرہ ور ہوتا ہے تو وہ اسکے نظارۂ
وصال میں اسقدر مستغرق ہوجاتا ہے کہ اپنے آپ کو فراموش کردیتا ہے اور کسی چیز کو اپنی
سے منسوب نہیں کرتا۔ اور دنیا و مافیہا کی کسی بات کی اسکو خبر نہیں ہوتی۔ اسیطرح سالک
خدا رسیدہ وصال حق کے حاصل ہونے پر ناچیز محض اور متلاشی ہوجاتا ہے نہ یہ کہ وہ عین
خدا ہوجاتا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ وتقدس) بلکہ وہ اپنی خودی سے بیزار ہوجاتا ہے اور دوئی
کا رنگ زائل ہوکر یکرنگی آجاتی ہے۔ اس مقام میں وہ نور ذات حق کو تمام اشیاء پر محیط دیکھتا
ہے۔ جب وہ کسی چیز پر نظر کرتا ہے تو ساتھ ہی اسکو نور حق آگے یا پیچھے نظر آتا ہے الغرض
تمام کائنات میں وہ جلوۂ حق مشاہدہ کرتا ہے۔ بایں ہمہ بندہ بندہ ہے اور خدا خدا۔ گو
در حقیقت خدائے حق کے سوا اور کسی چیز کا وجود نہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔
خدا پاک اور برتر ہے ان تمام ناقص صفات اور نسبتوں سے جس سے لوگ اسکی ذات
مقدسہ کو منسوب کرتے ہیں۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا وہ قول جو اسکا مؤید ہے جو انکی ایک تصنیف میں
لکھا ہے کہ العبد عبدٌ وان ترقی والرب ربٌ وان تنزل یعنی بندہ ہرچند کسب
کمال کرکے حضیض بشریت سے عروج حاصل کرلے اور محل معرفت پر چڑھ جائے